الذکر الحسین

فی

سیرۃ النبی الامین ﷺ

تالیف:

مجدد مسلک اہل سنت، عاشق رسول، حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمۃ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بِاسْمِہٖ سُبْحَانَہٗ

بلَب مسیح شفائے او بیدِ کلیم عصائے او

بسرِ خلیل عطائے او همه عالمست گدائے او

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

همه نوریاں بثنائے او همه عرشیاں بدعائے او

همه فرشیاں بولائے او همه عرش وفرش برائے او

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

بِاسْمِہٖ وبحمدہٖ تعالیٰ

احوالِ واقعی

آخر ''الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کی اشاعت ممکن ہوگئی۔ داستان خاصی طولانی ہے، سوالوں کے جواب دیتے دیتے میں خود سے شرمندہ ہونے لگا تھا کہ ابا جان قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس اہم کتاب کی اشاعت میں تاخیر کا سبب کہیں اِس عاجز کی غفلت تو نہیں ہے۔

صورت یہ ہے کہ 1984ء میں ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ کا وصال ہوا تھا، ذمے داریاں اُس وقت پہاڑ کی طرح سر پر کھڑی تھیں۔ ایک طرف گھر کی فکر، دوسری جانب دنیا میں وابستگان کی مجھ سے وابستہ امیدیں، مساجد و مدارس کی نگرانی اور جامع مسجد گُل زارِ حبیب کے تمام امور کی بہ حسن وخوبی ادائی کا احساس ہلکان کیے دیتا تھا۔ ملک اور بیرونِ ملک سے اجتماعات میں خطاب کی دعوتیں اور زائرین وسائلین اور احباب کے تقاضے مستزاد تھے۔ ابا جان قبلہ کے رخصت ہوجانے کے بعد خود کو بہت تنہا اور ناتواں محسوس کر رہا تھا۔

چہلم سے پہلے ایک مجلّہ ترتیب دیا تھا۔ ابا جان قبلہ کی تحریروں اور تقریروں کو یک جا کرنے، ترتیب وتدوین، نیز اشاعت کے سلسلے میں اُن کے بے شمار معتقدین کے مطالبے اِس قدر شدید تھے، جیسے مجھے اِس کام کے لیے پہلے سے آمادہ رہنا چاہیے تھا۔ احباب جانے مجھے کیا سمجھے ہوئے تھے۔

دوسرے سالانہ عرس پر ''خطیبِ پاکستان، اپنے معاصرین کی نظر میں'' کے عنوان سے نسبتہً ایک مبسوط کتاب تیار کی۔ نورانی کتب خانے کی طرف سے کچھ کتابوں کی اشاعت کا اہتمام بھی کیا۔ پرسانِ حال گواہ ہیں، کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا، کام ہی کرتا رہا۔ مشہور پریس اور مدینہ پبلشنگ کمپنی کے مالک الحاج حکیم محمد تقی صاحب مرحوم کی وفات کے بعد اس ادارے سے کتب کی خطاطی یا اس نوعیت کا کوئی تعاون بھی نہیں مل سکا تھا۔

کتابوں کی تدوین وترتیب کے مرحلوں کا قارئین کو شاید اس قدر اندازہ نہ ہو۔ اپنی

تحریروں کی بات دِگر ہے، کسی عالم متبحر کی کتاب کی اشاعت کا اہتمام ایک امتحان ہوتا ہے۔ مسودہ خوانی کرتے ہوئے متن، اقتباس اور حوالوں کی درستی، پھر اس کی قلمی خطاطی کی نگہ داشت میں ہر پہلو صحت کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

الحاج محمد حفیظ البرکات شاہ نے لاہور میں ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' نامی ایک ادارہ قائم کیا اور ایک صبح مجھ سے ملنے کراچی آئے۔ بھائیوں سے مشاورت کے بعد یہی مناسب جانا کہ ابا جان قبلہ کے تحریری کام کی اشاعت کے حقوق اُنہیں دے دیئے جائیں۔ شاہ صاحب کا اصرار تھا کہ مطبوعہ وغیر مطبوعہ تمام کام جلد از جلد ان کے سپرد کر دوں۔ ان کے ذوق وشوق نے میرا اعتماد فزوں کیا۔ نادانی یہ ہوئی کہ عکس محفوظ کیے بغیر سارے قلمی مسودات موصوف کے حوالے کر دیئے۔ اُن دنوں کمپیوٹر سے کمپوزنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔ شاہ صاحب نے مسودات کی خطاطی کا کام شروع کروا دیا اور آہستہ آہستہ کتابت شدہ اوراق مجھے بھجواتے رہے۔ مسودہ بینی کے بعد اشاعت کا آغاز ہو گیا۔ 'الذکر الحسین' کا اولین حصہ پہلے شائع ہو چکا تھا۔ اِس کی جدید کتابت میں مجھے اِملا اور حوالوں کی تحقیق وتفتیش کرنی تھی۔ دوسرے غیر مطبوعہ حصے کی کتابت دیکھنے، کاتب کی جانب سے کی گئیں اغلاط کی نشان دہی کرنے میں کچھ وقت لگ گیا۔ حیرت اِس امر پہ ہوئی کہ دوسرا حصہ تو ابا جان قبلہ کی تحریر کا کم وبیش نصف ہے۔

شاہ صاحب کا فرمانا تھا کہ وہی کچھ انہیں دیا گیا تھا۔ یہ تو میں جانتا تھا کہ کتنی راتیں ابا جان قبلہ کے ساتھ میں نے اس دوسرے حصے کے مندرجات اور حوالوں کی صداقت و شہادت کی جستجو میں گزاری تھیں۔

اب کیا کیا جا سکتا ہے؟ اِسے شامت اعمال کہیے، باقی مسودہ یا تو کاتب کے پاس رہ گیا یا شاہ صاحب سے کہیں گم ہوا؟ میرے لیے تو یہ ایک سانحہ تھا۔ گم شدہ تحریر کی شد و مد سے تلاش رہی۔ میری درخواست پہ ایک ہی جواب کی تکرار کی جاتی رہی ''بس اتنا ہی کچھ تھا''۔ کئی برس تو اس خوش امیدی میں بیت گئے کہ شاید کوئی ایسی صورت بن جائے، مسودہ دست یاب ہو جائے لیکن واحسرتا.......

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے ساری رُوداد سنی تو مشورہ دیا کہ جس قدر موجود ہے، اُسی کو چھپوا دو اور کسی کرشمے کی دعا کرتے رہو۔

دل نہیں مانتا تھا کہ ابا جان قبلہ کی اتنی محنت یوں ہماری کوتاہی کی نذر ہو جائے۔ ستم بالائے ستم، پہلے حصے کی کتابت کے لیے جو نسخہ بذاتِ خود ابا جان نے کلیاتِ اقبال کی خطاطی کرنے والے جناب محمود اللہ صدیقی کے فرزند خالد احمد صدیقی کے حوالے کیا تھا اور اُس میں کچھ تصحیح بھی فرمائی تھی، وہ نسخہ بھی اُس خوش رقم، خوش قلم نوجوان سے واپس نہیں ملا۔ کیا کروں، کہاں جاؤں اور کس در پہ جا کے فریاد کروں۔

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا غلام علی اوکاڑوی علیہ الرحمہ نے ایک مرتبہ ہدایت فرمائی تھی کہ اب تمہیں یہ کتاب مکمل کرنی ہے۔ اس کتاب کے ایک نسخے کی انہوں نے تصحیح فرمائی، میرے ایک بیرون ملک سفر میں وہ نسخہ بھی کسی "ضرورت مند" نے جانے کیسے بلا جھجک اچک لیا۔ ایں ہم بر سر الم (اتنی مصیبتوں میں ایک اور بھی سہی)۔

اِس دوران میں نے بہت کچھ لکھا مگر ابا جان قبلہ کی اس نامکمل کتاب کی اشاعت پر خود کو راضی نہ کر سکا۔ اب ایسا کچھ ہے کہ کتاب تو واقعی نامکمل ہے اور فی الحال اِس کی تکمیل کا کوئی امکان بھی نظر نہیں آتا۔ اِدھر شدت سے احباب کی خواہش ہے کہ جو موجود ہے، اُسی پر اکتفا کیا جائے۔

تمام قارئین سے التماس ہے کہ دعا فرمائیں، ابا جان قبلہ کا نوشتہ گم شدہ مسودہ مل جائے۔ اس صدمے کا بوجھ مجھے بے چین کیے رکھتا ہے میں خود کو مجرم سمجھتا رہوں گا کہ میں نے عکس محفوظ کیے بغیر قلمی مسودہ اس فیاضی سے کیوں کسی کو سونپ دیا۔ بہ ہر حال، جو ہونا تھا، ہو چکا، احساس ہوتا ہے کہ ابا جان کو کیا مونھ دکھاؤں گا۔ اللہ کریم مجھے معاف فرمائے۔

یہ ادھوری مگر نہایت گراں قدر تحریر آپ کے سامنے ہے، امید ہے حقیقت احوال جان کے مجھ فقیر کے لیے آپ بھی دعائے خیر فرمائیں گے۔

کوکبِ نورانی را احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شفیع 2019ء

(اوکاڑوی غفرلہ)

okarvi@hotmail.com

مجدد مسلکِ اہل سنت خطیب اعظم پاکستان

نام: (مولانا) حافظ محمد شفیع اوکاڑوی

ولدیت: حاجی شیخ کرم الٰہی مرحوم و مغفور جو پنجاب کی معزز شیخ تاجر برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

سنِ ولادت: 1929ء۔ کھیم کرن۔ مشرقی پنجاب۔ (بھارت)

تعلیم: اسکول میں مڈل تک اور دینی تعلیم: درسِ نظامی مکمل و دورۂ حدیث و تفسیر۔

بیعت و ارادت: شیخ المشائخ حضرت پیر میاں غلام اللہ صاحب شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ المعروف حضرت ثانی صاحب قبلہ برادر خورد شیر ربانی اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ (سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ)۔

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ نے حاجی میاں کرم الٰہی کو مولانا اوکاڑوی کی ولادت اور ان کے فضل و کمال کی بشارت پہلے ہی سے دے دی تھی۔ آپ کے والدین نے بھی آپ کی ولادت سے قبل مبارک خواب دیکھے اور بیان کیے۔

حالات و خدمات: اپنے پیر و مرشد حضرت ثانی صاحب شرق پوری اور علمائے اہلِ سنت کے ساتھ زمانہ طالبِ علمی میں تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور تقسیمِ ہند تک سرگرمِ عمل رہے۔

☆ 1947ء میں ہجرت کر کے اوکاڑا آ گئے اور جامعہ حنفیہ اشرف المدارس قائم کیا جس کے بانیان اور سرپرستوں میں سے تھے۔

☆ دار العلوم اشرف المدارس، اوکاڑا کے شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا غلام علی صاحب اشرفی، اوکاڑوی اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ انوار العلوم، ملتان کے شیخ الحدیث والتفسیر غزالی دوراں حضرت علامہ مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی سے تمام متداول دینی علوم پڑھے اور درسِ نظامی کی تکمیل پر اسناد حاصل کیں۔

☆ جامع مسجد مہاجرین منٹگمری (ساہی وال) میں نمازِ جمعہ کی خطابت شروع کی۔ اس

دوران بِرلا ہائی اسکول اوکاڑا میں دینیات کے معلم رہے۔

☆ 53-1952ء میں تحریکِ ختمِ نبوت میں محض سید عالم ختمی مرتبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وناموس کے لئے بھرپور حصہ لیا۔ ضلع منٹگمری (ساہیوال) اور پنجاب کی سرکردہ شخصیت تھے۔ حکومت نے قید کر دیا۔ دس ماہ منٹگمری جیل میں رہے۔ اسیری کے ان ایام میں حضرت مولانا کے دو فرزند منیر احمد اور تنویر احمد جن کی عمر بالترتیب تین سال اور ایک سال تھی انتقال کر گئے۔ یہ دونوں مولانا کے پہلے فرزند تھے۔ ان کی وفات کے سبب گھریلو حالات پریشان کُن تھے۔ کچھ بااثر لوگوں نے ڈپٹی کمشنر ساہیوال سے مل کر سفارش کی۔ ڈپٹی کمشنر نے جیل کا دورہ کیا۔ گرفتار شُدگان سے ملاقات کی اور مولانا اوکاڑوی کو بالخصوص الگ بلا کر کہا کہ بچوں کی وفات کی وجہ سے آپ کے گھر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ میرے پاس آپ کے لئے بہت سی سفارشیں ہیں۔ آپ معافی نامے پر دستخط کر دیں۔ آپ کا معافی نامہ عوام سے پوشیدہ رکھا جائے گا اور آج ہی آپ کو رہا کر دیا جائے گا۔ مولانا نے جواباً کہا کہ ''میں نے عزت وناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کام کیا ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ لہٰذا معافی مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بچے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میری جان بھی چلی جائے تب بھی اپنے عقیدے پر قائم رہوں گا اور معافی نہیں مانگوں گا۔'' اس جواب پر حکومت برہم ہوئی اور مزید سختی کی گئی۔ دفعہ 3 میں نظر بند کر دیا گیا۔ اور ملاقات وغیرہ پر بھی سختی سے پابندی تھی۔ مولانا نے آخر وقت تک صبر واستقلال سے تمام صعوبتیں برداشت کیں۔

☆ اوکاڑا میں قیام کے دوران دینی اور ملی سماجی امور میں ہمیشہ نمایاں طور پر حصہ لیتے رہے۔

☆ 1955ء میں کراچی کے مذہبی حلقوں کے شدید اصرار پر کراچی آئے۔ کراچی کی سب سے بڑی مرکزی میمن مسجد (بولٹن مارکیٹ) کے خطیب وامام مقرر ہوئے اور ہمہ جاں، تادم آخر شب وروز دین ومسلک کی تبلیغ میں مصروف رہے۔

☆ میمن مسجد کی امامت وخطابت کے بعد تقریباً تین برس جامع مسجد عیدگاہ میدان اور سوا

دو سال جامع مسجد آرام باغ اور بارہ برس نور مسجد نزد جوبلی سینما میں بلا معاوضہ خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور نمازِ جمعہ پڑھاتے رہے۔ ہر مقام پر زبردست اجتماع ہوتا۔ ان تمام مساجد میں بالترتیب تفسیرِ قرآن کا درس دیتے رہے اور تقریباً 29 برس میں نو پاروں کی تفسیر بیان کی۔

☆ اس دوران 1964ء میں، پی ای سی ایچ سوسائٹی میں مسجد غوثیہ ٹرسٹ سے ملحق جس کے آپ چیئرمین بھی تھے۔ ایک دینی درس گاہ قائم کی جس کا نام دارالعلوم حنفیہ غوثیہ ہے۔ الحمدللہ وہاں سے متعدد طلبہ علوم دینیہ حاصل کر کے چہار سمت تبلیغ دین و مسلک کر رہے ہیں۔

☆ 1972ء میں ڈولی کھاتہ گلستان شفیع اوکاڑوی (سولجر بازار) کراچی میں ایک قطعہ زمین پر جو گزشتہ سو برس سے مسجد کے لئے وقف تھا۔ مولانا نے تعمیرِ مسجد کی بنیاد رکھی اور بلا معاوضہ خطابت شروع کی۔ ایک ٹرسٹ قائم کیا۔ جس کا نام گلزارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا۔ مولانا اس کے بانی و سربراہ تھے۔ اس ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام جامع مسجد گلزارِ حبیب اور جامعہ اسلامیہ گلزارِ حبیب زیرِ تعمیر ہے۔ اسی مسجد کے پہلو میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے۔

☆ مسلسل چالیس برس تک ہر شب مولانا محترم مذہبی تقاریر فرماتے رہے ہیں۔ مولانا کی علمی استعداد حسنِ بیان، خوش الحانی اور شانِ خطابت نہایت منفرد اور ہر دلعزیز تھی۔ ہر تقریر میں ہزاروں، لاکھوں افراد کے اجتماعات ہوتے تھے۔ ماہِ محرم کی ہر شب عاشورہ میں ملک کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع مولانا کے خطاب کی مجلس کا ہوتا تھا۔ پاکستان کا کوئی علاقہ شاید ہی ایسا ہو جہاں حضرت مولانا مرحوم نے اپنی خطابت سے قلب و جاں کو آسودہ نہ کیا ہو۔

☆ دین و مسلک کی تبلیغ کے لیے مولانا نے شرق اوسط، خلیج کی ریاستوں، بھارت، فلسطین، جنوبی افریقا، ماریشس اور دوسرے کئی غیر ملکی دورے کیے۔ صرف جنوبی افریقا میں 1980ء تک مولانا کی تقاریر کے ساٹھ ہزار کیسٹس فروخت ہو چکے تھے۔ دوسرے ممالک میں فروخت ہونے والی کیسٹس کی تعداد بھی کم نہیں اور اب مولانا کی تقاریر بھی وڈیو کیسٹس بھی پھیل رہی ہیں۔

☆ مولانا اوکاڑوی کی عالمانہ تحقیق فقہی بصیرت اور عشقِ رسول ﷺ پر مبنی متعدد تصانیف ہیں، جو مذہبی حلقوں میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ہر کتاب ہزاروں کی تعداد کی شائع ہو کر نہایت مقبول ہوئی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ذکرِ جمیل، ذکرِ حسین، (دو حصے) راہِ حق، درسِ توحید، شامِ کربلا، راہِ عقیدت، امام پاک اور یزید پلید، برکات میلاد شریف، ثواب العبادات، نماز مترجم، سفینۂ نوح (دو حصے) مسلمان خاتون، انوارِ رسالت، مسئلہ طلاق ثلاثہ، نغمۂ حبیب، مسئلہ سیاہ خضاب، انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، اخلاق و اعمال (نشری تقاریر) تعارف علمائے دیوبند، میلاد شفیع، جہاد و قتال، آئینۂ حقیقت، نجوم الھدایت، مسئلہ بیس 20 تراویح، مقالات اوکاڑوی اور متعدد فتووں وغیرہ پر مشتمل رسائل وغیرہ۔

☆ 16 اکتوبر 1962ء میں کراچی کے علاقہ کھڈا مارکیٹ (لیاری) میں ایک سازش کے تحت اختلافِ عقائد کی بنا پر کچھ لوگوں نے محض تعصب کا شکار ہو کر دورانِ تقریر مولانا اوکاڑوی پر چھریوں اور چاقوؤں سے شدید قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ کی گردن، کندھے، سر اور پُشت پر پانچ نہایت گہرے زخم آئے۔ کراچی کے سول ہسپتال میں دو دن کے بعد پولیس آفیسر کو اپنا بیان دیتے ہوئے مولانا نے کہا ''مجھے کسی سے کوئی ذاتی عناد نہیں۔ نہ میں مجرم ہوں۔ اگر میرا کوئی جرم ہے تو صرف یہ کہ میں دینِ اسلام کی تبلیغ کرتا ہوں اور سیدِ عالم محسن انسانیت حضور رحمتِ دو جہاں ﷺ کی تعریف و ثنا کرتا ہوں۔ میں کسی سے بدلہ لینا نہیں چاہتا اور نہ میں حملہ آوروں کے خلاف کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خون ناحق بہایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور میری نجات کا ذریعہ بنائے میں حملہ آوروں کو معاف کرتا ہوں۔ باقی آپ لوگ بقائے امن کے لیے جو مناسب ہو، وہ کریں تاکہ ایسی کارروائیاں آئندہ نہ ہوں۔'' مولانا نے اس مقدمے کے لیے کوئی وکیل نہیں کیا نہ کسی مقدمے کی پیروی کی۔ صرف ایک گواہ کی حیثیت سے اپنا بیان دیا۔ مولانا کا اس حملے سے جان بر ہونا محض ایک کرشمہ تھا۔ انگریزی روزنامہ ڈیلی نیوز کا پہلا شمارہ اُن ہی دنوں جاری ہوا۔ جس کی بڑی سُرخی مولانا پر قاتلانہ حملے سے متعلق تھی۔ مولانا ڈھائی مہینے ہسپتال میں

زیرِ علاج رہے اور ہسپتال سے فارغ ہوتے ہی پھر تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔ اس قاتلانہ حملے کے خلاف ملک بھر میں شدید احتجاج ہوا۔

☆ 1965ء میں پاک بھارت جنگ کے موقع پر آپ نے پورے ملک میں جوش وجذبۂ جہاد کے لیے ملت کی رہنمائی کی۔ قومی دفاعی فنڈ میں ہزاروں روپے دیے اور اپنی تقاریر کے اجتماعات میں لاکھوں روپے کا سامان جو لباس اور اشیائے خورد ونوش پر مشتمل تھا، جمع کیا اور ہزاروں روپے نقدی سمیت علمائے کرام کے ایک وفد کے ساتھ آزاد کشمیر گئے اور مقبوضہ کشمیر کے مظلوم مہاجرین کے کیمپوں وغیرہ میں بدستِ خود سامان تقسیم کیا۔

☆ آزاد کشمیر کے بائیس مقامات اور سیالکوٹ، چھمب جوڑیاں، لاہور، واہگہ اور کھیم کرن کے متعدد محاذوں پر جا کر مجاہدین میں جہاد کی اہمیت اور مجاہد کی عظمت وشان اور فی سبیل اللہ جہاد کے موضوع پر وَل وَلہ انگیز تقاریر کیں۔

☆ حضرت مولانا اوکاڑوی مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان کے بانی تھے اور یہ 1956 میں قائم ہوئی۔

☆ 1970ء میں قومی اسمبلی کے اُمیدوار کی حیثیت سے کراچی کے سب سے بڑے حلقے سے مولانا نے انتخاب میں حصہ لیا اور قومی اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے۔

☆ قیامِ پاکستان سے تا دمِ آخر مولانا ایک مخلص اور محبِ وطن پاکستانی اور سچے پکے مسلمان ہونے کا بھرپور مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ ان کی شخصیت ملک بھر میں بالخصوص اور دنیا بھر میں بالعموم محبوب ومحترم اور مقبول وممتاز رہی۔

☆ حضرت مولانا محترم تحریکِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قافلہ سالار تھے۔ آج اس تحریک کو جو مرتبہ ومقام حاصل ہے، اس میں ان کی خدمات اور مساعی جمیلہ بنیادی اہمیت وحیثیت رکھتی ہیں۔

☆ صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی قائم کردہ قومی مجلسِ شوریٰ کے معزز رکن نامزد ہوئے اور قوانینِ اسلامی کے ترتیب وتشکیل اور تنفیذ کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ علاوہ

ازیں وزارتِ امور مذہبی کی قائمہ کمیٹیوں کے رُکن رہے۔ اپنی وفات سے چند ماہ قبل مرکزی محکمہ اوقاف پاکستان کے نگران اعلیٰ اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے رُکن مقرر ہوئے۔

☆ اتحاد بین المسلمین کے لیے ملک بھر میں نمایاں خدمات انجام دیں قومی دفاعی فنڈ، متاثرین فلسطین، افغان مجاہدین، سیلاب زدگان اور ہر ناگہانی سانحے سے متاثر ہونے والے افراد کی امداد میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

☆ حضرت مولانا اوکاڑوی نے کراچی کے علاقے ''گولی مار'' کا نام ''گل بہار'' اور ''رام باغ'' کا نام ''آرام باغ'' تجویز کیا، جو منظور و مقبول ہوا۔

☆ حضرت مولانا اوکاڑوی نے کراچی شہر کی پولیس کو گشت اور فوری کارروائی کے لیے ''سواری'' (سوزوکی پک اپ) کی فراہمی کی منظوری کروائی۔

☆ سولہ مرتبہ سفرحج وزیارت اور عمرہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

☆ 1974ء میں پہلی مرتبہ عارضۂ قلب کی شکایت ہوئی مگر تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ کچھ زیادہ جذبہ و جوش سے شب و روز چہار سمت میں صدائے حق بلند کرتے رہے۔

☆ حضرت مولانا نے کراچی شہر میں اہلِ سنت و جماعت کی طرف سے دس روزہ مجالس محرم اور جشنِ عیدمیلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوس وجلسہ میں انعقاد کا سلسلہ شروع کیا۔

☆ تین ہزار سے زائد افراد مولانا مرحوم کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور لاکھوں افراد کے عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی۔

☆ حضرت مولانا مرحوم کو طریقت کے تمام سلاسل میں متعدد مشائخ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کے مریدین ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر میں موجود ہیں۔

☆ حضرت مولانا قبلہ نے جنوبی افریقہ میں انجمن اہلِ سنت و جماعت قائم کی۔

☆ پاکستان میں سنی تبلیغی مشن، انجمن محبانِ صحابہ واہلِ بیت، تنظیم ائمہ وخطبا مساجدِ اہلسنت اور متعدد ادارے قائم کیے۔

☆ چالیس برس میں حضرت خطیب پاکستان نے اٹھارہ ہزار سے زائد بڑے اجتماعات سے سینکڑوں موضوعات پر خطاب کیا جواب تک ایک عالمی ریکارڈ ہے۔(خطبات جمعہ اور دیگراس کے علاوہ ہیں)

☆ 1975ء میں دورانِ سفر، دوسری مرتبہ دل کا دورہ پڑا، اسی حالت میں کراچی آئے اور تقریباً چھ ہفتے ہسپتال میں زیرِ علاج رہے۔

☆ 1983ء میں آخری بیرونِ ملک سفر بھارت کے لیے کیا۔ اپنے دورے میں بمبئی، اجمیر، دہلی اور بریلی شریف گئے۔

☆ مارچ 1984ء میں شرق پور شریف گئے اور اپنے پیرومرشد کی درگاہ پر حاضری دی جو وہاں ان کی آخری حاضری ثابت ہوئی۔

☆ 20 اپریل 1984ء کو آخری خطاب جامع مسجد گلزارِ حبیب میں نمازِ جمعہ کے اجتماع سے کیا۔ اسی شب تیسری بار دل کا شدید دورہ پڑا اور قومی ادارہ برائے امراضِ قلب میں داخل ہوئے۔ تین دن بعد سہ شنبہ، 21 رجب المرجب 1404ھ بمطابق 24 اپریل 1984ء کی صبح 55 برس کی عمر میں اذانِ فجر کے بعد باآوازِ بلند درودوسلام پڑھتے ہوئے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

☆ 25 اپریل کو نشتر پارک، کراچی میں علامہ سید احمد سعید کاظمی کی امامت میں ظہر کی نماز کے بعد لاکھوں افراد نے حضرت خطیب پاکستان کی نمازِ جنازہ ادا کی۔ اور پیارے کملی والے تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس عاشقِ صادق کو کمال محبت واحترام سے رخصت کیا۔ اسی سہ پہر مولانا مرحوم مسجد گل زارِ حبیب کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دایماً ابداً

(ہجری) 1404

زِ دنیا برفتہ بہ شانِ رفیع
"محمد شفیعش محمد شفیع"

فہرست مضامین حصہ اول

باسمہ سبحانہ	3	قوم ابراہیم علیہ السلام	61
احوال واقعی	4	آذر باپ نہ تھے، چچا تھے	61
سوانحی خاکہ خطیب اعظم پاکستان	7	مناظرہ ابراہیم علیہ السلام و نمرود	65
دیباچہ	17	نارِ نمرود	66
نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	25	سیدہ سارہ و ظالم بادشاہ	67
خلقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	33	سیدہ ہاجرہ	68
خدا کا نور	34	بنیادِ مکہ	69
اول و آخر	42	مقام رضا	70
باعث ایجاد دو عالم	43	محبوبانِ خدا کی ادائیں	71
برکاتِ نور محمدی	46	شعائر اللہ کی تعظیم	73
مسجود ملائکہ	47	ذبیح اللہ	76
وسیلۂ آدم	49	قربانی	77
دورۂ نور	51	ضرورت قربانی	79
آفتاب نبوت	52	تعمیر کعبہ	81
انتقالِ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	55	تمنائے خلیل	83
افزائش نسل انسانی	55	حسب و نسب	85
ابتدائے فسق و فجور	55	سب سے افضل	86
ہابیل و قابیل	59	آباؤ اجداد	88
آدم ثانی	61	عدنان سے ہاشم تک	108

حضرت عبدالمطلب	110
گورنر یمن ابرہہ اور کعبہ	113
ہاتھی کا سلام	117
خضاب	119
حضرت عبداللہ کی قربانی	121
حضرت عبداللہ کی پیشانی میں نور	122
حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ	122
نور محمدی حضرت آمنہ میں	124
حمل کی رات	126
وفات حضرت عبداللہ	127
ولادتِ محمدی ﷺ	128
بوقت ولادت عجیب و غریب واقعات	128
ولادت کی خوشی اور ابولہب	135
برکاتِ میلاد	137
جواز میلاد	139
تاریخ ولادت	144
رضاعت	147
حضرت حلیمہ اور اُن کی گدھی	148
حضرت حلیمہ اور خدا کی برکتیں	149
بچپن شریف	154
انگلی کا اشارہ اور چاند	154
شق صدر	157
ساری امت سے وزنی	158
شق صدر کی حکمتیں	159
خون کا لوتھڑا	162
واپسی	165
حضرت حلیمہ کے ہاں سے گم شدگی	165
حضرت حلیمہ اور بُت	166
حضرت آمنہ کی وفات	168
حضرت آمنہ کے آخری کلمات	169
حضرت آمنہ و حضرت عبداللہ کا ایمان	175
حضرت آمنہ و حضرت عبداللہ کا زندہ ہونا	180
شبہات اور ان کے جوابات	185
کفالت حضرت عبدالمطلب	190
وفات حضرت عبدالمطلب	191
ابوطالب کی آغوشِ رافت	192
آپ کے توسل سے بارش	192
سفر شام	194
بحیرا راہب	194
واقعات بحیرا درست ہیں	195
بچپن میں پاکیزگی	200

گلہ بانی 203
تمام انبیائے کرام نے بکریاں
چرائیں 203
حرف فجار 204
حلف الفضول 205
شام کا دوسرا سفر 207
امانت دار تاجر 207
حضرت خدیجہ کا تاجر 208
نسطورا راہب 208
بادلوں کا سایہ 209
نکاح 211
شانِ حضرت خدیجہ 211
تعمیر کعبہ 216
حجر اسود کے نصب پر جھگڑا 219
حسن تدبیر 219
تاریخ کعبہ 220
بعثت سے پہلے 222
تورات و انجیل میں آپ کے
اوصاف 222
علمائے یہود و نصاریٰ کا حسد 227
بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 232
ابتدائے وحی 233
ورقہ بن نوفل 235
ابتدائے نماز 238
نزول وحی 239
فترۃ وحی 240
اقسام وحی 241
رویائے صادقہ 242
فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں
ظاہر ہونا 244
تمثل 245
صلصلۃ الجرس 248
القاء فی القلب 249
اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ و بلاحجاب وحی
فرمانا 250
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلاحجاب رب کو
دیکھنا 251
الہام و فطری حکم 254
سب سے پہلے کون اسلام لایا؟ 255

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

حضور سید العالمین ﷺ کی سیرت طیبہ پر متعدد کتابیں اہل علم حضرات نے تصنیف فرمائی ہیں۔ سیرت وصورت کا کوئی پہلو ایسا نہیں رہا جو صحت کے ساتھ ضبط تحریر میں نہ آچکا ہو۔ سرِ انور سے پائے مبارک تک رسولِ کریم ﷺ کی شکل وشباہت، حُسن و جمال اور خصائص وکمالات اوران کے ساتھ رفتار وگفتار، اخلاق وکردار، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے رونے اور عدل وانصاف، جود وسخا، زہد وعبادت، صبر وقناعت، امانت ودیانت، پاکیزگی وشرافت، شفقت ورحمت، شرم وحیا، اخلاص وتقویٰ، حلم وبُردباری، شجاعت وبہادری، عزم واستقلال، عفو ودرگزر، حسن خلق وحسن سلوک، سادگی وبے تکلفی، مہمان نوازی، لطائف طبع، غرض کہ ہرادااور ہر وصف جمیل کوقلم بند کیا گیا۔

اور یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس دنیا میں سوائے آپ (ﷺ) کے اورکوئی انسان ایسا نہیں گزرا جس کے سیرت وصورت کے ہر گوشے کواس طرح محفوظ کیا گیا ہو۔ بِلا شُبہ آپ کی ہرادا پاکیزہ اور ہر خصلت حمیدہ ہے۔ آپ مجسمہ کمالات اورآئینہ حقائق ہیں۔ جہاں آپ کی صورت پاک، حسن و جمال کا بیان عاشقانِ جمالِ محمدی (ﷺ) کے لیے وجہ تسکین قلب ونظر اور سرورِ سرمدی ہے، وہاں آپ کی سیرت طیبہ کا بیان ہرانسان کے انشراح صدر، طہارتِ قلب وتزکیہ نفس کا باعث ہے۔ بلاشبہ آپ کے ہرعمل میں درسِ عبرت کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ وہ آپ ہی کی تعلیم ہے جس نے رہ زَن کورہ بَر، ظالم کو عادل، خائن کوامین اور جاہل کو عارف بنایا، گویا انسان کوانسان بنایا، اخلاقِ حسنہ اورمحاسن جمیلہ سکھائے اور درسِ امن وسلامتی دیا۔ دلوں سے بغض وحسد، عناد وانتقام نکال کراخوت ومحبت اوراخلاص پیدا کیا۔

ے

بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشک خضر بنا دیا　　　سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغ رہ بری

تیرے غضب نے بند کی رسم و رہِ ستم گری　　تیرے کرم نے ڈال دی طرحِ خلوص و بندگی

آج بھی اس پُرفتن دور میں بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے مشعلِ راہ حضور سید عالم رحمتِ عالم ﷺ کی سیرت طیبہ ہی ہے۔

امن و سلامتی کا ڈھنڈورا پیٹنے والے ہرگز امن قائم نہیں کر سکتے جب تک آپ کی سیرت طیبہ کو مشعلِ راہ نہ بنائیں بلاشبہ آپ کی تعلیم پر عمل کرنے سے ہی امن و امان قائم ہو سکتا ہے۔

لہٰذا ہم مسلمانوں کے لیے خصوصاً لازم ہے کہ سیرت طیبہ کو مشعلِ راہ بنائیں اور آپ کی تعلیم پر عمل کریں کیوں کہ سوائے آپ کی پے روی کے راہِ نجات کا ہاتھ آنا ناممکن ہے ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ اس ناچیز نے ''اَلذِّکْرُ الْجَمِيْلُ فِيْ حِلْيَةِ الْحَبِيْبِ الْخَلِيْلِ (ﷺ)'' میں مختصراً آپ کے سراپائے اقدس، شکل و صورت حسن و جمال اور ہر ہر عضو پاک کے خصائص و فضائل، کمالات و برکات اور محاسن و معجزات کا بیان ہدیۂ قارئین کیا ہے۔(☆)

اب یہ ذکرِ حسین حصہ اول مشتمل بر سیرتِ طیبہ ہدیہ ناظرین ہے۔ اس میں آپ کے نورِ پاک سے لے کر بعثت و نبوت تک کے حالات ہیں۔ بعثت و نبوت سے لے کر وفات شریف تک کے تفصیلی حالات حصہ دوم و سوم میں ان شاء اللہ العزیز ہدیہ ناظرین ہوں گے۔

مقصود اظہارِ علم و فضل نہیں ہے (کیوں کہ مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پورا پورا احساس و اعتراف ہے) بلکہ صرف اور صرف بارگاہِ نبوی ﷺ میں ایک نالائق نااہل اور ادنیٰ ترین غلام کی طرف سے ہدیۂ عقیدت و محبت کی پیش کش ہے۔ ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اس کتاب کے لکھنے کے سلسلے میں میں نے درجِ ذیل مشہور و معروف کتب سے اخذ کیا ہے۔

1	قرآن کریم	کلام اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ
2	تفسیر ابن عباس	حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما (م 68ھ)
3	تفسیر ابن جریر	امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ (م 310ھ)
4	تفسیر ابن کثیر	علامہ عماد الدین ابوالفضل اسمٰعیل ابن کثیر (774ھ)
5	تفسیر کبیر	علامہ محمد فخر الدین محمد بن عمر رازی رحمۃ اللہ علیہ (م 606ھ)
6	تفسیر خازن	علامہ علاء الدین علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ (م 725ھ)
7	تفسیر مدارک التنزیل	علامہ حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ (م 701ھ)
8	تفسیر مفردات	امام ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی (م 502ھ)
9	تفسیر معالم التنزیل	امام ابومحمد حسین بن مسعود الفراء البغوی رحمۃ اللہ علیہ (م 516ھ)
10	تفسیر جلالین	علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
11	تفسیر درمنثور	علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 1505ء)
12	تفسیر الاتقان	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
13	تفسیر روح البیان	علامہ اسمٰعیل حقی البرسوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1137ھ)
14	تفسیر روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م 1270ھ)
15	تفسیر مظہری	علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م 1225ھ)
16	بخاری شریف	امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م 256ھ)
17	الادب المفرد	امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م 256ھ)
18	مسلم شریف	امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ (م 261ھ)
19	ترمذی شریف	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م 279ھ)
20	شمائل ترمذی شریف	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م 279ھ)
21	ابوداؤد شریف	امام داؤد سلیمان بن اشعث رحمۃ اللہ علیہ (م 275ھ)

22	نسائی شریف	امام نسائی ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ (م 303ھ)
23	ابن ماجہ شریف	امام ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ (م 273ھ)
24	مسند احمد	حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م 241ھ)
25	مشکوٰۃ شریف	علامہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبر یزی رحمۃ اللہ علیہ (م 741ھ)
26	المستدرک	امام ابومحمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (م 405ھ)
27	المصنف	امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ (م 211ھ)
28	ابوداؤدطیالسی	امام ابوعبداللہ سلیمان ابن داؤدالطیالسی (م 205ھ)
29	المصنف ابن ابی شیبہ	امام ابوبکرعبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ (م 235ھ)
30	المعجم الکبیر طبرانی	حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد اللخمی رحمۃ اللہ علیہ (م 360ھ)
31	حلیۃ الاولیاء	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (م 430ھ)
32	مسند الدارمی	امام ابومحمد عبداللہ الدارمی رحمۃ اللہ علیہ (م 255ھ)
33	السنن الکبریٰ للبیہقی	امام حافظ ابوبکراحمد بن حسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م 458ھ)
34	مجمع الزوائد	علامہ ابوالحسن علی بن ابوبکرابن حجرالہیثمی (م 807ھ)
35	کنزالعمال	علامہ علاءالدین علی متقی رحمۃ اللہ علیہ (م 957ھ)
36	طبقاتِ کبیر	امام عبداللہ محمد ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (م 230ھ)
37	تاریخ الکامل	علامہ شیخ ابوالحسن عزالدین علی بن الاثیر (م 630ھ)
38	تاریخ طبری	علامہ ابوجعفرمحمد بن جریرالطبر ی رحمۃ اللہ علیہ (م 310ھ)
39	المواہب اللدنیہ	امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 923ھ)
40	زرقانی علی المواہب	علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م 1122ھ)
41	الحاوی للفتاوی	حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
42	تاریخ الخلفاء	حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
43	دلائل النبوۃ	امام حافظ ابوبکراحمد بن حسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م 458ھ)

44	سبل الھدیٰ والرشاد	ابوعبداللہ محمد بن یوسف الصالحی رحمۃ اللہ علیہ (م 942ھ)
45	سیرت ابن ہشام	علامہ محمد بن عبدالملک ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ (م 828ھ)
46	تاریخ مدینہ دمشق	امام ابوالقاسم علی ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (م 571ھ)
47	سیرت حلبیہ	علامہ علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ (م 1044ھ)
48	نسیم الریاض	علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ (م 1069ھ)
49	خصائص کبریٰ	علامہ حافظ امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
50	دلائل النبوت	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ (م 1038ھ)
51	الروض الانف	امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی (م 581ھ)
52	البدایہ والنہایہ	علامہ ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر (م 774ھ)
53	سیر اعلام النبلاء	علامہ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (م 748ھ)
54	اسد الغابہ	علامہ شیخ ابوالحسن عزالدین علی بن الاثیر (م 630ھ)
55	اخبار مکہ	ابوالولید محمد بن عبداللہ الازرقی (م 250ھ)
56	فیض القدیر	علامہ زین الدین محمد عبدالرؤف المناوی (م 1031ھ)
57	مکتوبات شریف	امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م 1034ھ)
58	زادالمعاد	علامہ محمد بن ابوبکر ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ (م 1350ھ)
59	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	امام یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (م 463ھ)
60	فتح الباری شرح بخاری	امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 852ھ)
61	شفاء شریف	امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (م 544ھ)
62	شرح شفاء	امام ملا علی قاری بن سلطان رحمۃ اللہ علیہ (م 1014ھ)
63	شرح الصدور	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
64	مدارج النبوت	شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1642ء)
65	تاریخ الخمیس	قاضی حسین بن محمد الدیار بکری رحمۃ اللہ علیہ (م 966ھ)

66	معارج النبوت	علامہ ملا معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ (م 907ھ)
67	شواہد النبوت	حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ (م 1492ھ)
68	قصیدۃ النعمان	امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ (م 150ھ)
69	قصیدہ بردہ شریف	امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (م 1924ھ)
70	مثنوی شریف	حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ (م 1273ء)
71	کلیات سعدی	شیخ شرف الدین مصلح بن عبداللہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (م 691ھ)
72	ردالمحتار علی الدر المختار	حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (م 1252ھ)
73	حدایق بخشش	اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1340ھ)
74	کلیات اقبال	علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ (م 1938ء)
75	بہار شریعت	صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (م 1367ھ)
76	الدر الثمین	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1176ھ)
77	میلاد النبی	حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (م 1986ء)
78	سیرۃ النبی	جناب شبلی نعمانی (م 1914ء)
79	امداد السلوک	جناب رشید احمد گنگوہی (م 1905ء)
80	شاہ نامہ اسلام	ابوالاثر حفیظ جالندھری (م 1982ء)
81	نشر الطیب	جناب اشرف علی تھانوی (م 1362ھ)

مذکورہ بالا کتب کے اقتباسات کے باقاعدہ حوالے اور صفحہ نمبر تک درج کر دیئے ہیں۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی ملاحظہ فرمائیں تو اس کو دامن عفو سے چھپائیں اور ہو سکے تو اس خاک سار کو اطلاع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے۔

اس کتاب کا نام ''الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' رکھتا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں نہایت عاجزی سے التجا ہے کہ وہ میری اس حقیر خدمت کو قبول فرما کر اپنے حبیب کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش نودی کا باعث

بنائے اور مسلمانوں کے لیے نافع ومفید ثابت فرمائے۔آمین ثم آمین

ناچیز

محمد شفیع الخطیب اوکاڑوی عفااللہ عنہ

کراچی پاکستان

توجہ فرمایئے:

پہلی مرتبہ یہ کتاب، قلمی خطاطی کتابت کی بجائے کمپیوٹر سے کمپوز کی گئی ہے۔حوالہ جات میں اضافے اور کمپیوٹر کی مدد سے احادیث مبارکہ کے نمبر شامل کئے گئے ہیں۔ باوجود احتیاط کے املا واعراب میں یا کوئی کوتاہی کسی طرح ہوئی ہو تو اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔مسودہ خوانی میں مفتی ابوحنبل محمد آصف قادری اور محمد زین قادری نے تعاون کیا۔اللہ کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔قارئین سے گزارش ہے کہ وہ کوئی غلطی پائیں تو ضرور نشان دہی فرمادیں تاکہ فی الواقع غلطی کی آئندہ طباعت میں تصحیح کی جاسکے۔جزاکم اللہ تعالیٰ

کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

2019ء

نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ رَبًّا رَّحِیْمًا کَرِیْمًا عَالِمًا قَدِیْرًا وِّتْرًا حَیًّا قَیُّوْمًا سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ رَحْمَۃٍ لِّلْعَالَمِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ اُرْسِلَ اِلَی الْخَلْقِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَصَحْبِہِ الْمُکَرَّمِیْنَ الْمُعَظَّمِیْنَ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ (مائدہ) — تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آئی

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صراحۃً نور فرمایا، جیسا کہ جمہور مفسرین معتمدین نے اپنی اپنی تفاسیر کے اندر تصریح فرمائی ہے کہ نور سے مراد، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب مبین سے مراد، قرآن مجید ہے۔

کیوں کہ آیہ کریمہ میں کتابِ مبین کو بطور عطف لایا گیا ہے اور اصل عطف میں یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہو۔ معلوم ہوا کہ نور اور کتابِ مبین دو الگ الگ چیزیں ہیں اور جب تک کوئی تعذر یا استحالہ شرعی لازم نہ آئے، اصل اور حقیقت سے عدول جائز نہیں ہے۔ چناں چہ ترجمان القرآن حبر الامۃ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یَعْنِیْ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ — بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(تفسیر ابن عباس ص 72، تفسیر الثعلبی، ص39 ج 4، تفسیر السمر قندی، ص 378 ج 1، تفسیر

البسیط، ص 311 ج 7، معانی القرآن و اعرابہ، ص 161 ج 2، تفسیر الوسیط، ص 166 ج 2)

امام الکبیر علامہ امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ يَعْنِىْ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِىْ اَنَارَ اللّٰهُ بِهِ الْحَقَّ وَاَظْهَرَ بِهِ الْاِسْلَامَ وَ مَحَقَ بِهِ الشِّرْكَ (تفسیر ابن جریر، ص 261، ج 8)	تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کہ اللہ نے اس نور سے حق کو روشن اور اسلام کو ظاہر کیا اور شرک کو مٹایا

محی السنۃ علامہ علاء الدین علی بن محمد المعروف بالخازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ يَعْنِىْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا سَمَّاهُ اللّٰهُ نُوْرًا لِاَنَّهٗ يُهْتَدٰى بِهٖ كَمَا يُهْتَدٰى بِالنُّوْرِ فِى الظَّلَامِ (تفسیر خازن، ص 417 ج 1)	تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام نور اس لئے رکھا کہ آپ کی نورانیت سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ تاریکیوں میں نور سے راہ پائی جاتی ہے۔

امام علامہ حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی رحمۃ اللہ علیہ اس آیہ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

وَالنُّوْرُ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِاَنَّهٗ يُهْتَدٰى بِهٖ كَمَا سُمِّىَ سِرَاجًا (تفسیر مدارک، ص 417، ج 1)	اور نور، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کیوں کہ آپ کی نورانیت سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ آپ کو سراج منیر فرمایا گیا ہے۔

امام المتکلمین علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیہ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُرَادَ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدٌ وَّ بِالْكِتَابِ الْقُرْاٰنُ (تفسیر کبیر، ص 395 ج 3، اللباب فی	بلاشبہ نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔

علوم الکتاب، ص 295 ج 7، التفسیر الوسیط،
ص 90 ج 4، التفسیر المنیر، ص 133، ج 6)

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نور اور کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہی ہے، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

هٰذَا ضَعِيفٌ لِاَنَّ الْعَطْفَ يُوْجِبُ الْمُغَايَرَةَ بَيْنَ الْمَعْطُوفِ وَالْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ۔ (تفسیر کبیر، ص 395 ج 3)

یہ قول ضعیف ہے کیوں کہ عطف، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ثابت کرتا ہے۔

امام جلالۃ الملّۃ والدین حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ هُوَ نُوْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (تفسیر جلالین، ص 139 ج 1)

تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور۔ وہ نور، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ عَظِيْمٌ وَّ هُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَالنَّبِيُّ الْمُخْتَارُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ ذَهَبَ قَتَادَةُ وَالزَّجَاجُ (روح المعانی، ص 87 ج 6، زہرۃ التفاسیر، ج 4 ص 2091)

تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور عظیم اور وہ نورِ انوار نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہی مسلک حضرت قتادہ اور زجاج کا ہے۔

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قِيْلَ الْمُرَادُ بِالْاَوَّلِ هُوَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِالثَّانِي الْقُرْآنُ

کہا گیا ہے کہ اول (یعنی نور سے مراد) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ثانی (یعنی کتاب مبین سے مراد) قرآن ہے

اور آگے چل کر فرماتے ہیں:

سَمَّى الرَّسُوْلَ نُوْرًا لِاَنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ اَظْهَرَهُ

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نور

اَلْحَقُّ بِنُوْرِ قُدْرَتِہٖ مِنْ ظُلْمَةِ الْعَدَمِ كَانَ نُوْرُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

(تفسیر روح البیان، ص548 ج1)

رکھا کیوں کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے نور سے سب سے اول ظاہر فرمایا، وہ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا ہے۔

امام الجلیل محی السنۃ ابی محمد الحسین الفراء البغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ يَعْنِیْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (تفسیر معالم التنزیل، ص23 ج2 حاشیہ خازن)

بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

علامہ امام حافظ ابو الفضل قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ سَمَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِی الْقُرْاٰنِ نُوْرًا وَّ سِرَاجًا مُّنِيْرًا فَقَالَ تَعَالٰى

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ وَقَالَ تَعَالٰى

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا وَقَالَ فِیْ غَيْرِ هٰذَا الْمَوْضِعِ اَنَّهٗ كَانَ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهٖ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا وَّاَنَّ الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَلَا ثِيَابِهٖ

(شفاء شریف، ص 2 3 7 ج 1، مرقاۃ، ص2681 ج7، جمع الوسائل، ص175 ج1،

اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کا نام نور اور سراج منیر رکھا، جیسا کہ فرمایا: بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب

اور فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو بھیجا شاہد و مبشر و نذیر اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور سراج منیر بنا کر۔

اور بلا شبہ آپ کا سایہ نہ دھوپ میں تھا نہ چاندنی میں کیوں کہ آپ نور محض تھے اور نہ ہی آپ کے جسم مقدس اور لباس اطہر پر مکھی بیٹھتی تھی۔

المستطرف، ص 1 6 3 ج 1، مواہب لدنیہ، ص200 ج2، حیوۃ الحیوان، ص 491 ج1)

جناب رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ درشان حبیب خود صلے اللہ علیہ وسلم فرمود کہ آمدہ نزد شما از طرف حق تعالیٰ نور و کتاب مبین و مراد از نور ذات پاک حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم است و نیز او تعالیٰ فرماید کہ اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ترا شاہد و مبشر و نذیر و داعی الے اللہ و سراج منیر فرستادہ ایم و منیر روشن کنندہ و نور دہندہ را گویند پس اگر کسے را روشن کردن از انساناں محال بودے آں ذات پاک را ہم ایں امر میسر نیامدے کہ آں ذات پاک صلے اللہ علیہ وسلم از جملہ اولاد آدم اند مگر آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ذات خود را چناں مطہر فرمود کہ نور خالص گشتند و بہ تواتر ثابت شد کہ آں حضرت عالی سایہ نداشتند و ظاہرست کہ بغیر نور ہمہ اجسام ظل میدارند (امداد السلوک، ص85)

کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور کتاب مبین آئی نور سے مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو شاہد و مبشر و نذیر و داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے اور منیر روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں پس اگر انسانوں میں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے لئے یہ امر میسر نہ ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک اگرچہ جملہ اولاد آدم علیہ السلام سے ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات پاک کو ایسا مطہر فرمایا کہ نور خالص ہو گئے اور تواتر سے ثابت ہوا ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔

دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات گنگوہی صاحب کی اس عبارت میں غور کریں

اور دیکھیں کہ اس عبارت میں کتنے مسائل کا حل موجود ہے:

1۔ آیہ کریمہ قَدۡ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سراج منیر بنایا ہے اور منیر روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں، لہٰذا آپ دوسروں کو بھی روشن کرتے اور نور دیتے ہیں۔

3۔ آپ خالص نور ہو گئے تھے۔

4۔ تواتر سے ثابت ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نور تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ ۙ يَّـكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ ؕ يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۙ‏ ﴿۳۵﴾ (نور:35)

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے، روشن ہوتا ہے مبارک درخت زیتون سے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی، قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ لگے، نور پر نور ہے اللہ ہدایت فرماتا ہے اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے اور لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اللہ کا نور کیا ہے اور اس مثال کا مطلب کیا ہے؟

نور کے متعلق حضرت کعب احبار اور ابن جبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِالنُّوْرِ الثَّانِیْ هُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی

اللہ تعالیٰ کے ارشاد مثل نورہ میں نور

اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَقَوۡلُہٗ تَعَالٰی مَثَلُ نُوۡرِہٖ اَیۡ نُوۡرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ

ثانی سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

(شفا شریف، ص10 ج1)

اور مثال کے متعلق محی السنۃ علامہ علاؤ الدین علی بن محمد المعروف بالخازن فرماتے ہیں:

وَقِیۡلَ وَقَعَ هٰذَا التَّمۡثِیۡلُ لِنُوۡرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ لِکَعۡبِ الۡاَحۡبَارِ اَخۡبِرۡنِیۡ عَنۡ قَوۡلِہٖ تَعَالٰی مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ قَالَ کَعۡبٌ هٰذَا مَثَلٌ ضَرَبَہُ اللّٰہُ لِنَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَالۡمِشۡکٰوۃُ صَدۡرُہٗ وَ الزُّجَاجَۃُ قَلۡبُہٗ وَالۡمِصۡبَاحُ فِیۡہِ النُّبُوَّۃُ تُوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ هِیَ شَجَرَۃُ النُّبُوَّۃِ یَکَادُ نُوۡرُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَاَمۡرُہٗ یَتَبَیَّنَ لِلنَّاسِ وَلَوۡلَمۡ یَتَکَلَّمۡ بِہٖ اَنَّہٗ نَبِیٌّ کَمَا یَکَادُ ذٰلِکَ الزَّیۡتُ یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ

(تفسیر خازن، ص332 ج1)

اور کہا گیا ہے کہ یہ تمثیل نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ (چناں چہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ کا معنی مجھے بتاؤ۔ انہوں نے فرمایا، اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال بیان فرمائی ہے تو مشکوٰۃ (طاق سے) مراد آپ کا سینہ اور زجاجہ (فانوس) سے مراد آپ کا قلب اور مصباح (چراغ) سے مراد نبوت ہے جو نبوت کے مبارک شجر سے روشن ہے اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی اور چمک ایسی ہے کہ اگر آپ اپنے نبی ہونے کا بیان نہ فرمائیں تب بھی لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَلۡمِشۡکٰوۃُ جَوۡفُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَالزُّجَاجَۃُ قَلۡبُہٗ وَالۡمِصۡبَاحُ النُّوۡرُ الَّذِیۡ جَعَلَہُ اللّٰہُ فِیۡہِ لَا شَرۡقِیَّۃٌ وَّلَا غَرۡبِیَّۃٌ لَّا یَهُوۡدِیٌّ وَّلَا نَصۡرَانِیٌّ تُوۡقَدُ مِنۡ

کہ طاق تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ اور فانوس قلب مبارک ہے اور چراغ وہ نور ہے جو اللہ نے اس میں رکھا ہے وہ نہ شرقی ہے نہ غربی یعنی نہ یہودی ہے نہ نصرانی۔ روشن

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِبْرَاهِيْمَ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نُوْرُ قَلْبِ اِبْرَاهِيْمَ وَ نُوْرُ قَلْبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(تفسیر خازن، ص332ج2)

ہے شجرہ مبارکہ یعنی ابراہیم (علیہ السلام) سے نور پر نور ہے یعنی نور قلب ابراہیم پر نور قلب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ (التوبہ)

(کفار) تو چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے اللہ کا نور بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے گا اگرچہ کافر برا مانیں

امام ابن ابی حاتم اپنی تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں:

فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ يَقُوْلُ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّهْلِكُوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(تفسیر درمنثور، ص231ج3)

کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں فرمایا کہ کفار چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے اللہ کا نور بجھا دیں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہلاک کریں۔ (معاذ اللہ)

قرآن کریم کی آیات اور تفسیری روایات سے صراحۃً ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں اور اسی نور کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نور سے بلا واسطہ پیدا فرما کر مخلوقات کی پیدائش کا سبب قرار دیا۔ عالمِ اجسام میں جلوہ گر ہونے سے پہلے نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عدم سے وجود میں آنا خلقتِ محمدی ہے اور اس دارِ دنیا میں رونق افروز ہونا ولادتِ محمدی اور چالیس برس کی ظاہری عمر شریف میں وحی الٰہی سے مشرف ہو کر داعی الی الحق ہونا بعثتِ محمدی ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

☆......☆......☆......☆

خلقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عالَم اجسام سے پہلے عالَم ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات مقدسہ کا موجود ہونا قرآن سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

(آل عمران)

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکمت سے دوں۔ پھر آئے گا تمہارے پاس ایک رسولِ معظم تصدیق کرتا ہوا اس کی جو تمہارے ساتھ ہے، تو تم سب ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا، کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس (عہد) پر میرا بھاری ذمہ لیتے ہو؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اس آیہ کریمہ سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ اجسام سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی خلقت ہو چکی تھی اور ان کی ذواتِ مقدسہ عالم ارواح میں جلوہ گر تھیں اور صفتِ نبوت سے موصوف ہو چکی تھیں۔ ورنہ ان سے عہد و پیمان کا لیا جانا کس طرح صحیح متصور ہوگا۔

رہا یہ امر کہ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات اور جمیع انبیاء کرام کی خلقت سے پہلے ہے، تو یہ قرآن کریم سے اشارۃً اور صحیح احادیث سے صراحۃً ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

(الانبیاء)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیک وسلم) مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے۔

اس آیہ کریمہ میں الْعٰلَمِیْنَ اسی طرح اپنے عموم پر ہے جس طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں الْعٰلَمِیْنَ اپنے عموم پر ہے تو ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ تمام عالموں کے لئے رحمت ہے اور رحمت کی حاجت ہوتی ہے کس کو؟ جس کے لئے وہ رحمت ہو! تو جب آپ کی ذات اقدس کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنایا گیا تو ثابت ہوا کہ تمام جہان آپ کی رحمت کے محتاج ہیں۔ اور یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ جس چیز کی حاجت ہو، وہ محتاج سے پہلے ہوتی ہے، تو ضروری تھا کہ آپ کی ذات مقدسہ تمام عالموں سے پہلے ہوتی، نیز آپ کی ذات مقدسہ عالمین کے وجود کا سبب اور ان کے موجود ہونے میں واسطہ ہے اس لیے بھی آپ کا مخلوقات سے پہلے موجود ہونا ضروری ہے کیوں کہ سبب اور واسطہ ہمیشہ پہلے ہوا کرتا ہے۔ (میلاد النبی، ص 10)

چناں چہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَآءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَآءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُّوْرِہٖ فَجَعَلَ ذٰلِكَ النُّوْرُ یَدُوْرُ بِالْقُدْرَۃِ حَیْثُ شَآءَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَّلَا قَلَمٌ وَّلَا جَنَّۃٌ وَّلَا نَارٌ وَّلَا مَلَكٌ وَّلَا سَمَآءٌ وَّلَا اَرْضٌ وَّلَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ وَّلَا جِنِّیٌّ وَّلَا اِنْسِیٌّ فَلَمَّآ اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذٰلِكَ النُّوْرَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَآءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِیْ اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ

کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ نے چاہا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ، نہ فرشتہ نہ آسمان نہ زمین نہ سورج نہ چاند، نہ جن نہ انس (کچھ بھی) نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا

الْجُزْءَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَآءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ وَمِنَ الثَّانِی الْکُرْسِیَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَاقِی الْمَلَائِکَةِ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَآءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ السَّمٰوٰتِ وَمِنَ الثَّانِی الْاَرْضِیْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَآءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ نُوْرَ اَبْصَارِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمِنَ الثَّانِی نُوْرَ قُلُوْبِهِمْ وَهِیَ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰهِ وَمِنَ الثَّالِثِ نُوْرَ اُنْسِهِمْ وَهُوَ التَّوْحِیْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(مواہب اللدنیہ، ص9 ج1، زرقانی، ص9 ج 1، سیرت حلبیہ، ص 30 ج 1، تفسیر الشعراوی، ص 3026 ج 5، تاریخ الخمیس، ص 19 ج 1، الفتاوی الحدیثیہ لابن حجر، ص44 ج1، بہجۃ المحافل، ص15، ج1)

تو اس نور کے چار حصے کیے پہلے حصے سے قلم دوسرے سے لوح محفوظ تیسرے سے عرش پیدا کیا اور چوتھے حصے کے پھر چار حصے کر دیئے۔ پہلے حصہ سے حاملین عرش، دوسرے سے کرسی تیسرے سے باقی سب فرشتے پیدا کیے اور چوتھے حصے کے پھر چار حصے کر دیئے پہلے حصے سے (ساتوں) آسمان دوسرے سے (ساتوں) زمینیں تیسرے سے جنت و دوزخ پیدا کیے اور چوتھے حصے کے پھر چار حصے کر دیئے پہلے حصے سے مومنوں کی آنکھوں کا نور۔ دوسرے سے ان کے دل کا نور، جس سے اللہ کی معرفت حاصل کرتے ہیں، تیسرے سے ان کے انس و محبت کا نور اور وہ توحید ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ الشَّمْسَ مِنْ جُزْءٍ وَّخَلَقَ الْقَمَرَ مِنْ جُزْءٍ وَّالْکَوَاکِبَ مِنْ جُزْءٍ وَّاَقَامَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ فِیْ مَقَامِ الرَّجَآءِ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفَ سَنَةٍ ثُمَّ جَعَلَهٗ اَرْبَعَةَ اَجْزَآءٍ فَخَلَقَ الْعَقْلَ مِنْ جُزْءٍ وَّالْعِلْمَ وَالْحِلْمَ مِنْ جُزْءٍ وَّالْعِصْمَةَ

پھر چوتھے حصے کے چار حصے کر دیئے پہلے حصے سے سورج دوسرے سے چاند اور تیسرے سے تارے پیدا کیے اور چوتھے حصے کو مقام رجا میں بارہ ہزار سال تک مقیم رکھا۔ پھر اس کے چار حصے کر دیئے۔ پہلے حصے سے عقل، دوسرے سے علم و حلم اور

وَالتَّوْفِيْقَ مِنْ جُزْءٍ وَّاَقَامَ الرَّابِعَ فِيْ مَقَامِ الْحَيَاءِ اِثْنٰى عَشَرَ اَلْفَ سَنَةٍ ثُمَّ نَظَرَ اِلَيْهِ فَتَرَشَّحَ النُّوْرُ عَرَقًا فَقَطَرَ مِنْهُ مِائَةُ اَلْفٍ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا وَّاَرْبَعَةُ اٰلَافٍ قَطْرَةٍ فَخَلَقَ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ نَبِيًّا وَّ رَسُوْلاً ثُمَّ تَنَفَّسَتْ اَرْوَاحُ الْاَنْبِيَآءِ فَخَلَقَ اللّٰهُ مِنْ اَنْفَاسِهِمْ نُوْرَ اَرْوَاحِ الْاَوْلِيَآءِ وَالسُّعَدَآءِ وَالشُّهَدَآءِ وَالْمُطِيْعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ مِنْ نُّوْرِيْ وَالْكَرُّوْبِيُّوْنَ وَالرُّوْحَانِيُّوْنَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مِنْ نُوْرِيْ وَمَلَائِكَةِ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ مِنْ نُوْرِيْ وَالْجَنَّةُ وَمَا فِيْهَا مِنَ النَّعِيْمِ مِنْ نُّوْرِيْ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالْكَوَاكِبُ مِنْ نُوْرِيْ وَالْعَقْلُ وَالْعِلْمُ وَالتَّوْفِيْقُ مِنْ نُوْرِيْ وَاَرْوَاحُ الْاَنْبِيَآءِ وَالرُّسُلِ مِنْ نُوْرِيْ وَالشُّهَدَآءُ وَالسُّعَدَآءُ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ نَتَائِجِ نُوْرِيْ ثُمَّ خَلَقَ اللّٰهُ اثْنَیْ عَشَرَ حِجَابًا فَاَقَامَ النُّوْرَ وَهُوَ الْجُزْءُ الرَّابِعُ فِيْ كُلِّ حِجَابٍ اَلْفَ سَنَةٍ وَّهِيَ مَقَامَاتُ الْعُبُوْدِيَّةِ وَهِيَ حِجَابُ الْكَرَامَةِ

تیسرے سے عصمت و توفیق پیدا فرمائی اور چوتھے حصے کو مقام حیاء میں بارہ ہزار سال تک مقیم رکھا، پھر اس کی طرف ایک ایسی نظر فرمائی کہ اس نور سے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے جھڑے، اللہ تعالیٰ نے ہر قطرے سے نبی اور رسول پیدا فرمائے۔ پھر انبیاء کرام کی ارواح نے سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سانس سے قیامت تک ہونے والے سعداء شہداء، اور اطاعت کرنے والے مومنوں کی ارواح کے نور کو پیدا فرمایا (تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) عرش و کرسی میرے نور سے ہے، کروبین اور روحانیین فرشتے میرے نور سے ہیں اور سات آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے ہیں جنت اور اس کی ساری نعمتیں میرے نور سے ہیں سورج چاند اور ستارے میرے نور سے ہیں عقل، علم اور توفیق میرے نور سے ہے، ارواح انبیاء و رسل میرے نور سے ہیں۔ شہداء، سعداء اور صالحین میرے نوری نتیجوں سے ہیں۔ پھر اللہ نے بارہ حجاب پیدا فرمائے اور نور کے چوتھے حصے کو ہر حجاب میں ایک ایک

وَالسَّعَادَةِ وَالزِّيْنَةِ وَالرَّحْمَةِ وَالرَّأْفَةِ وَالْحِلْمِ وَالْعِلْمِ وَالْوَقَارِ وَ السَّكِيْنَةِ وَالصَّبْرِ وَالصِّدْقِ وَالْيَقِيْنِ فَعَبَدَ اللهَ ذَالِكَ النُّوْرُ فِيْ كُلِّ حِجَابٍ اَلْفَ سَنَةٍ فَلَمَّا خَرَجَ ذَالِكَ النُّوْرُ مِنَ الْحُجُبِ رَكَّبَهُ اللهُ فِي الْاَرْضِ فَكَانَ يُضِيْئُ مِنْهُ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ كَالسِّرَاجِ فِي اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ ثُمَّ خَلَقَ اللهُ آدَمَ مِنَ الْاَرْضِ وَرَكَّبَ فِيْهِ النُّوْرَ فِيْ جَبْهَتِهٖ ثُمَّ انْتَقَلَ مِنْهُ اِلٰى شِيْثَ وَلَدِهٖ وَكَانَ يَنْتَقِلُ مِنْ طَاهِرٍ اِلٰى طَاهِرٍ وَمِنْ طَيِّبٍ اِلٰى طَيِّبٍ اِلٰى اَنْ وَصَلَ اِلٰى صُلْبِ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ثُمَّ اَخْرَجَنِيْ اِلَى الدُّنْيَا فَجَعَلَنِيْ سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَرَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ وَ قَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ هٰذَا كَانَ بَدْءُ نُوْرِ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ

(الدررالبہیۃ ج4، الجزءالمفقود من الجزء الاول من المصنف عبدالرزاق:18)

ہزار سال تک مقیم رکھا اور وہ مقامات عبودیت ہیں اور وہ کرامت، سعادت، زینت، رحمت، رافت، علم، حلم وقار سکون، صبر صدق اور یقین کے حجابات ہیں۔ پھر اس نور نے ہر حجاب میں ایک ہزار سال عبادت کی۔ پھر جب وہ نور حجابات میں سے نکلا تو اللہ نے اس کو زمین پر رکھا تو وہ مشرق اور مغرب کے درمیان اس طرح چمکتا تھا جس طرح اندھیری رات میں روشن چراغ ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور اس نور کو ان کی پیشانی میں رکھا۔ پھر وہ نور ان سے منتقل ہو کر ان کے بیٹے شیث (علیہ السلام) میں آیا۔ اسی طرح وہ نور طاہر سے طاہر کی طرف اور طیب سے طیب کی طرف منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ وہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے صلب میں آیا۔ (فرمایا) پھر اللہ نے مجھے دنیا کی طرف نکالا اور مجھے سید المرسلین، خاتم النّبیین، رحمۃ اللعالمین اور قائد الغرالمحجلین بنایا۔ یہ ہے، تیرے نبی کے نور کی ابتداء اے جابر

امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمہم اللہ نے اس حدیث کو مختصر ہی بیان کیا ہے لیکن شیخ

الاسلام امام محمد نووی الشافعی نے اپنی کتاب الدرر البھیۃ فی شرح خصائص النبویہ میں پوری حدیث بیان کی ہے، جو اوپر لکھی جا چکی ہے۔

اس حدیث کے مخرج امام اجل حضرت عبدالرزاق ہیں جو امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر امام کے استاد ہیں، امام بخاری کے استاد الاستاد ہیں۔ احمد بن صالح مصری فرماتے ہیں:

قُلْتُ لِاَحْمَدِ بْنِ حَنْبَلَ رَأَيْتَ اَحَدًا اَحْسَنَ حَدِيْثٍ مِنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ؟ قال لا! (تہذیب التہذیب ج6 ص311)

میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا! کیا آپ نے حدیث میں کوئی شخص عبدالرزاق سے بہتر دیکھا؟ فرمایا: نہیں۔

علامہ امام عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ اس حدیث کی تصحیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَدْ خُلِقَ كُلُّ شَيْئٍ مِّنْ نُوْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا وَرَدَ بِهِ الْحَدِيْثُ الصَّحِيْحُ (حدیقہ ندیہ)

بلاشبہ تمام اشیاء ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور (کے سبب) سے پیدا ہوئیں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا۔

علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَدْ قَالَ الْاَشْعَرِيُّ اَنَّهٗ تَعَالٰى نُوْرٌ لَيْسَ كَالْاَنْوَارِ وَ رُوْحُ النُّبُوَّةِ الْقُدْسِيَّةِ لَمْعَةٌ مِّنْ نُوْرِهٖ وَالْمَلَائِكَةُ شَرَرُ تِلْكَ الْاَنْوَارِ وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ وَمِنْ نُّوْرِيْ خُلِقَ كُلُّ شَيْئٍ (مطالع المسرات)

عقائد میں اہل سنت کے امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نور ہے جو کسی نور کی مثل نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مقدسہ اسی نور کی چمک ہے اور فرشتے انہی انوار سے جھڑے ہوئے نور کے شرر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا اور میرے ہی نور کے سبب سے ہر چیز پیدا فرمائی۔

حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی صاحبِ روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلِذَا كَانَ نُوْرُهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ الْمَخْلُوْقَاتِ فَمَعْنَى الْخَبَرِ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ تَعَالٰى نُوْرَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ!

(روح المعانی پارہ 17 ص 96،ص 100 ج9)

(چونکہ حضور ﷺ وصول فیض میں واسطۂ عظمی ہیں) اسی لئے حضور ﷺ کا نور اول المخلوقات ہے، چناں چہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ نے پیدا فرمائی وہ تیرے نبی کا نور ہے اے جابر!

حدیث مذکور میں نُوْرِہٖ فرمایا اور نُوْرِہٖ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے اور اللہ اسم ذاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتی نور سے حضور ﷺ کا نور پیدا فرمایا، صفاتی سے نہیں ورنہ مِنْ نُوْرِ جَمَالِہٖ یا مِنْ نُّوْرِ عِلْمِہٖ وغیرہ ہوتا اور اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ کا نور اللہ کے نور کا ٹکڑا یا حصہ ہے کیوں کہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت شرط ہے اور یہ اضافت تشریفی ہے جیسے رُوْحُ اللہ، بَیْتُ اللہ کہا جاتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کے پتھر وغیرہ اللہ کی ذات کے ٹکڑے یا اجزاء ہیں؟ یا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح کے ٹکڑے اور جز ہیں؟ ہرگز نہیں!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ (حجر) پس جب میں اس (آدم) کو ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو اس کو سجدہ کرنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روح سے پھونکا تو کیا آدم علیہ السلام کے اندر اللہ کی روح کا ٹکڑا جدا ہو کر داخل ہو گیا تھا؟ ہرگز نہیں! کیوں کہ اللہ کی روح ٹکڑے ہونے سے پاک ہے۔ اسی طرح نور بھی۔ تو جس طرح اپنی روح سے پھونکا، اسی طرح اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ نہ روح ٹکڑے ہوئی، نہ نور ٹکڑے ہوا، وہ اللہ کی روح، تو یہ اللہ کا نور، غرض اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے حبیب پاک ﷺ کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور پھر اسی نور پاک سے تمام مخلوق پیدا فرمائی۔ چناں چہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنَا مِنْ نُوْرِ اللهِ وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ مِنْ نُّوْرِيْ (مدارج النبوت)

کہ میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے۔ یعنی میرے ظہور کا سبب اللہ کا نور ہے اور ساری مخلوق کے ظہور کا سبب، میرا نور ہے۔ اللہ کا نور نہ ہوتا تو میں نہ ہوتا اور میرا نور نہ ہوتا تو مخلوق نہ ہوتی۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

جناب اشرف علی تھانوی اپنی کتاب نشر الطیب میں اسی حدیث کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقۃً ثابت ہوا۔ کیوں کہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے، ان اشیاء کا نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متأخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔ (نشر الطیب، ص 7)

شیخ محقق حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

بداں کہ اول مخلوقات و واسطۂ صدور کائنات و واسطۂ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چناں چہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ و سائر مکونات علوی و سفلی ازاں نور و ازاں جوہر پاک پیدا شدہ و حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ نزد محققین و محدثین بہ صحت نہ رسیدہ و حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ نیز گفتہ اند۔

(مدارج النبوۃ، ص 2 ج 2)

جان لو کہ اول مخلوقات و واسطۂ صدور کائنات و واسطۂ تخلیق عالم و آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، چناں چہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا اور باقی تمام مخلوقاتِ علوی و سفلی اسی نور اور اسی جوہرِ پاک سے پیدا ہوئی اور حدیث کہ اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا ہے، محققین و محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ حدیث بھی صحت کو نہیں پہنچی جس میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ہے۔

شبہ! جب ساری مخلوق حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے موجود ہوئی، تو ناپاک خبیث اور قبیح اشیاء کی برائی اور قباحت معاذ اللہ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہوگئی؟

جواب: حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفتابِ وجود ہیں اور کل مخلوق اس آفتابِ وجود سے فیضانِ وجود حاصل کررہی ہے۔ جس طرح اس ظاہری آفتاب کی شعاعیں تمام کرہ ارض میں جمادات و نباتات اور کل معدنیات جملہ موالید اور جواہر اجسام کے حقائق لطیفہ اور خواص و اوصاف مختلفہ کا اضافہ کررہی ہیں اور کسی بھی اچھی بری خاصیت کا اثر ان شعاعوں پر نہیں پڑتا، نہ کسی چیز کے اوصاف و اثرات سورج کے لئے قباحت ونقصان کا موجب ہو سکتے ہیں۔ دیکھئے زہریلی چیزوں کا اثر اور مہلک اشیاء کی یہ تاثیرات، معدنیات ونباتات وغیرہ کے الوان طعوم وروائح، کھٹا میٹھا مزا، اچھی بری بو، سب کچھ سورج کی شعاعوں سے برآمد ہوتی ہے لیکن ان میں سے کسی چیز کی کوئی صفت سورج کے لئے عار کا موجب نہیں کیوں کہ یہ تمام حقائق آفتاب اور اس کی شعاعوں میں انتہائی لطافت کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور اس لطافت کے مرتبے میں کوئی اثر برا نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ جب وہ لطیف اثرات اور حقائق سورج اور اس کی شعاعوں سے نکل کر اس عالم اجسام میں پہنچتے اور رفتہ رفتہ ظہور پذیر ہوتے ہیں، تو ان میں بعض ایسے اوصاف وخواص پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر انہیں قبیح، ناپاک اور برا کہا جاتا ہے، لیکن ان برائیوں کا کوئی اثر سورج یا اس کی شعاعوں پر نہیں پڑ سکتا۔ اسی طرح عالم اجسام میں کثیف اور نجس چیزوں کا کوئی اثر حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک پر نہیں پڑ سکتا۔

اس کے بعد یہ بات بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ سورج کی شعاعیں ناپاک اور گندی چیزوں پر پڑنے سے ناپاک نہیں ہوسکتیں، تو انوارِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شعاعیں عالم موجودات کی برائیوں اور نجاستوں سے کیوں کر متاثر ہوسکتی ہیں۔ نیز یہ کہ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور میں حقائق اشیاء پائی جاتی ہیں اور حقیقت کسی چیز کی نجس اور ناپاک نہیں ہوتی (میلاد النبی، ص 16)

حضرت ابن عباس وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی؟

قَالَ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔

(ترمذی:3609، بخاری فی التاریخ:1606، مشکوٰۃ: 5758، خصائص کبریٰ، ص3 ج1، زرقانی، ص80 ج1، کنز العمال:31917، طبرانی:12571)

فرمایا، میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام جسم اور روح کے درمیان تھے (یعنی ان کے جسم میں ابھی روح نہیں پھونکی گئی تھی)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں علمِ الٰہی میں نبی تھا۔ سوان کا یہ کہنا غلط ہے کیوں کہ اگر آپ کی یہ مراد ہوتی تو اس میں پھر آپ کی کیا تخصیص تھی۔ علم الٰہی میں تو تمام چیزیں آپ کے وجود سے بھی پہلے تھیں، تو یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ نہ تھی اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ نبوت وصف ہے اور وصف و کمال وجود اور ذات کے تابع ہوا کرتا ہے، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وصف ہو اور موصوف نہ ہو۔ ثابت ہوا کہ آپ کا وجود آدم علیہ السلام سے پہلے تھا اور وہ وجود نوری تھا۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نُوْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةِ عَشَرَ اَلْفَ مِائَةِ عَامٍ

(زرقانی، ص 49 ج 1، سبل الہدیٰ، ص 69 ج 1، سیرۃ حلبیہ، ص 46 ج 1، روح البیان، ص370 ج2)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے حضور ایک نور تھا۔

جناب اشرفعلی تھانوی اس حدیث کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس عدد میں کم کی نفی ہے، زیادتی کی نہیں۔ پس اگر زیادتی کی روایت نظر پڑے شبہہ نہ کیا جائے۔ (نشر الطیب ص8)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمْ عُمِرْتَ مِنَ

کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، تمہاری عمر کتنی ہے؟ جبریل علیہ السلام

السِّنِیۡنَ قَالَ وَاللهِ لَا اَدۡرِیۡ غَیۡرَ اَنَّ کَوۡکَبًا فِی الۡحِجَابِ الرَّابِعِ یَظۡهَرُ فِیۡ کُلِّ سَبۡعِیۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ مَرَّةً رَأَیۡتُهٗ اِثۡنَیۡنِ وَسَبۡعِیۡنَ اَلۡفَ مَرَّةٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ یَا جِبۡرِیۡلُ وَعِزَّةِ رَبِّیۡ اَنَا ذٰلِكَ الۡکَوۡکَبُ (سیرت حلبیہ، ص49ج1، جواہر البحار فی فضل النبی المختار، ص776، روح البیان، ص543ج3)

نے عرض کی: خدا کی قسم میں سوائے اس کے نہیں جانتا کہ حجابِ رابع میں ایک ستارہ ہر ستر ہزار سال کے بعد ظاہر ہوتا تھا جس کو میں نے بہتر (72) ہزار مرتبہ دیکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، اے جبریل مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم! وہ ستارہ میں ہی تھا۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو الہام فرمایا، تو انہوں نے عرض کیا، اے پروردگار تو نے میری کنیت ابو محمد (ﷺ) کس لئے رکھی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم اپنا سر اٹھاؤ:

فَرَفَعَ رَاۡسَهٗ فَرَأٰی نُوۡرَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ فِیۡ سُرَادِقِ الۡعَرۡشِ فَقَالَ یَارَبِّ مَا هٰذَا النُّوۡرُ قَالَ هٰذَا نُوۡرُ نَبِیٍّ مِنۡ ذُرِّیَّتِكَ اِسۡمُهٗ فِی السَّمَآءِ اَحۡمَدُ وَفِی الۡاَرۡضِ مُحَمَّدٌ لَوۡلَاهُ مَا خَلَقۡتُكَ وَلَا خَلَقۡتُ سَمَآءً وَّلَا اَرۡضًا (مواہب لدنیہ، ص47 ج1، زرقانی علی المواہب، ص24ج1)

انہوں نے اپنا سر اٹھایا تو ان کو عرش کے پایوں پر نور محمد ﷺ نظر آیا۔ عرض کیا، اے میرے پروردگار یہ نور کیا ہے؟ ارشاد ہوا یہ نور تمہاری اولاد میں سے اس نبی کا ہے جس کا نام آسمانوں میں احمد اور زمینوں میں محمد (ﷺ) ہے، اگر یہ نور نہ ہوتا تو میں نہ تمہیں اور نہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنَا اَوَّلُ النَّبِیِّیۡنَ فِی الۡخَلۡقِ وَ اٰخِرُهُمۡ فِی الۡبِعۡثِ (ابن ابی حاتم، دلائل النبوۃ، خصائص

میں پیدائش میں تمام نبیوں سے پہلا ہوں اور بعثت میں ان سب سے پچھلا ہوں!

کبریٰ،ص 3 ج 1، ابونعیم،ص 2 4 ج 1،
کنزالعمال: 32126،سبل الہدیٰ،ص 68
ج 1، المقاصد الحسنہ :836، البدایہ والنہایہ،
ص376 ج2،تفسیر الخازن،ص410 ج3،
عیون الاثر،ص 7 9 ج 1،تفسیر البغوی،
ص611 ج3،تفسیر الطبری، 424 ج14،
تفسیر السمعانی،ص261 ج4، السیرۃ النبویہ
لابن کثیر،ص 9 8 2 ج 1، التفسیر الوسیط،
ص 0 6 4 ج 3، الشفاء،ص 0 4 2 ج 1،
السراج المنیر ،ص223 ج3)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے نبی بھی آپ، اورسب سے پچھلے نبی بھی آپ ہیں، یعنی صفت نبوت کی ابتدا بھی آپ سے ہوئی اور انتہا بھی آپ کی ہی ذات بابرکات پرہوئی، نہ آپ سے پہلے کوئی نبی تھا نہ بعد میں کوئی نبی ہوگا۔

حد پہ پہنچ کر ایک بات کہتا ہوں تیری شان میں
دہر میں تیری ذات پر ختم ہوئی پیمبری
فتح باب نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

ان احادیث مبارکہ سے صراحۃً ثابت ہوا کہ باعثِ ایجاددو عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پاک ہے۔ اگر آپ نہ ہوتے، تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ نیز ان احادیث میں غوروفکر کرنے سے آپ کی بشریت مطہرہ کا مسئلہ بھی بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے۔ سب مسلمان جانتے ہیں کہ بشریت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی بشر نہ تھا مگر آپ تھے، اور کیا تھے؟ اس کے متعلق خود آپ کے ارشادات مبارکہ گزشتہ سطور میں مذکور ہو چکے ہیں کہ آپ نور تھے۔

ثابت ہوا کہ جس نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ساری کائنات سے پہلے پیدا کیا گیا تھا وہی نور

تمام انبیائے کرام کے بعد بشریت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جلوہ گر ہوا، بلاشبہ آپ بھی بشر ہیں مگر آپ کی بشریت مطہرہ بے مثل اور بشریت کے ہر عیب و نقص سے پاک اور مبرا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باید دانست کہ خلق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دررنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلقے ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت نہ دارد کہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاء عنصری از نور حق جل و علیٰ مخلوق گشتہ است کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ

(مکتوبات شریف جلد سوم)

جاننا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش دوسرے انسانوں کی طرح نہیں ہے بلکہ عالم کے تمام افراد میں سے کوئی فرد بھی پیدائش میں ان سے کسی طرح کی مناسبت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاء عنصری کے اللہ جل و علیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔

☆......☆......☆......☆

برکاتِ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں کو فرمایا کہ زمین سے ہر قسم کی سرخ، سفید، سیاہ، کھاری، میٹھی، نرم، سخت، خشک، تر مٹی لاؤ؟ فرشتوں نے تعمیل کی۔ اسی مٹی سے پروردگار عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کا خوب صورت پُتلا بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ان کی پشت میں بطور امانت رکھا۔ جس کی وجہ سے ان کی پیشانی آفتاب و ماہ تاب کی طرح چمکنے لگی۔ چناں چہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَفِی الْخَبَرِ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی اٰدَمَ جَعَلَ اَوْدَعَ (ذٰلِكَ النُّوْرَ) نُوْرَ الْمُصْطَفٰی فِیْ ظَهْرِهٖ فَكَانَ لِشِدَّتِهٖ (یَلْمَعُ فِیْ جَبِیْنِهٖ) الخ	حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پشت مبارک میں رکھ دیا تو وہ نور ایسا شدید چمک والا تھا کہ باوجود پشت آدم میں ہونے کے پیشانی آدم سے چمکتا تھا۔
(زرقانی علی المواہب، ص49 ج1)	

یہ ایک حقیقت ہے کہ پشت آدم علیہ السلام میں ان کی تمام اولاد کے وہ لطیف اجزاء جسمیہ تھے جو انسانی پیدائش کے بعد اس کی ریڑھ کی ہڈی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہی اس کے اجزاء اصلیہ کہلائے جاتے ہیں، نہ صرف آدم علیہ السلام بلکہ ہر باپ کے صلب میں اس کی اولاد کے ایسے ہی لطیف اجزائے بدنیہ موجود ہوتے ہیں، جو اس سے منتقل ہو کر اس کی نسل کہلاتی ہے۔ اولاد کے ان ہی اجزائے جسمیہ کا آباء کے اصلاب میں پایا جانا باپ بیٹے کے درمیان ولدیت اور ابنیت کے رشتہ کا سنگ بنیاد اور سبب اصلی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت میں قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد کے اجزائے اصلیہ رکھ دیے۔ یہ اجزاء روح کے اجزاء نہیں، نہ روح کا کل ہیں۔ کیوں کہ ایک بدن میں ایک ہی روح سما سکتی ہے۔ ایک سے زیادہ ایک بدن میں روح کا پایا جانا بداہۃً باطل ہے لہٰذا پشت آدم علیہ السلام میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک نہیں رکھی گئی تھی، بلکہ جسم اقدس کے جوہر لطیف کی نورانی شعاعیں رکھی گئی تھیں۔ جو نور ذات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شعاعیں تھیں۔ (میلا دالنبی ،صفحہ 19)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمَلَائِکَۃَ اُمِرُوْا بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ لِاَجْلِ اَنَّ نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ جَبْهَةِ آدَمَ (تفسیر کبیر ج 2، ص 318 زیر آیت تلك الرسل، اللباب فی علوم الکتاب، ص 302 ج 4، سبل الہدیٰ، ص 264 ج 10، مواہب لدنیہ، ص 302 ج 2، زرقانی، ص 78 ج 7)

کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم جو فرشتوں کو دیا گیا تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ ان کی پیشانی میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پاک تھا

معلوم ہوا کہ وہ تعظیم وتحیت درحقیقت نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی تھی۔ چناں چہ تمام نوری فرشتے اس نورِ اعظم کی تعظیم کے لئے جھک گئے اور مقبول ہو گئے جو سب سے پہلے جھکا وہ سب کا سردار ہو گیا، اس کے بعد درجہ بدرجہ ان کے درجات بلند ہوئے اور ابلیس انکار کر کے ملعون ومردود ہو گیا اور اس کا عابد وزاہد اور موحد ہونا، اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔

تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا
نور نے پایا ترے سجدے سے سیما نور کا

یہاں یہ بات بھی نہایت قابل غور ہے کہ شیطان ہزاروں برس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا مگر اس کا ملعون ومردود ہونا ظاہر نہیں ہوا، اس کے ملعون ومردود ہونے کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے وقت ہوا۔ معلوم ہوا کہ علامتِ مقبولیت صرف عبادت ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ تعظیم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔

عارف کبیر سیدی ابوالحسن علی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں:

عِیْسٰی وَ اٰدَمُ وَ الصُّدُوْرُ جَمِیْعُهُمْ هُمْ اَعْیُنٌ هُوَ نُوْرُهَا لِمَا وَرَدَ

آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء کرام گزر چکے ہیں وہ سب آنکھیں ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا نور ہیں۔

لَوْ اَبْصَرَ الشَّيْطَانُ طَلْعَةَ نُوْرِهٖ فِیْ وَجْهِ اٰدَمَ كَانَ اَوَّلُ مَنْ سَجَدَ

اگر شیطان چشم بصیرت سے نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چمک آدم علیہ السلام کے چہرہ میں دیکھتا تو فرشتوں سے پہلے سجدہ کرتا (مواہب اللدنیہ وزرقانی، ص63 ج1، سبل الہدیٰ، ص76 ج1)

معلوم ہوا کہ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کے لئے چشم بصیرت کی ضرورت ہے جن آنکھوں میں نور بصیرت نہیں، دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا حصہ نہیں۔

از فروغ تست روشن دین و دنیا ہر دو جا برتو بادا از خدا صلوٰت یا بدر الدجیٰ

دین و دنیا ہر دو مقام آپ ہی کے نور سے روشن ہیں، اے بدر الدجیٰ آپ پر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں۔

مادر گیتی نہ زادہ چوں تو فرزند دگر دیدۂ عالم نہ دیدہ ہم چو تو حسن اللقا

دنیا نے آپ جیسا کوئی فرزند نہیں جنا ہے اور جہان کی آنکھ نے آپ جیسا حسین نہیں دیکھا ہے۔

کے ملک کردے بہ پیش آدم خاکی سجود نور تو در وے نہ بودے گر ودیعت اے ہدیٰ

اے سراپا ہدایت! اگر آپ کا نور مبارک آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت نہ رکھا جاتا تو فرشتے آدم خاکی کو کب سجدہ کرتے۔

از بہار لطف تو سر سبز باغ کائنات وز نسیم فیض تو شاداب تر روض الصفا

آپ کے لطف وکرم کی بہار اور نسیم فیض ہی سے باغ کائنات سرسبز اور شاداب تر ہے۔

جن کے نور کے سبب سے حضرت آدم علیہ السلام مسجودیت ملائکہ کے مرتبے سے مشرف ہوئے تھے، وہی ان کی توبہ کے قبول ہونے کے باعث بنتے ہیں، چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب شجر ممنوعہ کا پھل کھالیا اور وہ جنت سے باہر تشریف لے آئے تو تین سو برس متواتر روتے رہے اور ندامت کی وجہ سے سر آسمان کی طرف نہ اٹھایا اور پڑھتے رہے: رَبَّنَا

ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (اعراف:23)۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۳۷﴾ (بقرہ)

پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے (جن کی وجہ سے) اللہ نے ان کی توبہ قبول کی بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

وہ کلمے کیا تھے؟ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ کلمے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ (الآیہ) تھے لیکن علامہ محمود آلوسی بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی اسی آیہ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

قِیْلَ رَاٰی مَکْتُوْبًا عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ فَتَشَفَّعَ بِهٖ وَاِذَا اُطْلِقَتِ الْكَلِمَةُ عَلٰی عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَلْتُطْلَقِ الْكَلِمَاتُ عَلَى الرُّوْحِ الْاَعْظَمِ وَالْحَبِیْبِ الْاَكْرَمِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَمَا عِیْسٰی بَلْ وَمَا مُوْسٰے بَلْ وَمَا وَمَا اِلَّا بَعْضٌ مِّنْ ظُهُوْرِ اَنْوَارِهٖ وَزَهْرَةٌ مِّنْ رِّیَاضِ اَنْوَارِهٖ

(روح المعانی ص217 ج1)

کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے پائے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ لکھا ہوا دیکھا تو اس نام کو شفیع بنایا (صاحب تفسیر فرماتے ہیں) کہ جب عیسیٰ علیہ السلام پر کلمے کا اطلاق ہوا، تو جو روح اعظم اور حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ان پر کلمات کا اطلاق کیا گیا ہے کیوں کہ عیسیٰ اور موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام سب اسی نور اعظم کے انوار اور اسی باغ کے پھول ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اقْتَرَفَ اٰدَمُ خَطِیْئَةً قَالَ یَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ الاما غَفَرْتَ لِیْ فَقَالَ اللهُ تَعَالٰی یَا اٰدَمُ كَیْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا؟ وَلَمْ اَخْلُقْهُ قَالَ یَارَبِّ لِاَنَّكَ

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہو گیا تھا تو انہوں نے عرض کیا اے میرے رب میں تجھ سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے، اللہ نے

لَمَّا خَلَقْتَنِیْ بِیَدِكَ وَ نَفَخْتَ فِیَّ مِنْ رُّوْحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِیْ فَرَأَیْتُ عَلٰی قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰی اِسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَیْكَ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی صَدَقْتَ یَا اٰدَمُ اِنَّهٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ وَاِذْ سَاَلْتَنِیْ بِحَقِّهٖ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَّا خَلَقْتُكَ

(دلائل النبوۃ للبیہقی، ص489 ج5، طبرانی اوسط:6502، زرقانی علی المواہب ص 62، درمنثور، ص 2 4 1 ج 1، المستدرک حاکم: 4228، سبل الہدی والرشاد، ص85 ج1، مجمع الزوائد: 13917، ابن عساکر، ص437 ج7، مسند الفاروق، 969، الفتاویٰ الحدیثیہ، ص134 ج1)

فرمایا، اے آدم تو نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے پہچانا؟ ابھی تو میں نے ان کو (جسداً) پیدا نہیں کیا، انہوں نے عرض کیا، اے میرے پروردگار جب تو نے مجھ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنے سر کو اٹھایا اور عرش کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پس میں نے جان لیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا، بے شک وہ ساری مخلوق سے زیادہ مجھے محبوب ہیں اور جب تو نے ان کے وسیلے سے بخشش چاہی تو میں نے تجھ کو بخش دیا اور اگر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔

؎ اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی المصری روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یَا اٰدَمُ لَوْ تَشَفَّعْتَ اِلَیْنَا بِمُحَمَّدٍ فِیْ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَشَفَّعْنَاكَ

(زرقانی علی المواہب، ص 2 6 ج 1، موہب لدنیہ، ص605 ج3)

اے آدم اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام لے کر تمام اہل سماوات اور اہل ارض کی شفاعت کرتے تو ہم تمہاری شفاعت قبول فرماتے۔

حضرت حزیم بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں چاہتا ہوں کہ آپ کی مدح (میں چند اشعار پیش) کروں۔ فرمایا: قُلْ لَا یُفْضِضِ اللّٰہُ فَاكَ ہاں کہو اللہ تعالیٰ تمہارے مونھ کو سالم رکھے۔ انہوں نے کہا:

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَ فِيْ مُسْتَوْدِعٍ حَيْثُ يَخْصِفُ الْوَرَقُ

یا رسول اللہ آپ زمین پر تشریف لانے سے پہلے جنت کے سایوں میں خوش حالی اور ودیعت گاہ یعنی صلب آدم علیہ السلام میں تھے جب کہ وہ جنت میں تھے، جہاں وہ درختوں کے پتے نیچے اوپر جوڑ کر اپنا جسم ڈھانکتے تھے۔

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَا بَشَرٌ اَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَّلَا عَلَقُ

پھر آپ نے بلاد (یعنی زمین کی طرف نزول فرمایا)، یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی صلب میں پوشیدہ تھے اس وقت آپ نہ بشر نہ مضغہ اور نہ علق تھے۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَقَدْ اَلْجَمَ نَسْرًا وَّاَهْلَهُ الْغَرَقُ

بلکہ (صلب آباء میں بصورت) مادہ مائیہ تھے (کہ وہی مادہ) کشتی نوح علیہ السلام میں سوار تھا۔ جس کی برکت سے وہ تیر رہی تھی اور نسر بت اور اس کے ماننے والے غرق ہو رہے تھے۔

تَنْقُلُ مِنْ صَالِبٍ اِلٰى رَحِمٍ اِذَا مَضٰى عَالَمٌ بَدَا طَبَقُ

اسی طرح آپ پاک صلبوں اور پاک رحموں میں یکے بعد دیگرے مختلف طبقات میں منتقل ہوتے رہے۔

وَرَدْتَّ نَارَ الْخَلِيْلِ مُسْتَتِرًا فِيْ صُلْبِهٖ اَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

یہاں تک کہ آپ نے نار خلیل علیہ السلام میں ورود فرمایا۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور حضرت ابراہیم کے صلب میں پوشیدہ تھا تو وہ کیسے جل سکتے تھے؟

حَتّٰى احْتَوٰى بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ خِنْدَفِ عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

اسی طرح آپ منتقل ہوتے رہے، یہاں تک کہ آپ کے خاندان (جو کہ خندف کی اولا دہیں) کو وہ شرف اور بلند مقام حاصل ہوا کہ دوسرے لوگ سب ان کے نیچے ہیں۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَّ اَشْرَقَتِ الْ اَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

اور جب آپ کی ولادت ہوئی اس وقت آپ کے نور سے زمین روشن ہوگئی اور آفاق منور ہو گئے۔

فَنَحْنُ فِيْ ذَالِكَ الضِّيَاءِ وَفِي النُّوْرِ وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

سو ہم اسی ضیاء اور اسی نور میں رشد و ہدایت کے راستوں کو قطع کر رہے ہیں۔

(حاکم: 5417، طبرانی: 4167، مواہب اللدنیہ، ص79 ج1، خصائص کبریٰ ص39 ج1، شرف المصطفیٰ، ص162 ج4، ابن عساکر، ص410 ج3، اسد الغابہ: 1438، الاستیعاب 664، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم: 2520، سبل الہدیٰ والرشاد، ص70 ج1)

ف: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان اشعار کو سن کر سکوت فرمایا۔ لہٰذا حدیث تقریری سے ان اشعار کے مضامین کا صحیح اور حجت ہونا ثابت ہو گیا۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جنت کے سایوں میں، کشتی نوح میں، نار خلیل میں ہونا، وجود بشریت سے پہلے یہ سب حالات و برکات آپ کے نور پاک کے ہیں۔

سراج الامّہ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَ

یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ وہ ذات ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہرگز کوئی آدمی پیدا نہ ہوتا اور نہ ہی کوئی مخلوق پیدا کی جاتی۔

اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِكَ الْبَدْرُ اكْتَسَا وَالشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاكَ

اور آپ وہ نور اعظم ہیں کہ چاند آپ ہی کے نور سے روشن اور سورج کی چمک بھی آپ کے ہی نور سے ہے۔

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ

آپ وہ ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب آپ کا توسل پکڑا تو وہ اپنی مراد کو پہنچے، حالاں کہ بظاہر وہ آپ کے باپ ہیں۔

وَبِكَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ بَرْدًا وَّقَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكَ

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آپ ہی کے نور کے سبب سے آگ گل زار ہوگئی تھی۔

وَدَعَاكَ اَيُّوْبُ لِضُرٍّ مَّسَّهٗ فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَاكَ

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی تکلیف و مصائب میں آپ ہی کو پکارا تو اس پکارنے سے ان کی تکلیف و مصیبت دور ہوگئی۔

وَبِكَ الْمَسِيْحُ اَتٰى بَشِيْرًا مُّخْبِرًا بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَادِحًا لِّعُلَاكَ

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ہی کی آمد کی خبر دیتے، اور آپ کی صفات حسنہ کا بیان اور آپ کی مدح سرائی کرتے ہوئے تشریف لائے۔ (مجموعۃ القصائد، ص 40، مطبع مجتبائی دہلی)

مقبول بارگاہ سید المرسلین امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

تمام انبیاء کرام حضور کے سمندر میں سے بقدر ایک چلّو کے یا آپ کے فیض کی لگاتار بارشوں سے بقدر ایک گھونٹ کے طالب ہیں۔

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمِ

اور ہر معجزہ و کمال جس کو رسولانِ کرام لائے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ وہ معجزہ و کمال ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے حاصل ہوا ہے اس لئے کہ

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فضل و کمال کے آفتاب ہیں اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اس آفتاب کے ستارے ہیں جو اسی آفتاب کے انوار کو لوگوں کے لئے تاریکیوں میں ظاہر کرتے رہے۔

یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں حضور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی نورانیت وروحانیت ہی سے مستفید ہوتے رہے۔ جیسے رات کو چانداور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں۔ حال آں کہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا اور جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو سب روشنیاں اس نور اعظم میں مدغم ہو جاتی ہیں اور وہ نور اعظم سب روشنیوں پر غالب آ جاتا ہے۔ پھر کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں ہے اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح نبوت ورسالت کے تمام مراتب وکمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے۔

اے نظمِ رسالت کے چمکتے ہوئے مقطع
تُو نے ہی اسے مطلعِ انوار بنایا

☆......☆......☆......☆

انتقالِ نورِ محمدی ﷺ

حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ہر سال کے بعد حضرت حوا کے بطن سے دو بچے (ایک لڑکا اور ایک لڑکی) پیدا ہوتے تھے۔ چالیس بچوں کے بعد اکتالیسویں ولادت میں صرف ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام شیث رکھا گیا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا آخری بیٹا تھا۔ نور محمدی ﷺ انہی کو تفویض ہوا اور اسی کو ساتھ لے کر حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا اور وہ چمک دار پتھر جس کو وہ جنت سے اپنے ہمراہ لائے تھے، کعبہ میں نصب کیا، جو حجر اسود کے نام سے مشہور ہے۔

افزائش نسل انسانی

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں نکاح کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے حمل کی لڑکی کا دوسرے حمل کے لڑکے کے ساتھ اور دوسرے حمل کی لڑکی کا پہلے حمل کے لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا جاتا تھا۔ کیوں کہ اس وقت سوائے اس کے اور کوئی سبیل ہی نہ تھی۔ اسی طرح ان سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام کی ایک ہزار سالہ زندگی میں ان کی اولاد چالیس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

ابتدائے فسق و فجور

حضرت آدم علیہ السلام کے ایک لڑکے ہابیل کے ساتھ اس کی بہن لبودا اور دوسرے لڑکے قابیل کے ساتھ اس کی بہن ''اقلیما'' پیدا ہوئی تھیں۔ دستور کے مطابق اقلیما ہابیل کا اور لبودا قابیل کا حصہ تھیں، لیکن قابیل دستور کے خلاف اقلیما کے حصول پر بضد ہوا کیوں کہ وہ بہت زیادہ خوب صورت تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ہر چند سمجھایا کہ وہ تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے لہٰذا دستور کے مطابق وہ تجھے حلال نہیں۔ مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ آپ کی رائے ہے، اللہ کا حکم نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں قربانیاں پیش کرو، جس کی قربانی قبول ہو جائے، وہی اقلیما کا حق دار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾

(مائدہ)

اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب کہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک (ہابیل) کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے (قابیل) کی نہ قبول ہوئی۔ قابیل نے (ہابیل سے) کہا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ ہابیل نے کہا۔ اللہ تو پرہیز گاروں ہی سے قبول کرتا ہے۔

چناں چہ دستور کے مطابق ہابیل کا اقلیما سے اور قابیل کا لبودا سے نکاح کر دیا گیا۔ قابیل یہ دیکھ کر حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ بجائے اس کے کہ وہ مقبولیت کے وسائل اختیار کرتا، غیظ وغضب میں آ کر قتل کی دھمکیاں دینے لگا۔ چناں چہ ہابیل نے قابیل سے کہا:

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾

(مائدہ)

اگر تو مجھ کو قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤں گا کیوں کہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں کا بار تجھ پر پڑے تو تو دوزخ والوں میں سے ہو جائے اور یہی سزا ہے ظالموں کی تو قابیل کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا تو اس نے اس کو قتل کر دیا۔ سو ہو گیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں۔

قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کے بعد اس کی بیوی کو اغوا کیا اور شام سے بھاگتا ہوا

عدن میں آیا اور یہاں آ کر رہنے لگا۔ چناں چہ اس کی اولاد میں زنا، چوری، شراب خوری، ناچ گانا وغیرہ برائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے لبودا کا نکاح حضرت شیث علیہ السلام سے کر دیا اور انہی کو اپنا خلیفہ و نائب مقرر کر دیا۔ چناں چہ حضرت شیث، آدم علیہ السلام پر نازل شدہ صحائف کے مطابق اپنی اولاد میں تبلیغ فرماتے اور نیکی کی تلقین فرماتے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ایک ہزار سال عمر پا کر انتقال فرمایا اور باختلافِ روایات منیٰ میں جہاں آج کل مسجد خیف ہے، دفن ہوئے آپ کے ایک سال بعد حضرت حوا نے انتقال فرمایا اور بحر قلزم کے کنارے جدہ میں دفن ہوئیں، اسی وجہ سے اس علاقے کا نام جدہ ہوا۔ واللہ اعلم۔

حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سب سے چھوٹے لڑکے کا نام انوش ہے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں منتقل ہوا۔ حضرت شیث علیہ السلام نے نو سو بارہ برس کی عمر پا کر وفات پائی اور باختلافِ روایات عراق کے شہر موصل میں دفن ہوئے۔

حضرت انوش اپنے دادا حضرت آدم کی زندگی ہی میں پیدا ہو چکے تھے۔ جس وقت آپ پیدا ہوئے آپ کے والد حضرت شیث کی عمر ایک سو ساٹھ برس، اور آپ کے دادا حضرت آدم علیہ السلام کی عمر چار سو اسی برس کی تھی۔ آپ ہی اپنے والد کے جانشین اور خلیفہ مقرر ہوئے، اور اپنے باپ دادا کے طریق پر قائم رہے اور دوسروں کو قائم کرتے رہے۔

جب آپ کی عمر ایک سو نوے سال کی ہوئی تو آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام قینان رکھا گیا۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں منتقل ہوا۔ حضرت انوش نے نو سو باسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت قینان بھی حضرت آدم کی موجودی میں تولد ہو چکے تھے۔ یہ بھی حضرت آدم کے طریقہ حق پر قائم رہے، جب ان کی عمر ایک سو ساٹھ برس کی ہوئی تو ان کی اولاد میں ایک صاحب زادے مہلائیل پیدا ہوئے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں منتقل ہوا۔ مہلائیل کی ولادت کے دن حضرت آدم نے بہت سی قربانیاں اللہ تعالیٰ کے نام پر کیں۔ حضرت قینان نے سات سو بیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت مہلائیل اپنے والد کی

وفات کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے اور اپنے آباء واجداد کے طریقہ حق پر قائم رہے۔ جب آپ کی عمر ایک سو پینتیس برس کی ہوئی تو آپ کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام الیارذ رکھا گیا۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان میں منتقل ہوا۔ حضرت مہلائیل نے نو سو پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت الیارذ اپنے والد کی وفات کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے، جب آپ کی عمر ایک سو باسٹھ برس کی ہوئی تو آپ کے ہاں حضرت اخنوخ (ادریس) علیہ السلام پیدا ہوئے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان میں منتقل ہوا۔ حضرت الیارذ کے زمانے میں اولاد آدم کا سلسلہ دور دور تک پھیل چکا تھا اور ان میں مختلف قسم کے فرقے اور فتنے پیدا ہو چکے تھے۔ ظلم و جفا، غرور و تکبر، بدکاری، بے حیائی زور پکڑ چکی تھی لیکن آپ احکامِ الٰہیہ کی تبلیغ اور طریق حق پر قائم رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام اخنوخ ہے اور بوجہ کثرت درس صحف آسمانی آپ کا لقب ادریس ہے، آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔ قرآن کریم میں آپ کو صدیق نبی فرمایا گیا ہے، آپ بڑے برگزیدہ اور رفعت وشان والے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ دنیا میں نجوم و حساب کا علم، قلم سے لکھنا، کپڑا سینا، ناپ تول کے آلات اور اسلحہ کا بنانا آپ نے جاری فرمایا۔ آپ کی عمر ایک سو پینسٹھ برس کی تھی کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام متوشلخ رکھا گیا۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو تفویض ہوا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو تین سو پینسٹھ برس کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا۔

آپ کی جگہ حضرت متوشلخ مقرر ہوئے، آپ اپنے والد پر نازل شدہ صحائف کے مطابق تبلیغ فرماتے۔ آپ کے ہاں ایک صاحب زادے پیدا ہوئے لامک۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو تفویض ہوا۔ جب لامک کی عمر ایک سو اسی برس کی ہوئی تو آپ کے ہاں حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو تفویض ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نام نامی ''عبدالغفار'' ہے بعد میں کثرت زاری و نوحہ کرنے کی وجہ سے نوح مشہور ہو گیا آپ کے عہد نبوت میں نسل انسانی پر کفر و شرک، ظلم و ستم، جہالت و خود پرستی بدکاری و بے حیائی کی تاریکیاں

مسلط ہو چکی تھیں۔ عبادت کے وہ تمام طریقے خودساختہ معبودوں کے لئے مخصوص ہو گئے تھے، جن کا مستحق، معبودِ برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس تک متواتر شب و روز وعظ و نصیحت فرمائی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا، صرف اسی (80) مسلمان ہوئے اور ان کے سوا باقی لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ انہوں نے عاجز و تنگ آ کر کہا:

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۳۲ (ہود)

بولے، اے نوح تم نے ہم سے بحث مباحثہ اور جھگڑا کیا اور بہت ہی زیادہ جھگڑا کیا تو اب (ختم کرو اس روز روز کے جھگڑے کو اور) لے آؤ (وہ عذاب) جس کا تم وعدہ کرتے ہو اگر تم سچے ہو۔

طویل عرصے تک قوم کی ایذائیں اور سختیاں برداشت کرنے کے بعد آخر نوح علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں التجا کی، پروردگار عالم! ان سے بدلہ لیجئے اور ان کا اس سرزمین پر ایک گھر بھی آباد نہ رہنے دیجئے بلکہ سب کو برباد کر دیجئے۔ ارشاد ہوا، تم ایک کشتی تیار کرو اور اس میں اپنے ساتھیوں کو سوار کر لو اور پھر دیکھو کہ ہماری شمشیر انتقام بے نیام ہو کر کس طرح ان ظالموں کے ظلم و ستم اور شریروں کی شرارتوں کا خاتمہ کرتی ہے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ وعدہ کے موافق پانی عذابِ الٰہی بن کر اوپر نیچے سے آیا اور اس نے سوائے اہل حق کے سب کا خاتمہ کر دیا۔ بعد ازیں از سرنو، نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں، یافث، حام، سام سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔ اسی لئے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ چناں چہ سام کی اولاد کی شاخیں تو جزیرۃ العرب ہی میں شام و فلسطین، اردن، حجاز یمن، نجد، بحرین اور عراق وغیرہ میں پھیلیں۔ اور یافث کی اولاد کی شاخیں یونان، ترکستان، چین، روس، جاپان وغیرہ میں پھیلیں اور حام کی اولاد کی شاخیں مصر، سوڈان، حبش، افریقہ، ہندوسندھ وغیرہ میں پھیلیں۔

چوں کہ کتاب کا مضمون سام کی اس اولاد سے متعلق ہے جس کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تفویض ہوا لہٰذا سام کی اس اولاد کا مختصر سا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوح علیہ السلام سے منتقل

ہوکر سام میں آیا۔ سام سے منتقل ہوکر ان کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت ارفخشد کو تفویض ہوا اوران سے ان کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت عابر الہود کو تفویض ہوا۔ بعض مؤرخین نے ان ہی کو ہود نبی اللہ علیہ السلام قرار دیا ہے جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ وہ ہود نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ وہ ہود علیہ السلام سام بن نوح علیہ السلام کے دوسرے فرزند ارم کی اولاد میں سے ہیں۔ چناں چہ ''ثمود'' اور ''عاد'' دونوں ارم کے پوتے ہیں۔ ثمود کے والد کا نام جاترا اور عاد کے والد کا نام عوص ہے۔ ان ہی کے نام پر آگے ان کی قومیں موسوم ہوئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام اور قوم عاد میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ چناں چہ فرمایا:

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا - وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا

معلوم ہوا کہ ہود علیہ السلام قوم عاد ہی میں سے تھے۔ واللہ اعلم

حضرت عابر الہود کے دو بیٹے مشہور ہیں۔ قحطان اور فالخ، تمام عربوں کا سلسلہ انہیں سے ملتا ہے۔ قحطان کے چھ بیٹے تھے۔ عمان، عامر، حضرموت، جرہم، یمن، یوب، ان سے بہت سی شاخیں پھیلیں۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فالخ کو تفویض ہوا تھا، وہ اگر چہ کثیر الاولاد تھے۔ مگر ان کے دو بیٹے مشہور ہیں۔ ملکان اور ارغو۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارغو کو تفویض ہوا۔ حضرت ارغو کے چھوٹے فرزند شاروخ ہیں جو نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرفراز ہوئے، ان سے ان کے بیٹے ناحور کو یہ شرف حاصل ہوا۔ حضرت ناحور کے آٹھ بیٹے تھے،

عوص، بیقال، باعور، سیول، فہویل، ہاران، تارخ، آذر، چناں چہ بیقال کی اولاد میں حضرت لقمان الحکیم ہوئے جن کا ذکر قرآن میں ہے اور سیدہ سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاران کی بیٹی ہیں۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناحور سے تارخ میں منتقل ہوا۔ تارخ کے تین بیٹے تھے۔ ناحور، ہاران، حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ چناں چہ حضرت رفقہ زوجہ سیدنا اسحاق علیہ السلام ناحور بن تارخ کی پوتی تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں راحیل، لیا حضرت رفقہ کے حقیقی بھائی لیان کی بیٹیاں تھیں۔

سیدنا لوط علیہ السلام ہاران بن تارخ کے بیٹے ہیں۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تارخ سے منتقل ہو کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام میں آیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس دور میں آنکھ کھولی تھی وہ دور اپنے ماحول کے لحاظ سے بہت تاریک دور تھا۔ چناں چہ آپ کی پوری کی پوری قوم بت پرستی میں مبتلا تھی۔ آپ کا چچا آزر☆ نہ صرف بُت پرست، بلکہ بُت تراش بھی تھا۔ چوں کہ آپ کی فطرت ہی میں رشد و ہدایت ودیعت فرما دی گئی تھی اور آپ کامل طور پر حق و باطل کو جاننے والے تھے لہٰذا آپ نے جوان ہوتے ہی بلا خوف و خطر ان خود ساختہ معبودوں کے خلاف آواز بلند فرما دی۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے:

☆۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا بلکہ چچا تھا اور عرب میں چچا کو باپ کہنا عام ہے۔ قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ (بقرہ:133)، ترجمہ جب کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میرے بعد کس کی پوجا کرو گے؟ بیٹوں نے کہا: ہم پوجیں گے تمہارے اس معبود کو جو تمہارے آباء ابراہیم واسمٰعیل واسحق کا بھی معبود ہے۔

اس آیہ کریمہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں ذکر کیا گیا ہے حالاں کہ وہ چچا تھے۔ اسی طرح بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن میں جہاں آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے۔ وہاں بھی مراد چچا ہے کیوں کہ چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ چناں چہ ملاحظہ ہو امام ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ فرمایا اِنَّ اَبَا اِبْرَاهِیْمَ لَمْ یَکُنْ اِسْمُهٗ اٰزَرَ وَ اِنَّمَا کَانَ تَارِخُ۔ ترجمہ: بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہیں بلکہ تارخ ہے امام ابن ابی شیبہ وابن المنذر وابن ابی حاتم صحیح طرق کے ساتھ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: لَیْسَ اٰزَرُ اَبَا اِبْرَاهِیْمَ، ترجمہ: آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں۔ امام ابن المنذر صحیح سند کے ساتھ حضرت جریج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: لَیْسَ اٰزَرُ بِاَبِیْهِ اِنَّمَا هُوَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ تَارِخَ۔ ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہیں بلکہ تارخ ہے۔ امام ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ حضرت سُدی سے روایت کرتے ہیں اَنَّهٗ قِیْلَ لَهٗ اِسْمُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ اٰزَرَ فَقَالَ بَلْ اِسْمُهٗ تَارِخُ۔ کہ ان سے کہا گیا کہ ابراہیم کے باپ کا نام آزر ہے تو انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ تارخ ہے۔ رئیس الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ آزر کے باپ نہ ہونے پر ایک عجیب و غریب استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن صرد سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گل زار ہوگئی تو آپ کے چچا آزر نے کہا۔ کس نے اس سے آگ کو دفع کر دیا تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ کا ایک شرارہ بھیجا۔ جس نے آزر کو جلا کے رکھ دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آزر ان ایام میں ہلاک ہو گیا تھا جن ایام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا آپ نے اس کے لئے استغفار کیا۔ کیوں کہ آپ نے اس سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (توبہ:114) پھر جب آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى

اس وقت کو یاد کرو جب کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا یہ (پتھر کی) مورتیاں کیا ہیں؟ جن (کی عبادت) پر تم جمے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے! فرمایا بے شک تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں (مبتلا) ہوئے! انہوں نے (متعجب ہو کر) کہا کیا (واقعی) تم ہمارے سامنے سچی بات پیش کر رہے ہو یا (یونہی) دل لگی کر رہے ہو؟ فرمایا (دل لگی نہیں) بلکہ (یہ حقیقت ہے کہ) تمہارا رب (جو لائق عبادت ہے) وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے جس نے ان سب کو بنایا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دشمن ہے تو آپ اس سے بے زار ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے استغفار ترک کر دیا اور یہ قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعہ آگ کے بعد ہجرت فرمائی۔ کما قال اللہ تعالیٰ، وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (صافات:99) اور اس وقت آپ کی عمر شریف سینتیس برس کی تھی ہجرت کے بعد آپ نے پہلے مران میں قیام کیا پھر اردن میں پھر مصر میں اور مصر کے بعد شام میں۔ پھر جب آپ کی عمر نوے برس کی ہوئی تو آپ کے ہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے بحکم رب العالمین آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ ہاجرہ کو بیت اللہ شریف کے پاس چھوڑا اور واپسی پر راستے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ (ابراہیم:37) اور اسی دعا میں یہ بھی کہا رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ (ابراہیم) جب آپ پر آزر کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو چکا تھا اور آپ نے بے زار ہو کر اس کے لئے استغفار ترک کر دیا تھا تو پھر تقریباً پچاس برس کے بعد اس کے لئے کیسے دعا فرما سکتے تھے؟ تو ثابت ہوا کہ یہ دعائے بخشش حقیقی والدین کے لئے تھی۔ آزر کے لئے نہ تھی۔ کیوں کہ آزر کے لئے دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا تھا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آزر والد نہ تھا بلکہ چچا تھا۔ (الحاوی للفتاوی، ص419)

أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾
قَالُوْٓا ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ
هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾
فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ
لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ
اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ
شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا
اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾

(الانبیاء:52 تا 68)

میں اس پر گواہ ہوں اور خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی خوب گت بناؤں گا۔ جب تم (ان کو چھوڑ کر میلے میں) چلے جاؤ گے تو ان کے جانے کے بعد آپ نے ان (بتوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سوائے ان کے بڑے (بت) کے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں (چناں چہ جب انہوں نے آ کر اپنے بتوں کو دیکھا) تو (آپس میں) کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کس نے کیا ہے بے شک وہ (بڑا) ظالم ہے۔ بعض نے کہا ہم نے سنا ہے کہ ایک جوان جس کو ابراہیم کہتے ہیں، وہ ان (بتوں) کا (برائی کے ساتھ) تذکرہ کرتا ہے (تو) سب نے کہا اسے لوگوں کے سامنے لاؤ۔ تاکہ سب دیکھیں (کہ وہ کون ہے) جس کو اتنی جرأت ہوئی۔

(چناں چہ آپ آئے) تو انہوں نے کہا۔ کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے اے ابراہیم؟ فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا (یا پھر) ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں، تو انہوں

نے اپنے دلوں میں سوچا تو (آپس میں)
کہا بلاشبہ تم ہی بے انصاف ہو، پھر
(شرمندگی سے) اپنے سروں کو جھکا لیا
(اور نہایت خجالت سے بولے کہ اے
ابراہیم) تم تو خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے
نہیں! فرمایا تو کیا تم خدا کو چھوڑ کر ان کی
عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو (کوئی) نفع
پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ تف ہے تم پر
اور ان پر بھی جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو
کیا تم نہیں سمجھتے؟ وہ (نہایت برہم ہو
کر) بولے اس (ابراہیم) کو جلا دو اور
(بدلہ لے کر) اپنے معبودوں کی مدد کرو
اگر ہو تم کچھ کرنے والے۔

چناں چہ انہوں نے بادشاہ وقت نمرود بن کنعان کو (جو بڑا ظالم و جابر بادشاہ تھا)، سارے حالات کی اطلاع دی۔ بادشاہ نے آپ کو قید کر دیا۔ جب سات برس کے بعد آپ کو قید سے جلانے کے واسطے نکالا تو نمرود نے کہا وہ رب کون ہے جس کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو؟ فرمایا هُوَ يُحْيِ وَيُمِيتُ وہ جو مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ اس نے ایک بے قصور اور ایک قصوروار دو قیدی بلائے، بے قصور کو مار دیا، اور قصوروار کو چھوڑ کر کہنے لگا۔ دیکھو اَنَا اُحْيِ وَاُمِيتُ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

وہ احمق نمرود چوں کہ زندہ کرنے اور مارنے کی حقیقت ہی نہیں سمجھتا تھا، اس لئے حضرت ابراہیم نے اس کی جہالت وحماقت پر نظر فرما کر دوسرا جواب فرمایا: فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ۔ اللہ (جس کی طرف میں بلاتا ہوں) وہ ہے

جو روزانہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تُو (ایک دن) مغرب سے نکال (کر دکھا) دے؟ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ اس پر وہ کافر مبہوت ہو گیا، اور کوئی جواب نہ دے سکا اور بجائے اس کے کہ لاجواب ہو کر معبود برحق پر ایمان لے آتا۔ سیخ پا ہوا اور نہایت غضب ناک ہو کر بولا کہ واقعی یہ اسی قابل ہے کہ اس کو جلا دیا جائے۔ چناں چہ انہوں نے آپ کے جلانے کے لئے ایک عمارت بنائی اور اس میں قسم قسم کی لکڑیاں ڈال کر ایک بہت خوف ناک قسم کی آگ جلائی اور اس آگ میں آپ کو ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ (انبیاء) ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔

چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ وہ آگ بحکم الٰہی آپ پر گل و گلزار ہو گئی اور آپ صحیح وسالم اس میں سے نکلے۔ یہ دیکھ کر بہت سے لوگ آپ پر اور آپ کے خدا پر ایمان لائے مگر نمرود اور اس کے ساتھی ایمان نہ لائے۔ آپ نے ان کو دعوت ایمان دی اور فرمایا کہ مال و دولت سلطنت ولشکر پر غرور نہ کرو بلکہ ایمان لے آؤ۔ ورنہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاؤ گے۔ نمرود نے کہا تیرے خدا کے پاس جس قدر لشکر ہوں، میرے مقابلے میں لے آ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔ اللہ نے بے شمار مچھر بھیجے جو نمرودیوں کا سب خون پی گئے اور گوشت کھا گئے۔ ایک مچھر نمرود کے دماغ میں گھس گیا، جس کی وجہ سے نمرود سخت پریشان اور بے چین ہو کر ہلاک ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ (انبیاء) ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برا برتاؤ کرنا چاہا تھا لیکن ہم نے انہیں کو خاسر و ناکام کر دیا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کوفہ سے ہجرت فرما کر اپنے دادا کے وطن حران پہنچے، حران کے رئیس آپ کے تایا ہاران بن ناحور تھے انہوں نے اپنی حسین وجمیل بیٹی حضرت سارہ کا آپ سے نکاح کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ نے وہاں سے بھی ہجرت فرمائی اور اپنی بیوی کو ہمراہ لے کر اردن میں آئے۔ چند دن کے قیام کے بعد آپ نے یہاں سے مصر

کا قصد فرمایا۔

مصر کا بادشاہ جو بڑا ظالم و جابر اور نفس پرست تھا حسین عورتوں کو کسی صورت میں نہیں چھوڑتا تھا۔ اس ظالم کا طریق کار یہ تھا کہ اگر کسی حسین عورت کے متعلق اس کو معلوم ہو جاتا کہ وہ شادی شُدہ ہے تو وہ بلا دریغ اس عورت کے شوہر کو قتل کروا دیتا اور جبراً عورت پر قبضہ کر لیتا اور اگر وہ شادی شُدہ نہ ہوتی تو اس کے اقربا کو مال وغیرہ کا طمع دے کر یا دھمکیوں سے مرعوب کر کے اپنے ناپاک مقصد کو پورا کرتا۔ سیدہ سارہ حسن و جمال میں لاثانی تھیں۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کسی نے بادشاہ کو اس کی اطلاع کر دی۔ اس نے آپ کو بلایا۔ آپ تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے کہا، یہ کون ہے؟ فرمایا میری بہن ہے۔ اس نے کہا ان کو مہمان خانے میں لے جاؤ۔ اس کے خدام آپ کو مہمان خانے میں لے گئے پھر اس نے حضرت سارہ کو اپنے خاص محل میں طلب کیا۔ حضرت ابراہیم نے سارہ سے فرمایا کہ بلحاظ رشتہ ایمانی تم میری بہن ہی ہو لہٰذا اگر وہ تم سے پوچھے تو تم بھی اسی لحاظ سے یہی کہنا کہ میں ان کی بہن ہوں۔ حضرت ابراہیم و حضرت سارہ دونوں نے اس کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کی۔

غرض جب حضرت سارہ کو اس ظالم کے پاس لایا گیا تو اس نے اپنے ناپاک ارادے کی تکمیل کے لئے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بس ہاتھ کا بڑھنا تھا کہ قدرت الٰہی سے اس کا ہاتھ شل ہو گیا اور طاقت سلب ہو گئی۔ ظالم کہنے لگا کہ تو ساحرہ ہے اور تو نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے کوئی جادو نہیں کیا بلکہ یہ تیری بدنیتی کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ قادر و قیوم کی گرفت ہے۔ اس نے کہا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب آپ کے قریب نہیں آؤں گا آپ دعا کریں کہ میرا ہاتھ درست ہو جائے۔ آپ نے دعا فرمائی وہ اچھا ہو گیا اور پھر وہی قصد بد کیا۔ پھر اس سے زیادہ گرفت ہوئی۔ پھر وہی عہد کیا۔ آپ نے دعا فرمائی وہ پھر اچھا ہو گیا۔ تیسری بار پھر وہی قصدِ بد کیا۔ پھر اس سے بھی زیادہ سخت گرفت ہوئی پھر تو بہت پریشان ہوا اور زاری کر کے پکا عہد کیا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ وہ پھر اچھا ہو گیا۔ پھر اس نے آپ کی اس کرامت و بزرگی سے متاثر ہو کر اپنی کنواری بیٹی ہاجرہ کو خدمت کے لئے پیش کیا

اور کہا کہ میری بیٹی کا اس محترمہ معظّمہ کے گھر خادمہ ہو کر رہنا کسی دوسرے کے گھر میں ملکہ بن کر رہنے سے بہتر ہے چناں چہ حضرت سارہ حضرت ہاجرہ کو ساتھ لے کر با عزت واپس آئیں اور آ کر حضرت ابراہیم سے کہا آپ کو خبر ہے کہ اللہ قادر و قیوم نے کافر کو ذلیل کیا اور یہ ایک لڑکی خدمت کے لئے دی ہے؟ پھر حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل یعنی بہت پیارے دوست اور برگزیدہ نبی تھے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے کاموں میں حکمتیں ہوتی ہیں اگر آپ اپنی بیوی حضرت سارہ کو اس ظالم بادشاہ کے پاس نہ بھیجتے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کس طرح آپ کے پاس آتیں؟ اللہ تعالیٰ نے انہی کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پیدا ہونا اور پھر اولاد اسماعیل علیہ السلام میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور مقدر فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ میری بیوی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے وہ ظالم ہاتھ تک بھی نہ لگا سکے گا اور ان کی کرامت و بزرگی سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی کو نذرانۃً و ہدیۃً پیش کرے گا۔ لہٰذا بھیج دیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے بلادِ شام میں تشریف لے آئے اور وہاں آ کر سکونت اختیار فرمائی۔

☆......☆......☆......☆

بنیاد مکہ

اللہ کے برگزیدہ اور جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نوے سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کر رہے ہیں:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ پروردگار مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

(الصافات)

کارساز حقیقی نے اس التجا کو سنا اور شرف قبولیت بخشتے ہوئے فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ (الصافات) تو ہم نے ابراہیم کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔

تمنائے خلیل بر آئی، صاحب صبر و تحمل پیدا ہوئے، ان کا نام رکھا گیا، اسماعیل علیہ السلام، اصل میں تھا، اشموئیل۔ معرّب ہو کر اسماعیل ہو گیا اور بقول بعض اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ''سمع'' اور ''ایل'' سمع کے معنی سننے کے اور ایل کے معنی خدا کے ہیں، یعنی خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا والتجا سن لی۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منتقل ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام میں آ چکا تھا۔ اس لئے حسن و جمال کا یہ ننھا سا پیکر باپ کی شفقت و محبت کا مرکز بن گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے بہت پیار و محبت فرماتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی حضرت سارہ علیہا السلام جن کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی، انہیں اس سے رشک پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو میرے پاس نہ رکھیے، بلکہ ان کے رہنے کے لئے کوئی اور جگہ تجویز فرمایئے۔ دراصل حکمت خداوندی نے یہ ایک سبب پیدا فرمایا تھا۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بارے میں حکم خداوندی کا انتظار فرمانے لگے۔ بارگاہ احکم الحاکمین سے حکم ہوا کہ آپ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو فلاں میدان میں لے جا کر چھوڑ آئیں۔

چناں چہ آپ ان دونوں کو ساتھ لے کر شام سے چلتے ہوئے سرزمین حرم میں جہاں مکہ مکرمہ ہے پہنچے اور ان کو وہیں چھوڑ کر بغیر گفتگو کیے واپس ہو گئے۔ اس وقت وہاں کوئی آبادی وغیرہ نہ تھی بلکہ ایک چٹیل میدان تھا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے عرض کی کہ آپ ہمیں اس جنگل میں تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی ان کی طرف مڑ کر دیکھا۔ حضرت ہاجرہ نے چند مرتبہ یہی عرض کیا۔ جب کوئی جواب نہ پایا تو کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! حضرت ہاجرہ علیہا السلام یہ سن کر چپ ہو گئیں، حکم خداوندی کے سامنے دم نہ مارا اور صبر و شکر کے ساتھ وہیں بیٹھ گئیں اور فرمایا، اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے، کچھ دور جا کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَ ارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ (ابراہیم)

پروردگار عالم! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایسے میدان میں جہاں پیداوار وغیرہ نہیں ہوتی تیرے محترم گھر کے پاس بسا دیا ہے اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو (اے مولیٰ) کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں سے کھانے کو دے تا کہ وہ تیرا شکر کریں۔

لاکھوں درود و سلام ہوں اس خلیل اللہ پر جو محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنی محبوب بیوی اور اس پیارے بیٹے، جس کو دعائیں کر کے حاصل کیا تھا، جنگل بیابان میں جہاں کوئی خورد و نوش اور رہائش وغیرہ کا انتظام نہ تھا، تنہا چھوڑ کر چل دیئے اور ہزاروں رحمتیں ہوں اس مقدس خاتون پر جس نے حکم الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا اور بھوکا پیاسا جنگل بیابان میں بے انیس و رفیق شیر خوار بچے کے ساتھ رہنا گوارا کر لیا۔ بلاشبہ اللہ کے مقبول اور پیارے بندے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

آج کل کے دور کے نکتہ چین لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام میں زبان درازی کرتے ہیں اور ہر چیز کو اپنی ناقص عقل کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ جو چیز ان کی عقل کے زاویے میں آ گئی وہ ٹھیک اور جو نہ آئی وہ غلط، وہ اس رضا و محبت کے مقام کی حقیقتوں کو کیا جانیں؟

اے کاش! ہم لوگ اس سے سبق حاصل کریں کہ بندے کا کام اپنے آقا و مولیٰ کے حکم کے آگے حیل و حجت نہیں، بلکہ نیاز مندی کے ساتھ سر تسلیم خم کرنا ہے۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے کچھ وقت گزارا، آخر بھوک اور پیاس نے غلبہ کیا۔ شدت پیاس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلق اور زبان خشک ہو گئی۔ حضرت ہاجرہ کے لئے بچے کی یہ حالت ناقابل برداشت تھی، بچے کو وہیں لٹایا اور پانی کی جستجو میں اٹھیں۔ قریب ہی صفا اور مروہ دو پہاڑیاں تھیں، ان پر چڑھ کر چاروں طرف کوئی آبادی یا قافلہ یا چشمے کو دیکھنے لگیں، کہ کسی طرح پانی ہاتھ لگے۔ پہاڑوں کے اوپر سے حضرت اسماعیل نظر آتے لیکن جب دونوں پہاڑیوں کے درمیان وہ نشیب میں آتیں تو وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے پھر آپ دوڑ کر اس نشیبی فاصلے کو طے کرتیں تاکہ وہ زیادہ دیر نظروں سے اوجھل نہ رہیں اور کوئی چیز ان کو صدمہ نہ پہنچائے۔ چناں چہ سات مرتبہ پانی کی جستجو میں آپ صفا و مروہ پر گئیں اور ان کے درمیان دوڑیں مگر پانی نہ ملا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شدت پیاس سے جب اپنی ایڑیاں زمین پر ماریں تو قدرت الٰہی سے ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ جب واپس آئیں تو چشمے کو جاری پا کر بہت خوش ہوئیں، بچہ کو پلایا، خود پیا، چوں کہ وہ پانی زمین سے نکل کر زمین پر پھیلتا جا رہا تھا اس لئے آپ نے اس کے چاروں طرف مٹی کی ایک دیوار بناتے ہوئے فرمایا ''زم زم'' آپ کی زبان میں اس کے معنی ہیں ''ٹھہر ٹھہر'' وہ ٹھہر گیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت ہو ہاجرہ پر، اگر وہ زمزم نہ فرماتیں تو پانی زمین پر پھیل جاتا۔

فائدہ: ایامِ حج میں جو حاجیوں کو سات مرتبہ صفا و مروہ کے درمیان چلنے اور دوڑنے کا حکم

ہے وہ اسی واقعہ کی یادگار اور حضرت ہاجرہ کی نقل ہے۔ چوں کہ ان کا دوڑنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوا، لہٰذا قیامت تک حجاج کے لئے قانون بن گیا کہ اسی طرح دوڑو تمہاری بخشش ہوجائے گی۔

معلوم ہوا کہ الفت ومحبت کے ساتھ محبوبانِ خدا اور مقبولانِ الٰہی کی اتباع واطاعت اور ان کی اداؤں کی نقل بخشش کا موجب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ — بے شک صفا اور مروہ (دونوں پہاڑیاں) شعائر اللہ میں سے ہیں۔

اور یہ پہاڑیاں شعائر اللہ میں سے کیوں ہوئیں؟ اس لئے کہ حضرت ہاجرہ کے ان پر قدم آئے اور شعائر اللہ کی تعظیم کرنا دل کے پاک ہونے کی علامت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ معلوم ہوا جہاں مقبولانِ الٰہی کے قدم آجائیں وہ جگہ بھی قابل تعظیم ہوجاتی ہے اور اس کی تعظیم کرنا دل کے پاک ہونے کی دلیل وعلامت ہے اسی لئے بزرگانِ دین کی قبروں کا ادب واحترام کیا جاتا ہے کیوں کہ وہ ان قبروں میں آرام فرما ہوتے ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد قبیلہ جرہم کے خانہ بدوش لوگ وہاں سے گزرے اور پانی کا چشمہ دیکھ کر ٹھہر گئے اور انہوں نے حضرت ہاجرہ سے وہاں بسنے کی اجازت چاہی، آپ نے اس شرط پر اجازت دی کہ اس پانی پر تمہارا مالکانہ کوئی حق نہ ہوگا، ویسے تمہیں استعمال کی اجازت ہوگی انہوں نے اس شرط کو منظور کرلیا اور وہیں رہنے لگے، اس طرح وہیں ایک بستی آباد ہوگئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہے گاہے ملک شام سے تشریف لاتے اور اپنی رفیقہ حیات اور نورِ نظر کو دیکھ جاتے، اہل بستی ان کی بہت تعظیم وتکریم کرتے اور آپ ان کے لئے دعائے خیر فرماتے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سات اور بقول بعض تیرہ سال کی ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے متواتر تین رات خواب دیکھنے کے بعد فرمایا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ۖ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾

(الصافات)

پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، اب تو دیکھ تو (اس میں) کیا دیکھتا ہے؟ (یعنی تیری رائے کیا ہے؟) عرض کیا ابا جان جس بات کا آپ کو حکم ہوا ہے کر دیجئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، پس جب دونوں حکم الٰہی کے سامنے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹایا (اور چھری پھیر دی) تو ہم نے پکارا ابراہیم (علیہ السلام) کو کہ اے ابراہیم بے شک تو نے سچا کر دکھایا خواب کو، ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکوں کو، بے شک یہ ایک روشن امتحان تھا اور ہم نے اس کے فدیے میں ایک بہت بڑا ذبیحہ (قربانی) دے کر اس کو بچا لیا اور چھوڑا اس (قربانی) کو پچھلے لوگوں میں، سلام ہو ابراہیم (علیہ السلام) پر۔

ان آیتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام رضا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مقام صبر و تحمل کا حال خوب واضح ہوتا ہے، کہ باپ رضائے الٰہی کی خاطر اپنے پیارے بیٹے کی گردن پر چھری چلانے کے لئے اور بیٹا گلا کٹانے کے لئے تیار ہو گیا۔ آخر جب دونوں اس

فرضِ رضا و محبت کو ادا کرنے کے لئے تیار ہوئے اور باپ نے محبوب بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی تو وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ کے تیور دیکھئے، کیسے ہیں؟ اللہ فرماتا ہے کہ ہم پکار اٹھے، بس بس رہنے دو! یہ امتحان کیا تھا، ورنہ کسی کا گلا کٹوانا منظور نہ تھا۔ اگرچہ چھری نے اللہ کے حکم سے نہیں کاٹا مگر ان کی طرف سے صبر و رضا کی انتہا ہوگئی۔

پسر خلیل کی سیکھ ادا کہ ذبح ہونے کی ہو آرزو
چھری رکے تو رکے مگر نہ سرکنے پائے ترا گلا

ذبیح کون ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام یا حضرت اسحٰق علیہ السلام؟

اہل کتاب کہتے ہیں کہ ذبیح، حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں اور بعض سلف نے بھی اسرائیلی روایات لے کر حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح لکھ دیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں، حضرت اسحٰق علیہ السلام نہیں۔

چند دلائل ہدیہ ناظرین ہیں۔

1۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت ہی واقعہ ذبیح کے تقریباً تیس سال بعد ہوئی ہے چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ اے میرے پروردگار مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ تو ہم نے (اس کی دعا قبول کرتے ہوئے) اس کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ پھر جب کہ وہ لڑکا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے بھاگنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم علیہ السلام نے اسے فرمایا: بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں، پس تو دیکھ تو اس میں کیا دیکھتا ہے یعنی تیری رائے کیا ہے؟ آگے ذبح کا پورا واقعہ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ اور پھر ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی جو نبی صالح ہوگا۔

ثابت ہوا کہ ذبیح وہ ہے جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی اور ذبیح کے واقعہ ذبح کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بغیر ان کی دعا کے خود اسحٰق علیہ السلام کی ولادت

کی بشارت دی۔ اگر ذبیح، حضرت اسحٰق علیہ السلام کو قرار دیا جائے تو پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ان کو ذبح تو پہلے کیا گیا اور ان کی ولادت بعد میں ہوئی؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی بشارت اس وقت ہوئی تھی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت فرما کر شام آئے تھے اور آپ نے بیٹے کے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا اور اس وقت آپ کی اور آپ کی اہلیہ حضرت ہاجرہ کی عمر ایسی نہیں تھی کہ اس عمر میں اولاد کا ہونا ایک عجیب اور نادر امر ہوتا لیکن حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت اس وقت ہوئی تھی جب کہ فرشتے قوم لوط علیہ السلام کو تباہ کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے تھے اس وقت آپ کی اور آپ کی اہلیہ حضرت سارہ کی عمر اس قدر زیادہ ہوگئی تھی کہ اس وقت اولاد کا ہونا ضرور ایک نادر امر تھا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

(ہود)

تو ہم نے اس (حضرت سارہ) کو بشارت دی اسحٰق کے پیدا ہونے کی اور اس کے پیچھے (اس کی اولاد میں) یعقوب کے ہونے کی تو وہ (حضرت سارہ) بولیں ہائے خرابی کیا میں بچہ جنوں گی؟ حالاں کہ میں بہت بڑھیا ہوں اور یہ میرا خاوند (ابراہیم علیہ السلام) بھی بہت بوڑھا ہے یہ تو ایک عجیب انوکھی بات ہوگی؟ فرشتوں نے کہا کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت بے شک وہ اللہ تعالیٰ حمید و مجید ہے۔

ثابت ہوا کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت الگ ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی

بشارت الگ۔ اسماعیل علیہ السلام کی بشارت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کرنے پر ہوئی اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت بغیر دعا اور سوال کے ہوئی۔ اسحٰق علیہ السلام کی بشارت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے بعد ہوئی جب کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ دونوں بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔

۳۔ نیز محل ذبح منیٰ میں ہے اور وہ مکہ میں ہے اور مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام؟ کیوں کہ وہ تو کنعان میں تھے جو ملک شام میں ہے۔

۴۔ وہ دنبہ جو جنت سے ان کے فدیہ کے لئے آیا تھا اس کے سینگ بھی مکہ میں ہی تھے۔ جو بیت اللہ شریف کی چھت میں دفن تھے اور عہد یزید پلید میں جب بیت اللہ شریف کو آگ لگی تھی تو وہ بھی جل گئے تھے۔

۵۔ قربانی اولاد اسماعیل علیہ السلام میں ہی رائج رہی اگر اسحٰق علیہ السلام ذبح ہوتے تو ان کی اولاد میں رائج ہوتی لیکن ان کی اولاد میں رائج نہیں تھی۔ غرضیکہ بہت سے دلائل سے ثابت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ ہمارے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ کہ میں دو ذبیحوں (حضرت اسمٰعیل وعبداللہ) کا بیٹا ہوں۔

(مواہب لدنیہ ج1 ص67، سیرۃ حلبیہ ج 1 ص55، زرقانی ج1 ص180، تاریخ الخمیس ج1 ص95، المستدرک:4036، خصائص ج1ص77، سبل الہدی ج1 ص246، سیرۃ حلبیہ ج1 ص55، زرقانی ج1ص181)

☆......☆......☆......☆

قربانی

مخصوص جانور کو مخصوص دن میں بہ نیت تقرب ذبح کرنا قربانی ہے یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جو اس امت کے لئے باقی رکھی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قربانی کا حکم دیا گیا۔ اور فرمایا:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (کوثر)

اے محبوب اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا:

سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ

یہ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے۔

انہوں نے عرض کیا ان میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟ فرمایا (قربانی کے) ہر بال کے بدلے نیکی (ابن ماجہ: 3127، مشکوٰۃ: 1476، مسند احمد: 19283، طبرانی کبیر: 5057، السنن الکبریٰ للبیہقی: 19016، شعب الایمان: 6956، مستدرک: 3467)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَى اللهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا (ترمذی: 1493، ابن ماجہ: 3126، مشکوٰۃ: 1470، مسند احمد: 14284،

یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) میں ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ پیارا نہیں اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے خدا کے نزدیک مقام قبولیت میں پہنچ جاتا

کنزالعمال: 12152، جامع الاحادیث: 20187) ہے لہٰذا اس کو خوش دلی سے کرو

حضرت سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ لَهٗ وُسْعَةٌ وَّلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرُبَنَّ مُصَلَّانَا۔ (ابن ماجہ: 3123، فیض القدیر: 8973، جامع الاحادیث: 23572، مستدرک: 7565)

جس میں وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشَرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ كُلَّ سَنَةٍ (ترمذی: 1507، مشکوٰۃ: 1475، مسند احمد: 4955، تفسیر ابن کثیر، ص379 ج5، عیون الاثر، ص276 ج1، سبل الہدیٰ، ص450 ج8، ص87 ج9)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں دس برس رہے اور آپ ہر سال قربانی کرتے تھے۔

ضرورت قربانی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دور میں مبعوث ہوئے تھے، وہ دور بہت ہی زیادہ تاریک دور تھا۔ ملت ابراہیمی تعلیم ابراہیمی کو بھلا کر کفر و شرک کی تاریکیوں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک خدا کے بجائے ہزاروں خداؤں کی پوجا ہوتی تھی اور پوجا پرستش کے جتنے طریقے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تھے، وہ سب باطل خداؤں اور بتوں کے لئے مخصوص ہو چکے تھے، جن میں بتوں کے لئے سجدہ کرنا اور جانور ذبح کرنا خاص طور پر نمایاں تھا۔

دین اسلام جس کی بنیاد خالص توحید پر تھی اور جس کا مقصد تعلیم ابراہیمی کو اجاگر کرنا تھا، شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑے بغیر قائم نہیں ہو سکتا تھا جس کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ ہر قسم کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر دی جاتی۔ اسی حکمت کے پیش نظر سجدہ کرنا یعنی نماز پڑھنا اور جانور کو معبودان باطلہ کے نام پر ذبح کرنے کی بجائے معبود برحق اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کیا گیا۔

غور فرمایئے! سنن ونوافل اور وتر وغیرہ ہر شخص الگ الگ پڑھ لیتا ہے مگر عیدین جمعہ اور جماعت سب مل کر ادا کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح قربانی کا حال ہے کہ ہر شخص جب بھی کوئی جان ور اپنی ذاتی ضروریات یا مذہبی حاجت کی بنا پر ذبح کرے وہ اللہ ہی کے نام پر ذبح کرے مگر ایام قربانی میں تمام امت مسلمہ اجتماعی صورت میں یہ عبادت بجالائے تا کہ اس کے ساتھ حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کی یادگار قائم رہے اور ان کا وہ عظیم الشان کارنامہ جوانہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر انجام دیا تھا۔ مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بنے اور وہ اس سے سبق وعبرت حاصل کریں اور حضرت خلیل وذبیح علیہما السلام کی اتباع میں خدا کے لئے اس کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کریں۔

ثابت ہوا کہ جس طرح نماز باجماعت جمعہ، عیدین وغیرہ ضروریات دین ہیں، اسی طرح قربانی بھی لہٰذا قربانی کا انکار یا اسے غیر ضروری سمجھنا گمراہی وبے دینی اور دلیلِ عدم تفقہ ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو قربانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو بستی کا ہر آدمی آپ کے تقوٰے وطہارت اور شرافت ودیانت کا اعتراف کرنے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ظاہر ہوا اور لوگوں کے دل آپ کی طرف مائل ہوئے، قبیلہ جرہم کے لوگ آپ کی بہت قدر کرتے یہاں تک کہ سردار قبیلہ مضاض بن عمرو نے اپنے لئے فخر سمجھتے ہوئے اپنی بیٹی رحلہ کا رشتہ آپ کو پیش کیا۔ آپ نے منظور فرمایا اور شادی ہوگئی۔ شادی کے چند دنوں کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کا انتقال ہوگیا۔

ادھر کچھ عرصے کے بعد حضرت سارہ کا بھی انتقال ہوگیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مکہ میں ہی تشریف لے آئے، چند دنوں کے قیام کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا۔ چناں چہ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا، بیٹا مجھے یہاں خانہ کعبہ تعمیر کرنے کا حکم ہوا ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں تم میرے ساتھ تعاون کرو تا کہ یہ گھر تعمیر ہو جائے۔ سعادت مند بیٹے نے اس شرکت کو اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتے ہوئے اس حکم کو بسر وچشم قبول کیا اور ہر طرح کے تعاون کے لئے تیار ہوگئے۔

تعمیر کعبہ

بیت اللہ شریف، دنیا میں یہ سب سے پہلا گھر ہے جو سب سے پہلے انسان حضرت آدم نے جنت سے تشریف لا کر تعمیر کیا۔ پروردگار عالم نے اس گھر کو ظاہری و باطنی برکات اور انوار وتجلیات سے معمور فرما کر سارے جہان کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران)

بلا شبہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے وہی ہے جو مکہ میں ہے (اور یہ گھر) تمام جہان کے لئے بابرکت اور ہدایت (کا سرچشمہ) ہے اس میں روشن نشانیاں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوا، وہ امن میں آ گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک یہ گھر اسی طرح رہا، لوگ اس کا طواف کرتے اس کی طرف مونھ کر کے نماز پڑھتے رہے جب آپ کی دعا سے طوفان آیا تو یہ ایک ٹیلہ سا بن کر رہ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک اسی طرح رہا۔ جب حضرت ہاجرہ و حضرت اسماعیل علیہما السلام کے تشریف لانے سے یہاں آبادی ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کو پھر تعمیر کرو۔ چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس کو تعمیر کرنا شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (یہ کہتے ہوئے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہمارا

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ (بقرہ)

ہر عمل قبول فرما، بلاشبہ تو (دعاؤں کا) سننے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے، اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا مطیع و فرماں بردار رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت ایسی پیدا فرما جو تیری فرماں بردار ہو اور ہمیں ہماری عبادت (حج) کے طریقے بتا اور ہم پر (اپنی رحمت کے ساتھ) رجوع فرما، بلاشبہ تو ہی توّاب اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب ان ہی (امت مسلمہ) میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو ان میں سے ہو اور انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب و حکمت (سنت) کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ سے جس اولوالعزم رسول کے مبعوث ہونے کی دعا کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پروردگار عالم وہ عظمت وشان والا رسول ہماری اولاد اور جماعت مسلمہ میں سے ہو یعنی ہمارے ہی چمن کا پھول ہو جس کی خوش بو سے باغ خلیل مہکتا رہے اور خلیل و ذبیح کا تعمیر کیا ہوا بیت اللہ شریف آباد رہے۔

تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ (حضرت ابراہیم واسماعیل) حضرات کی اولاد میں سوائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی نبی نہیں ہوا لہٰذا ثابت ہوا کہ خلیل و ذبیح کی دعا

آپ ہی کے متعلق تھی۔ تمنائے خلیل اور آرزوئے اسمٰعیل آپ ہی ہیں۔

جان اسماعیل بر رویش فدا   از دعا گویاں خلیل مجتبیٰ
گشت موسیٰ در طوی جویان او   ہست عیسیٰ از ہوا خواہان او

(اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی)

چناں چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

اَنَا دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَبَشَارَةُ عِيْسٰى   میں دعائے خلیل اور بشارت عیسیٰ (علیہما السلام) ہوں

(مشکوٰۃ: 5759، مستدرک: 3566، حلیۃ الاولیاء، ص89 ج6، امالی ابن بشران: 1653، مسند الشامیین طبرانی، 1455، 1939، شرف المصطفیٰ، ص184، ج9)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اصل کائنات اور باعث ایجاد دو عالم ہیں باقی ہمہ مخلوقات آپ کے طفیل ہے۔ ع

مقصود ذاتِ اوست دگر جملگی طفیل

کیا خلیل اور کیا کلیم، تمام انبیاء علیہم السلام اسی شجر نبوت کے حسین پھول اور اسی نور کے انوار ہیں، اگر چہ بظاہر آپ خلیل و ذبیح کی اولاد ہیں مگر حقیقت میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ کی معنوی اولاد اور ان کے تمام کمالات آپ کے کمالات کا ظل اور عکس ہیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار عالم! کعبہ کی تعمیر تو ہم نے کر دی ہے مگر اس کو آباد کرنے والا اور قیامت تک اس کی عظمت و شان کا لوگوں کے دلوں میں سکہ بٹھانے والا وہ رسول، جس کے دم قدم کی ساری بہار ہے، مبعوث فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہی خانہ کعبہ جس کو پروردگار عالم نے سرچشمہ ہدایت بنایا ہے، لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے بت خانہ بنا دیں گے اور پتھر کی مورتیاں لا کر اس میں رکھیں گے اور ان کو معبود قرار دے کر ان کی پوجا کریں

گے اور شرک و کفر کی نجاستوں سے آلودہ ہو جائیں گے، اس وقت وہ رسول ہی ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے گا اور کتاب وحکمت کی تعلیم سے ان کی جہالت کو دور کرے گا اور نظر رحمت فرما کر ان کے ظاہر و باطن کو پاک اور صاف کر دے گا اور ان کے دلوں سے مورتیوں کی محبت نکال کر اللہ کی محبت پیدا کرے گا۔ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تشریف لا کر بیت اللہ شریف کو ہمیشہ کے لئے بتوں سے پاک کر دیا اور اس کی عظمت و شان کو چار چاند لگا دیئے اور وہ لوگ جو ہر لحاظ سے پستیوں کا شکار ہو چکے تھے، علم و عرفان اور اعمال و اخلاق کی بلندیوں پر متمکن ہوئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران)

البتہ تحقیق اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا۔ جب کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ یقیناً اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

الغرض مکہ معظّمہ میں بیت اللہ شریف کے تعمیر ہو جانے سے اس کی عظمت و شان کا چرچا ہوا اور اس کی برکت اور کشش سے آبادی بڑھنی شروع ہو گئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ لڑکے پیدا ہوئے آگے چل کر ان سے آپ کی اولاد کا سلسلہ بھی پھیلا۔

چناں چہ کعبہ معظّمہ کی تولیت بدستور آپ کی اولاد میں رہی، اگرچہ درمیان میں کچھ عرصہ تک قبیلہ جرہم اور قبیلہ خزاعہ کا بھی قبضہ رہا ہے۔ آپ کی اولاد میں تقریباً چالیس پشتوں کے بعد حضرت عدنان، اور حضرت عدنان سے بیس پشتوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آتے ہیں، گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان تقریباً ساٹھ پشتیں ہیں۔

☆......☆......☆......☆

حسب ونسب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسب ونسب میں اشرف واکرم اور احسن واطیب ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور، اللہ کی تسبیح کرتا تھا۔

فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ اَلْقٰى ذٰلِكَ النُّوْرَ فِيْ صُلْبِهٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْبَطَنِيَ اللّٰهُ اِلَى الْاَرْضِ فِيْ صُلْبِ اٰدَمَ وَجَعَلَنِيْ فِيْ صُلْبِ نُوْحٍ وَّقَذَفَ بِيْ فِيْ صُلْبِ اِبْرَاهِيْمَ ثُمَّ لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ يَنْتَقِلُنِيْ مِنَ الْاَصْلَابِ الْكَرِيْمَةِ وَالْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ حَتّٰى اَخْرَجَنِيْ مِنْ بَيْنِ اَبَوَيَّ لَمْ يَلْتَقِيَا عَلٰى سَفَاحٍ قَطُّ (ابونعیم: 14، مواہب اللدنیہ، ص56 ج1، طبرانی اوسط: 4728، خصائص کبریٰ، ص39 ج1، الشریعہ للآجری، ص1419 ج3، تاریخ بغداد، ص94 ج17، الشفاء، ص 182 ج1، الدر المنثور، ص329 ج4، تاریخ الخمیس، ص21 ج1، سیرت حلبیہ، ص46 ج1، روح البیان، ص 370 ج2، سبل الہدیٰ، ص237، ج1)

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اسی نور کو ان کے صلب میں رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے صلب آدم میں رکھ کر زمین پر اتارا۔ اور مجھے صلب نوح اور صلب ابراہیم علیہما السلام میں پہنچایا پھر اللہ تعالیٰ مجھے اصلاب طیبہ اور ارحام طاہرہ میں منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے والدین سے نکالا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک کوئی زانی نہیں ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَرَءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ بِفَتْحِ الْفَآءِ وَقَالَ اَنَا اَنْفَسُكُمْ نَسَبًا وَّ صِهْرًا وَّ

کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لقد جاء کم رسول من انفسکم کو فا کے زبر سے پڑھا اور فرمایا کہ میں حسب نسب اور صہر

حَسَبًا لَّيْسَ فِيْٓ اٰبَآئِيْ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ سِفَاحٌ كُلُّنَا نِكَاحٌ (مواہب اللدنیہ، ص57 ج1، خصاص کبریٰ، ص39 ج1، البحر المحیط، ص417 ج3، سبل الہدی، ص236 ج1، تفسیر النیسا پوری، ص550 ج3، اللباب، ص34 ج6، الثعلبی، ص114 ج5، البغوی، ص115 ج4، ابن عطیہ، ص100 ج3، القرطبی، ص301 ج8، سیرۃ حلبیہ، ص63 ج1)

میں تم سب سے نفیس ترین ہوں، آدم علیہ السلام سے لے کر میرے آباء واجداد تک کوئی زانی نہیں ہوا سب نے نکاح کیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا:

اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَآئِلَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ قَبِيْلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتًا فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ بَيْتًا فَاَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا۔

(ترمذی شریف: 3608، مشکوۃ شریف: 5757، کنز العمال: 31987، الحاوی للفتاوی، ص256 ج2، جامع الاحادیث: 6821، فضائل الصحابہ احمد: 1803، مرقاۃ، ص3070 ج7، سیرۃ ابن کثیر، ص192 ج1، البدایہ والنہایہ، ص316 ج2، تفسیر خازن، ص425 ج2، الشفاء، ص181 ج1، مجمع الزوائد: 13825، سبل الہدیٰ، مقدمہ ص4، امتاع الاسماع، ص705، ج3)

میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبد المطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے بہترین مخلوق یعنی انسانوں میں سے کیا۔ پھر انسانوں میں دو گروہ عرب وعجم بنائے اور مجھے بہتر گروہ عرب میں سے کیا پھر عرب کے چند قبیلے بنائے تو مجھے بہترین قبیلہ قریش میں سے کیا پھر قریش کے چند خاندان بنائے تو مجھے سب سے اچھے خاندان بنی ہاشم میں سے کیا پس میں ذاتی اور خاندانی طور پر سب سے اچھا ہوں۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا:

يَقُولُ اِنَّ اللهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِىْ هَاشِمَ وَاصْطَفَانِىْ مِنْ بَنِىْ هَاشِمٍ (ترمذی: 3606، مشکوۃ: 5740، مسلم ص2276، ج1، مصنف ابن ابی شیبہ: 31731، طبرانی کبیر:161، ابن حبان: 6242، 6333، 6475، الاحاد والمثانی لابن عاصم:893، مسند احمد:16986، مستخرج ابی عوانہ: 10057، السنہ ابن ابی عاصم:1495، تاریخ کبیر للبخاری، ص4، ج1)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ جِبْرِيْلُ قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا فَلَمْ اَرَ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ والسَّلَامُ وَلَمْ اَرَ بَنِىْ اَبٍ اَفْضَلَ مِنْ بَنِىْ هَاشِمٍ (زرقانی، ص68ج1، کنز العمال: 31913، طبرانی اوسط: 414، سبل الہدی، ص236، ج1، المخلصیات: 1911، 2157، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ:1402)

جبرئیل امین نے کہا کہ میں نے تمام مشارق و مغارب میں پھر کر دیکھا کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نظر نہیں آیا اور نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے افضل دیکھنے میں آیا۔

آفاق ہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

☆......☆......☆......☆

آباء واجداد

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (رحمہم اللہ تعالیٰ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا انْتَسَبَ لَمْ يُجَاوِزْ مَعَدَّ بْنَ عَدْنَانَ ثُمَّ يُمْسِكُ وَيَقُوْلُ كَذَبَ النَّسَّابُوْنَ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا (زرقانی علی المواہب، ص80 ج1، تاریخ اسلام ذہبی، ص18 ج1، التفسیر البسیط، ص409 ج12 تفسیر کبیر، ص68 ج19، ارشاد الساری، ص184 ج6، فتح الباری، ص164 ج7، عیون الاثر، ص26، ج1 سبل الہدیٰ، ص295 ج1، حدائق الانوار، ص89 ج1، شرف المصطفیٰ ص12، ج1، طبقات ابن سعد، ص28 ج1)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنا نسب بیان فرماتے تو معد بن عدنان سے آگے نہ بڑھتے اور فرماتے کہ نسب بیان کرنے والوں نے معد بن عدنان سے آگے جو بیان کیا ہے وہ غلط ہے اور یہ دو یا تین بار فرماتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا يَنْتَسِبُ اِلٰى عَدْنَانَ وَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ لَا يُدْرٰى مَاهُوَ

(زرقانی علی المواہب، ص80 ج1)

کہ نسب جو صحیح بیان کیا جا سکتا ہے وہ عدنان تک ہے اور اس کے اوپر صحیح طور پر معلوم نہیں کہ وہ کون ہے، اور اس کا نام کیا ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

بَيْنَ عَدْنَانَ وَ اِسْمٰعِيْلَ ثَلٰثُوْنَ اٰبَاءً لَا

کہ عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے

یُعْرَفُوْنَ (زرقانی علی المواہب، ص 81، ج 1، طبقات ابن سعد، ص 28، ج 1)

درمیان تیس (30) پشتیں ہیں جو پہچانی نہیں جاتیں ☆

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے کسی نے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو اپنا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتا ہو۔

فَكَرِهَ ذَالِكَ وَقَالَ مَنْ اَخْبَرَهٗ بِذَالِكَ؟ (زرقانی علی المواہب ص 81 ج 1، مواہب لدنیہ، ص 62 ج 1، منتہی السؤل، ص 134 ج 1)

تو انہوں نے اس بات کو مکروہ سمجھا اور فرمایا اس کو کس نے اس کی خبر دی ہے؟

اور ان ہی سے روایت ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کیا جائے۔

فَالَّذِیْ یَنْبَغِیْ لَنَا الْاِعْرَاضُ عَمَّا فَوْقَ عَدْنَانَ لِمَا فِیْهِ مِنَ التَّخْلِیْطِ وَالتَّغْیِیْرِ لِلْاَلْفَاظِ وَعَوَاصَةِ تِلْكَ الْاَسْمَآءِ مَعَ قِلَّةِ الْفَائِدَةِ (زرقانی علی المواہب، ص 81 ج 1، الاستیعاب، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، ص 62 ج 1، منتہی السؤل، ص 134 ج 1، الروض الانف، ص 36، ج 1)

ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ ہم عدنان سے تجاوز کرنے سے اعراض کریں اس لئے کہ عدنان سے اوپر کے ناموں میں تخلیط وتغییر ہوگئی ہے اور ان اسماء (کی صحیح معرفت میں) دشواری زیادہ اور فائدہ تھوڑا ہے۔

عدنان سے اوپر کے ناموں میں چوں کہ تخلیط وتغییر ہوگئی ہے اس لئے ان کے بیان سے احتراز کیا گیا ہے اور جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر عدنان تک کا تعلق ہے اس میں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں لہٰذا عدنان سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مختصر حالات ہدیہ ناظرین ہیں۔

☆ چالیس (40) اور اکتالیس (41) کی روایات بھی ہیں، دیکھو (زرقانی، ص 81 ج 1)

حضرت عدنان (بفتح العین وسکون الدال)

نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں منتقل ہوتا ہوا حضرت عدنان میں آیا، آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں اکیسویں پشت میں ہیں۔ آپ کا معظم ومکرم ہونا اس سے ثابت ہے کہ جب بخت نصر نے عرب پر پہلا حملہ کیا تو حضرت ارمیا علیہ السلام نے بخت نصر کو بتا دیا کہ اللہ کی طرف سے اس کو دیگر قبائل پر حملہ کرنے کی اجازت ہے مگر عدنان پر نہیں۔ چناں چہ بخت نصر نے عدنان کو چھوڑ کر دیگر قبائل پر حملہ کیا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

وَکَمْ اَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنِ ذَوِیْ شَرَفٍ　　کَمَا عَلَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ عَدْنَانٗ

اور بہت سے باپ ایسے بھی ہیں جنہوں نے بیٹے کے سبب سے شرف کی بلندیوں پر علو کیا ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے عدنان کو شرف وعلو حاصل ہوا ہے۔ (تاریخ الخمیس، ص 58 ج 1، مواہب لدنیہ، ص 62 ج 1، سبل الہدیٰ، ص 436 ج 1، سلک الدرر، ص 278 ج 2، الوافی بالوفیات، ص 62 ج 1)

آپ کی بیوی کا نام مہدہ بنت اللہم ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں اور آپ کی اولاد تیس افراد پر مشتمل تھی۔ سب سے بڑے فرزند حضرت معد ہیں۔

حضرت معد (بفتح المیم والعین) بن عدنان

معد کا معنی تر و تازہ، چوں کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عدنان کے بعد آپ کو تفویض ہوا تھا آپ کا چہرہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے خوب صورت اور تر و تازہ رہتا تھا، اس وجہ سے آپ کا نام معد ہوا۔

جب بختِ نصر نے عرب پر دوسرا حملہ کیا تو بنی عدنان یمن کی طرف چلے گئے۔ مگر معد کو حضرت ارمیا علیہ السلام اپنے ساتھ شام کو لے گئے تھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا۔

چناں چہ امام ابو جعفر طبری فرماتے ہیں:

وَاَمَرَ اللّٰهُ اَرْمِيَا اَنْ يَّحْتَمِلَ مَعَهٗ مَعَدَّ بْنَ عَدْنَانَ عَلَى الْبُرَاقِ كَيْ لَا تُصِيْبَهُ النِّقْمَةُ فَاِنِّيْ مُسْتَخْرِجٌ مِّنْ صُلْبِهٖ نَبِيًّا كَرِيْمًا اَخْتِمُ بِهِ الرُّسُلَ فَفَعَلَ اَرْمِيَا ذٰلِكَ وَاحْتَمَلَ مَعَدَّ اِلٰى اَرْضِ الشَّامِ فَنَشَاءَ مَعَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ ثُمَّ عَادَ بَعْدَ اَنْ هَدَأَتِ الْفِتَنُ

(البدایہ والنہایہ، ص246 ج2، السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ص75 ج1 الحاوی للفتاوی، ص423 ج2)

اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ معد بن عدنان کو اپنے ساتھ براق پر بٹھا کر لے جائیں تاکہ معد کو کوئی امر مکروہ نہ پہنچے کیوں کہ میں اس کے صلب سے ایک نبی کریم نکالنے والا ہوں جس پر رسالت ختم کروں گا چناں چہ حضرت ارمیا علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق معد کو اپنے ساتھ بٹھایا اور ملک شام لے گئے تو معد بنی اسرائیل کے ساتھ رہے اور جب فتنوں سے سکون ہوا تو پھر وہ واپس آ گئے

آپ کی زوجہ کا نام معانتہ بنت جوشم ہے اور آپ کی اولاد انیس افراد پر مشتمل تھی مگر نعمت باطنی یعنی نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت نزار بن معد سرفراز ہوئے۔

حضرت نزار (بکسر النون) بن معد

نزار، نزر سے ہے جس کا معنی ہے قلیل، آپ کے اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے:

اِنَّهٗ لَمَّا وُلِدَ وَنَظَرَ اَبُوْهُ اِلٰى نُوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَرِحَ فَرَحًا شَدِيْدًا وَّاَطْعَمَ وَقَالَ اِنَّ هٰذَا كُلَّهٗ نَزْرٌ اَيْ قَلِيْلٌ لِحَقِّ هٰذَا الْمَوْلُوْدِ فَسُمِّيَ نِزَارَ لِذٰلِكَ

(زرقانی علی المواہب، ص79 ج1، مواہب لدنیہ، ص61 ج1، الروض الانف، 33 ج1، المصباح المضئ، ص 15 ج1، وسیلۃ الاسلام

کہ جب حضرت نزار پیدا ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان دیکھا تو وہ بہت ہی زیادہ خوش ہوئے اور اس خوشی میں احباب کی دعوت کی اور ان کو کھانا کھلا کے کہا۔ اس بچے کی پیدائش کی خوشی میں جو کچھ میں نے کیا ہے وہ تھوڑا ہے اسی وجہ سے آپ کا نام نزار (قلیل) رکھا گیا۔

بالنبی، ص 40 ج 1، سبل الہدیٰ، ص 292
ج 1، منتہی السئول، ص 133 ج 1)

آپ اپنے زمانے کے کبیر العرب مشہور تھے اور لوگ بے حد آپ کی عزت وتوقیر کرتے تھے۔ آپ کی زوجہ محترمہ کا نام سودہ بنت عک بن الریث عدنان تھا مُضر ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت مُضَر (بضم المیم وفتح الضاد المعجمۃ) بن نزار

نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ہی تفویض ہوا آپ کے تین بھائی اور تھے جن کے نام یہ ہیں ایاد، ربیعہ، انمار، آپ اور ایاد دونوں حقیقی بھائی تھے، ربیعہ اور انمار آپ کے علاتی بھائی تھے یعنی ان کی والدہ دوسری تھی، ان کے والد نزار نے بوقت وفات وصیت فرمائی کہ میرے مال میں قبہ ادیم الحمراء (سرخ چمڑے کا خیمہ) اور اس کے مشابہ چیزیں مضر کی ہیں۔ سیاہ خیمہ اور اس کے مشابہ ایاد کے واسطے ہیں، یہ چادر اور اس کے مشابہ انمار کی ہیں، اور فرمایا کہ اگر ان کی تقسیم میں دشواری پیش آئے اور اس کے قبول کرنے میں اختلاف ہو جائے تو افعی الجرہمی راہب کے پاس چلے جانا وہ فیصلہ کر دے گا۔ چناں چہ بوقت تقسیم ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو وہ چاروں افعی الجرہمی کے پاس تصفیہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں چلتے ہوئے مضر کی نظر گھاس پر پڑی، جو کسی جانور کی چری ہوئی تھی، تو اس نے کہا جس اونٹ نے یہ گھاس کھائی ہے وہ کانا ہے۔ ربیعہ نے کہا وہ لنگڑا بھی ہے۔ ایاد نے کہا وہ دُم کٹا بھی ہے۔ انمار نے کہا وہ چُھوٹا ہوا بھی ہے۔ اس گفتگو کے بعد وہ کچھ تھوڑا ہی آگے گئے تھے کہ ان کو ایک آدمی جو تیزی سے اونٹنی کو دوڑاتا ہوا آ رہا تھا ملا اور اس نے اپنے گمشدہ اونٹ کے متعلق دریافت کیا۔ مضر نے اس سے پوچھا: کیا وہ کانا ہے؟

اس نے کہا ہاں، ربیعہ نے پوچھا کیا وہ لنگڑا بھی ہے کہا، ہاں، ایاد نے پوچھا کیا وہ دم کٹا ہے کہا ہاں! انمار نے پوچھا کیا وہ چُھوٹا ہوا ہے اس نے کہا! ہاں بالکل وہی میرا اونٹ ہے بتاؤ وہ کہاں ہے؟

انہوں نے قسم کھا کر کہا ہم نے تیرا اونٹ کہیں نہیں دیکھا، اس نے کہا جب تم نے اس کی علامتیں ٹھیک ٹھیک بتلا دیں تو میں کیسے یقین کر لوں کہ تم نے نہیں دیکھا ہے اور وہ تمہارے پاس نہیں؟ باوجود ان کے بار بار کہنے کے کہ ہم نے تیرا اونٹ نہیں دیکھا اور نہ ہمیں معلوم ہے، اس نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور ان کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ سب نجران میں افعی جرہمی کے پاس پہنچے۔ وہاں پہنچ کر اونٹ والے نے جرہمی سے سارا حال سنا کر درخواست کی کہ میرا اونٹ دلوا دیجئے۔ جرہمی نے ان کے انکار کرنے پر پوچھا کہ جب تم نے اس کا اونٹ نہیں دیکھا، تو تمہیں اس کے اوصاف کیسے معلوم ہوئے۔

مضر نے کہا میں نے اس کا کانا ہونا اس سے معلوم کیا کہ وہ ایک طرف کی گھاس کھاتا گیا ہے اور دوسری طرف کی چھوڑتا گیا ہے۔ ربیعہ نے کہا میں نے اس کے پاؤں کے نشانات سے معلوم کیا کہ وہ لنگڑا ہے کیوں کہ اس کے اگلے ایک پیر کا نشان پورا پڑتا ہوا نظر آتا تھا اور دوسرے کا پورا نظر نہیں آتا تھا۔ ایاد نے کہا میں نے مینگنیوں سے اس کا دم کٹا ہونا معلوم کیا ہے کیوں کہ اس کی مینگنیاں اکٹھی پڑی ہوئی تھیں اگر اس کی دم ہوتی تو اس کی مینگنیاں متفرق گرتیں۔ انمار نے کہا میں نے اس کا چُھوٹا ہوا ہونا اس سے معلوم کیا ہے کہ وہ سر سبز اور گنجان جھاڑیوں کو چھوڑتا ہوا گیا ہے اگر وہ چھوٹا (بھاگا) ہوا نہ ہوتا تو ان سر سبز اور گنجان جھاڑیوں کو چھوڑتا ہوا نہ گزرتا۔

یہ سن کر جرہمی نے اونٹ والے سے کہا کہ تیرا اونٹ ان کے پاس نہیں ہے، جا اس کو تلاش کر! پھر جرہمی نے ان سے ان کے حالات اور آنے کا سبب پوچھا۔ ان کے بتانے پر وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ تم جیسے عقل مندوں کو بھلا میرے فیصلے کی کیا حاجت ہے؟

یہ کہہ کر اس نے کھانے کے لئے کہا، انہوں نے کھانا کھایا اور شراب پی۔ بعد میں مضر نے کہا آج کیا اچھی شراب پی ہے مگر کیا ہی اچھا ہوتا، اگر وہ ایک قبر کے انگوروں سے نہ بنائی گئی ہوتی، ربیعہ نے کہا آج جو گوشت کھایا ہے وہ بڑے ہی مزے کا تھا مگر کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ بکری کتیا کا دودھ پی کر نہ پلی ہوتی۔ ایاد نے کہا۔ ہمارا میزبان کیا اچھا ہے لیکن اے

کاش کہ وہ اپنے باپ کا بیٹا ہوتا۔ انمار نے کہا جو باتیں آج ہم نے سنی ہیں ان سے بہتر کبھی نہیں سنیں۔ ان کی اس گفتگو کو سن کر جرہمی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ اٹھ کر اپنی ماں کے پاس آیا اور اپنے باپ کا حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ میں جس بادشاہ کے نکاح میں تھی اس کی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ مجھے برا معلوم ہوا کہ بادشاہی اس کے گھرانے سے نکل جائے۔ اس لئے میں ایک شخص کے پاس گئی اور اس سے حاملہ ہوگئی۔ پھر اس نے شراب بنانے والے سے شراب کے متعلق پوچھا اس نے کہا، میں نے ایک ڈالی انگور کی تیرے باپ کی قبر پر لگائی تھی، یہ ان انگوروں کی شراب ہے پھر اس نے چرواہے سے بکریوں کے متعلق پوچھا تو چرواہے نے کہا اس بکری کو میں نے کتیا کا دودھ پلایا تھا۔ پھر ان کے پاس آ کر جرہمی نے مضر سے پوچھا کہ آپ کو شراب کی حقیقت کیسے معلوم ہوئی؟ مضر نے کہا کہ اس وجہ سے کہ اس کے پینے سے سخت پیاس لگی تھی۔

پھر اس نے ان سے پوچھا کہ مال کی تقسیم میں تمہارا کیا اختلاف ہے؟

انہوں نے سارا قصہ سنایا۔ جرہمی نے سن کر یہ فیصلہ دیا کہ قبہ حمرا، دینار اور سرخ اونٹ وغیرہ مضر کے ہیں۔ خیمہ سیاہ اور کالے گھوڑے اور خچر وغیرہ ربیعہ کے ہیں۔ بوڑھی خادمہ اور بھیڑ بکری مویشی وغیرہ ایاد کے ہیں۔ زمین اور حمار وغیرہ انمار کے ہیں وہ اس فیصلے پر راضی ہو گئے اور واپس آ گئے (ابن اثیر، ص 12 ج 2، طبری، ص 190 ج 2، اعلام النبوۃ للماوردی، ص 186 ج 1، سبل الہدی، ص 290 ج 1، تاریخ الخمیس، ص 148 ج 1، شرف المصطفیٰ، ص 32 ج 3)

حدٰی (اونٹوں کو گا کر چلانا) مضر ہی کی ایجاد ہے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ وہ اونٹ سے گر گئے اور ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو وہ اس طرح چلائے یا یداہ یا یداہ ہائے میرا ہاتھ ہائے میرا ہاتھ چوں کہ نہایت خوش آواز اور سریلے تھے، ان کی آواز کو سن کر اونٹ چراگاہ سے آ کر ان کے پاس جمع ہوئے اس سے انہوں نے سمجھا کہ اونٹ بھی آواز پر مست ہوتے ہیں، تندرست ہو کر انہوں نے تجربہ کیا اور وہ کامیاب ہوئے۔ چناں چہ ان ہی کا قول ہے۔

حِیْنَئِذٍ بَصْبَصْنَ اِذْ حُدِیْنَ بِالْاَذْنَابِ — جس وقت وہ اونٹنیاں گانا سنتی ہیں تو دُمیں

ہلا ہلا کر مسرور ہوتی ہیں۔ (کامل ابن اثیر، ص14 ج2)

حضرت عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا مُضَرَ فَاِنَّهٗ كَانَ قَدْ اَسْلَمَ مضر کو برا نہ کہو کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

(طبقات ابن سعد، ص35 ج1، معجم ابن عساکر:
612، فضائل الصحابہ للاحمد:1524)

چناں چہ آپ لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے اور دین ابراہیمی پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے رہتے۔ آپ کی زوجہ کا نام رباب بنت حبدہ بن معد بن عدنان ہے، آپ کے دو بیٹے مشہور ہیں عیلان اور الیاس۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الیاس ہی سرفراز ہوئے۔

حضرت الیاس (بکسر الاول او بفتح الاول) بن مضر

سب سے پہلے قربانی کے اونٹ بیت اللہ شریف آپ نے ہی بھیجے ہیں اور جب حج کو تشریف لے جاتے تو كَانَ يَسْمَعُ فِیْ صُلْبِهٖ تَلْبِيَةَ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ اپنے صلب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہنا سنتے تھے (زرقانی علی المواہب، ص78، ج1، مواہب لدنیہ، ص61 ج1، فیض القدیر:2682، تاریخ الخمیس، ص149 ج1، سبل الہدیٰ، ص289 ج1، الحاوی للفتاویٰ ص264 ج2، الروض الانف، ص61 ج1، سیرۃ حلبیہ ص27 ج1)

اہل عرب آپ کی بہت تعظیم کرتے اور سید العرب کہہ کر بلاتے اور اپنی قوم میں آپ سب سے زیادہ خوب صورت، سخی، قابل احترام اور بزرگ سمجھے جاتے تھے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو آپ کی بیوی نے اتنا غم کیا کہ جب تک زندہ رہیں اس جگہ سے نہ اٹھیں جہاں آپ فوت ہوئے تھے اور کبھی سائے میں نہ بیٹھیں۔ لوگ ان کے حزن و غم کی مثال دیا کرتے تھے۔ آپ اپنے والد کی طرح دین ابراہیمی پر قائم تھے اور دوسروں کو قائم رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ امام سہیلی نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَسُبُّوْا اِلْيَاسَ فَاِنَّهٗ كَانَ مُؤْمِنًا۔ کہ الیاس کو برا نہ کہو بلا شبہ وہ مومن تھے۔

(الحاوی للفتاوی، ص424، ج2)

آپ کی بیوی کا نام لیلیٰ خندف بنت حلوان ہے، آپ کے پانچ بیٹے تھے نور محمدی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بڑے بیٹے حضرت مدرکہ کو تفویض ہوا۔آپ بھی دین ابراہیمی پر قائم تھے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مدرکہ (بضم المیم وسکون الدال وکسر االراء) بن الیاس

آپ کا نام عمرو اور لقب مدرکہ تھا۔ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت الیاس اپنے اونٹوں کو لے کر چرانے کے لئے کہیں جارہے تھے۔راستے میں اونٹوں کی نظر ایک خرگوش پر پڑی تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ان کی تلاش کے لئے آپ گئے اور انہیں ڈھونڈ کر واپس لے آئے اس لئے آپ کا لقب مدرکہ (پانے والا) ہو گیا، جو اصل نام پر غالب ہو گیا۔

وَكَانَ فِيهِ نُورُ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَاهِرًا بَيِّنًا (زرقانی علی المواهب ص78 ج1، منتہی السئول، ص132، ج1)

اور آپ کی پیشانی میں نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر و روشن تھا۔

حضرت مدرکہ کے بھی پانچ بیٹے مشہور ہیں۔آپ کی زوجہ کا نام سلمیٰ بنت اسلم ہے۔نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے منتقل ہو کر ان کے بڑے فرزند حضرت خزیمہ کو تفویض ہوا۔

حضرت خزیمہ (بضم الخاء وبفتح الزاء المعجمہ وسکون الیاء تصغیر خزم) بن مدرکہ

آپ کے سات بیٹے تھے، ایک بیٹے کا نام اسد تھا۔اسی وجہ سے آپ کی کنیت ابو الاسد ہوئی۔

وَفِيهِ نُورُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (زرقانی علی المواهب، ص77 ج1)

اور آپ کی پیشانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور چمکتا تھا۔

آپ کے زمانے میں لحی بن حارث قحطانی نے یمن سے مکہ مکرمہ میں آ کر قمعہ بن الیاس بن مضر کی بیٹی خزاعہ سے نکاح کیا جس سے عمرو پیدا ہوا۔یہی وہ بدبخت انسان عمرو بن لحی ہے جس نے عرب میں بت پرستی کو رواج دیا اور پورے عرب کو کفر و شرک میں مبتلا کر دیا۔چناں چہ بڑے بڑے قبائل اس معاملہ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور بڑے بڑے بت نصب کر کے ایک دوسرے پر اظہار فخر کرتے، نتیجہ یہ

نکلا کہ بیت اللہ شریف کو ایک بت خانہ بنا دیا گیا۔ کفر وضلالت کے اس سیلاب نے سوائے چند افراد کے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ان چند افراد میں حضرت خزیمہ بھی تھے۔ چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَاتَ خُزَيْمَةُ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) (زرقانی علی المواہب، ص78 ج1، سبل الہدیٰ، ص287 ج1)

کہ خزیمہ نے دین ابراہیم علیہ السلام پر وفات پائی۔

آپ کی زوجہ کا نام عوانہ بنت سعد ہے اور آپ کے سات بیٹے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے حضرت کنانہ تھے۔ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی کو تفویض ہوا۔

حضرت کنانہ (بکسرا لکاف) بن خزیمہ

آپ کی کنیت ابوالنصر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وُّلْدِ اِبْرَاهِيْمَ اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ بَنِيْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ بَنِيْ كِنَانَةَ قُرَيْشًا وَّاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ (مسلم:2276، ترمذی:3605، مشکوٰۃ:5740، مواہب، ص 115، مصنف ابن ابی شیبہ:31371، مسند احمد:16987، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم:27، الشفاء، ص181، ج1، فیض القدیر:1682، ابن عساکر، ص425، ج8، ص344 ج62، الاساس فی التفسیر، ص 1762، ج 3، سبل الہدیٰ، ص230 ج1، روح المعانی، ص127، ج2، مرقاۃ:5740، کنز العمال:31984)

کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔

ابو عامر عدوانی فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ كِنَانَةَ بْنَ خُزَيْمَةَ شَيْخًا مُّسِنًّا عَظِيْمَ الْقَدْرِ يَحُجُّ اِلَيْهِ الْعَرَبُ لِعِلْمِهٖ وَفَضْلِهٖ بَيْنَهُمْ

(زرقانی علی المواہب، ص 77 ج 1)

کہ میں نے کنانہ بن خزیمہ کو بزرگ بے باک اور عظیم القدر ہستی دیکھا ہے۔ ان کے علم و فضل کی وجہ سے عرب ان کے پاس اکثر آتے جاتے تھے۔

حضرت کنانہ نے حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ علیہم السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ چناں چہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت کنانہ کی عمر اس وقت پندرہ سال کی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شام و فلسطین سے حجاز مقدس تشریف لائے۔ جب حضرت کنانہ سے ملاقات فرمائی بہت خوش ہوئے اور بشارت دی کہ تمہاری پشت مبارک میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے وہ تمہاری اولاد سے ظہور فرمائیں گے اور تمہارا نام ان کے آباء واجداد میں روشن رہے گا۔ آپ کی زوجہ محترمہ کا نام برہ بنت مر ہے۔ آپ کے چودہ بیٹے تھے نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے حضرت نضر کو تفویض ہوا۔

حضرت نضر (بفتح النون وسکون الضاد المعجمۃ) بن کنانہ

آپ کا نام قیس تھا۔ چوں کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے بہت زیادہ حسین و جمیل تھے۔ اس وجہ سے لوگ آپ کو نضر کہا کرتے تھے، کیوں کہ نضر کا معنی تر و تازہ، خوب صورت اور پُر رونق ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾

(المطفّفین)

یعنی جنت کے عیش و عشرت اور اس کی نعمتوں کی تر و تازگی اور رونق ان کے چہروں میں دیکھتے ہی تم پہچان لو گے کہ یہ لوگ عیش و راحت میں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَا تَسُبُّوْا قَيْسًا فَاِنَّهٗ كَانَ مُسْلِمًا قیس کو برا نہ کہو بلاشبہ وہ مسلمان تھے۔

(الحاوی للفتاوی، ص424 ج2)

آپ کی زوجہ کا نام عکرشہ بنت عدوان۔ آپ کے آٹھ بیٹے تھے، نور محمدی ﷺ حضرت مالک کو تفویض ہوا۔

حضرت مالک (بروزن اسم فاعل) بن نضر

آپ کی کنیت ابوالحارث اور نام مالک تھا۔ صاحب تاریخ خمیس فرماتے ہیں کہ

قَالَ الْخَمِيْسُ سُمِّيَ مَالِكًا لِاَنَّهٗ كَانَ مَلِكُ الْعَرَبِ (زرقانی علی المواہب، ص76 ج1، منتھی السئول، ص131 ج1) آپ کا نام مالک اس وجہ سے تھا کہ آپ ملک العرب تھے۔

آپ بڑے سخی اور مہمان نواز تھے۔ آپ کی زوجہ کا نام جندلہ بنت عامر تھا۔ نور محمدی ﷺ آپ کے بڑے فرزند حضرت فہر کو تفویض ہوا۔

حضرت فہر (بکسر الفاء وسکون الہاء) بن مالک

آپ کی کنیت ابو غالب اور لقب قریش تھا اور بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ نے آپ کا نام قریش اور والد نے فہر رکھا تھا۔ قریش، قرش کی تصغیر ہے۔ قرش اس مچھلی کو کہتے ہیں جو پانی کے اندر جانوروں کو اپنے دانتوں سے تلوار کی طرح کاٹ دیتی ہے۔ آپ اور آپ کی اولاد کو قریش قوت و طاقت اور شجاعت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کیوں کہ آپ کا قبیلہ جملہ قبائل سے طاقتور اور بہادر تھا۔ چناں چہ آپ کے زمانے میں حسان حاکم یمن فوج لے کر مکے پر حملہ آور ہوا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کعبہ مکرمہ کو گرا کر اس کے پتھروں کو یمن لے جا کر وہاں کعبہ بنائے۔ حضرت فہر اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے ساتھ مقابلے میں نکلے۔ بڑی سخت لڑائی کے بعد آپ کو فتح اور حسان کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار کیا گیا۔ تین سال قید رکھنے کے بعد آپ نے فدیہ لے کر اس کو چھوڑ دیا اور وہ یمن کو واپس جاتے ہوئے راستے میں مر گیا۔ (کامل ابن اثیر، ص12، ج2)

آپ کو مکہ مکرمہ میں پہلے ہی ایک رئیس اور سردار کی حیثیت حاصل تھی۔ مگر اس عظیم الشان فتح کے بعد آپ کی عظمت وشجاعت اور سیادت کا عرب پر سکہ بیٹھ گیا۔

حضرت ابوعبیدہ عامر امین الامۃ فاتح شام از عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب ان سے ملتا ہے۔

آپ کی زوجہ کا نام لیلیٰ بنت الحارث ہے آپ کے سات بیٹے تھے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بڑے فرزند حضرت غالب کو تفویض ہوا۔

حضرت غالب (بروزن اسم فاعل) بن فہر

آپ کی کنیت ابوتیم اور نام غالب ہے، جو غلب سے مشتق ہے (زرقانی، ص 75 ج 1)

اور شاید حصول غلبہ کی وجہ سے نام غالب ہو۔ آپ بڑے دانا اور عقل مند مانے جاتے تھے، لوگ بڑے اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے۔ آپ کی زوجہ کا نام عاتکہ بنت یخلد ہے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے فرزند حضرت لوئی کو تفویض ہوا۔

حضرت لوئی (بضم اللام والهمزة) بن غالب

آپ کی کنیت ابوکعب اور نام لوئی ہے۔ امام اللغۃ اصمعی فرماتے ہیں کہ لوئی لواء الجیش کی تصغیر ہے۔ (زرقانی، ص 75 ج 1)

اور شاید آپ کا یہ نام اس لئے ہو کہ آپ اپنی قوم میں صاحبِ لواء (علم بردار) ہوں۔

آپ کی زوجہ کا نام مادیہ بنت کعب ہے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بڑے فرزند حضرت کعب کو تفویض ہوا۔

حضرت کعب (بفتح الکاف وسکون العین) بن لوئی

کعب کا معنی ہے بلند و مرتفع، بزرگی و شرف، آپ اپنے نام کے موافق اپنی قوم میں اشرف واعلیٰ تھے۔ جمعہ کے دن لوگوں کو جمع کر کے وعظ و نصیحت کرنا آپ ہی کی ایجاد ہے۔

آپ جمعہ کے دن قریش کو جمع کر کے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث

ہونے کا ذکر فرماتے اور قریش کو بتاتے، وہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری اولاد میں سے ہوں گے، آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیتے اور چند اشعار پڑھتے جن میں سے ایک یہ ہے ۔

يَا لَيْتَنِیْ شَاهِدٌ فَحوَاءَ دَعْوَتُهٗ   ذَا قُرَيْشٍ تَبْغِی الْحَقَّ خُذْلَانَا

اے کاش میں اس وقت حاضر ہوتا جس وقت آپ لوگوں کو دعوت حق دیں گے اور لوگ حق کو ذلیل کرنے کی خواہش کریں گے۔

(زرقانی علی المواہب، ص75 ج1، الحاوی للفتاوی، ص424 ج1، دلائل النبوۃ ابونعیم:46، اعلام النبوۃ، ص173 ج1، الروض الانف، ص52 ج1، مواہب لدنیہ، ص60 ج1، سبل الہدیٰ، ص279 ج1)

اور یہ دو شعر بھی آپ ہی کے ہیں:

نَهَارٌ وَّ لَيْلٌ كُلُّ يَوْمٍ بِحَادِثٍ   سَوَآءٌ عَلَيْنَا لَيْلُهَا وَنَهَارُ هَا

زمانہ کے لیل و نہار کی انتہا و آخر فنا ہے   اور ہم پر برابر ہیں اس کی راتیں اور اس کے دن

عَلٰی غَفْلَتِهَا يَأْتِی النَّبِیُّ مُحَمَّدٌ   فَيُخْبِرُ اَخْبَارًا صَدُوْقًا خَبِيْرُهَا

جب زمانہ کے لوگ غفلت میں ہوں گے (اس وقت اللہ کے) نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائیں گے تو آپ سچی خبریں دیں گے اور زمانہ کے سچے خبیر ہوں گے۔

(مراۃ العالم، ص205 ج1، سیرۃ حلبیہ، ص25 ج1)

آپ کو عربوں میں بڑی قدر و عظمت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے آپ کی تاریخ وفات کو اپنا سنہ قرار دے لیا تھا اور عام الفیل تک اسی سے تاریخ بیان کرتے تھے پھر عام الفیل سے تاریخ بیان کرنے لگے۔ (کامل ابن اثیر، ص11 ج1)

آپ کی زوجہ کا نام مخشبہ بنت شیبان ہے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے فرزند حضرت مرہ کو تفویض ہوا۔

حضرت عمر فاروق، حضرت سعید از عشرہ مبشرہ، حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر، حضرت عثمان بن مظعون جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سلسلہ آپ ہی سے جا ملتا ہے۔

حضرت مرہ (بضم المیم) بن کعب

آپ کی کنیت ابو یقظہ اور نام مرہ ہے، اگر یہ مرارہ سے مشتق ہو تو اس کا معنی ہوں گے کڑوا (اَلْحَقُّ مُرٌّ) اور ۃ مبالغہ کی ہوگی اور اگر یہ مرہ سے مشتق ہو تو اس کے معنی قوت کے ہوں گے (ذُوْمِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰی) اور ۃ تانیث کی ہوگی۔ دونوں صورتوں میں قوت و طاقت کا مفہوم نکلتا ہے۔

آپ کی زوجہ کا نام ہند بنت سُریر ہے۔ آپ کے تین بیٹے تھے۔ کلاب، تیم، یقظہ۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلاب کو تفویض ہوا۔ یقظہ کے بیٹے مخزوم ہیں۔ جن کی اولاد بنی مخزوم کہلائی، سیف اللہ حضرت خالد بن ولید و ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا سلسلہ نسب بھی چھٹی پشت میں ان ہی سے ملتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت طلحہ (از عشرۃ مبشرہ) رضی اللہ عنہما کا سلسلہ نسب تیم بن مرہ سے چھٹی پشت میں جا ملتا ہے۔

حضرت کلاب (بکسرا الکاف) بن مرہ

آپ کا نام حکیم اور کنیت ابو زہرہ ہے۔ کلاب جمع کلب کی ہے۔ وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ اہل عرب اپنے فرزندوں کے نام درندوں کے ناموں پر کلب، ذئب، اسد وغیرہ رکھتے تھے کہ وہ بہادر ہوں اور دشمنوں کے لئے شیروں اور بھیڑیوں کی طرح ثابت ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے بہت سے شکاری کتے محبت سے پال رکھے تھے۔ اس وجہ سے آپ کا نام ہی کلاب مشہور ہو گیا۔ (زرقانی علی المواہب، ص 74 ج 1)

ایک شاعر ان کی مدح میں کہتا ہے:

حَکِیْمُ بْنُ مُرَّةَ سَاوَی الْوَرٰی بِبَذْلِ النَّوَالِ وَکَفِّ الْاَذٰی

حکیم بن مرہ نے بخشش کو عام کر کے اور اذیت کو روک کر مخلوق کے درمیان برابری و مساوات قائم کر دی۔

رِبَاحُ الْعَشِیْرَةِ اَفْضَالُهٗ وَجَنَّبَهَا طَارِقَاتِ الرَّدٰی

اپنے کنبے کو فائدہ پہنچانا اور ہلاک کرنے والی مصیبتوں سے بچانا تو اس کے افضال

سے ہے۔

آپ کی زوجہ کا نام فاطمہ بنت سعد ہے۔ آپ کے دو بیٹے تھے زہرہ اور قصی، نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے منتقل ہو کر آپ کے فرزند حضرت قصی کو تفویض ہوا۔

حضرت قصی (بضم القاف تصغیر قصیٰ) بن کلاب

آپ کا اصلی نام زید اور کنیت ابو المغیرہ اور لقب الجمع ہے۔ قصی کا معنی ہے (دور رہنے والا) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی قوم سے دور رہے تھے، وہ اس طرح کہ ابھی آپ اپنی ماں کی گود میں ہی تھے کہ آپ کے والد کلاب کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت سعد بن سہیل نے ربیعہ بن حزام سے دوسرا نکاح کر لیا۔ ربیعہ کا قبیلہ ملک شام کی سرحد پر سکونت پذیر تھا۔ اسی لئے آپ کو اور آپ کی والدہ کو ربیعہ کے ساتھ جا کر وہیں رہنا پڑا۔ چناں چہ آپ نے اپنی والدہ کے پاس ہی پرورش پائی۔ آپ اپنے آپ کو ربیعہ ہی کا بیٹا سمجھتے تھے۔ کیوں کہ آپ کو معلوم نہ تھا کہ میرا باپ کوئی اور ہے۔ جب جوان ہوئے تو ایک دن ربیعہ کے خاندان کے ایک شخص رفیع سے تیر اندازی میں آپ کا مقابلہ ہوا۔ مقابلے میں آپ کو فتح ہوئی۔ رفیع نے از راہ حسد آپ سے عداوت شروع کر دی اور ایک دن باتوں باتوں میں کہا تو ہم میں سے تو ہے ہی نہیں، پھر ہم میں کیوں رہتا ہے؟ جا اپنی قوم کے پاس جا کر رہ! یہ سن کر آپ اپنی والدہ کے پاس آئے اور پوچھا کہ میرے والد کون ہیں؟

آپ کی والدہ نے بتایا کہ بیٹا تم ربیعہ کے نہیں، بلکہ کلاب ابن مرہ کے بیٹے ہو اور تمہاری قوم اس قوم کے مقابلے میں ہر لحاظ سے افضل و اشرف ہے جو مکہ معظمہ بیت الحرام کے پاس رہتی ہے۔ اور تمہارا حقیقی بڑا بھائی زہرہ بھی وہیں رہتا ہے۔ اس کے بعد آپ کو مکہ میں اپنی قوم اور اپنے بھائی کے پاس آ کر رہنے کا بہت زیادہ شوق پیدا ہو گیا تھا۔ چناں چہ قافلہ حجاج کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ اپنے بھائی کے پاس آ گئے۔ آپ کے آنے سے آپ کے بھائی بہت خوش ہوئے اور جائیداد تقسیم کر کے دے دی۔ چوں کہ آپ بہت خوب صورت اور شریف تھے اس لئے حلیل بن حبشیہ الخزاعی سردار مکہ نے اپنی بیٹی حبی کا نکاح آپ سے

کردیا اور بہت سامال وغیرہ جہیز میں دیا۔

آپ کے ہاں یکے بعد دیگرے چار بیٹے عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزی، عبدبن قصی پیدا ہوئے اور مال و دولت میں بھی اضافہ ہوا۔ جس کی وجہ سے آپ کی عزت وعظمت اور زیادہ ہوگئی۔ آپ کے خسر حلیل سردار مکہ کے جب مرنے کا وقت آیا تو اس نے بیت اللہ شریف کی تولیت کا حق تو اپنی بیٹی حبی کو عطا کیا اور بیت اللہ کے دروازے کھولنے اور بند کرنے کا کام اپنے بیٹے المحترش جن کی کنیت ابوغبشان ہے، کے سپرد کر دیا۔ حلیل کے مر جانے کے بعد ابوغبشان نے ایک یا چند اونٹ اور ایک شراب کی بوتل کے عوض اپنا عہدہ یعنی بیت اللہ شریف کا کھولنا اور بند کرنا حضرت قصی (اپنے بہنوئی) کو فروخت کر دیا، اس طرح قصی کا قبضہ بیت اللہ شریف پر بھی ہو گیا اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ حلیل سردار مکہ نے بوقت وفات بیت اللہ شریف کی تولیت کا حق آپ کو ہی دے دیا تھا اور فرمایا تھا کہ بنی خزاعہ سے یہ زیادہ حق دار ہیں (طبقات ابن سعد، ص 37 ج 1، کامل ابن اثیر، ص 9 ج 2)

بنی خزاعہ نے جب یہ دیکھا کہ بیت اللہ کی تولیت ہمارے ہاتھ سے گئی اور ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہو رہا ہے، تو ہوس اقتدار نے ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آخر وہ آپ سے لڑنے پر آمادہ ہوئے آپ بھی اپنی قوم کے ساتھ مقابلے کے لئے تیار ہو گئے چناں چہ سخت لڑائی ہوئی اور فریقین کے بہت سے آدمی قتل اور مجروح ہوئے، پھر فریقین نے عمرو بن عوف کو (جو کنانہ کی اولاد میں سے تھے) اپنا حکم مقرر کر کے ان کے فیصلے پر راضی ہونے کا عہد کر لیا، انہوں نے تحقیق کے بعد فیصلہ آپ یعنی قصی کے حق میں دے دیا۔ اور فرمایا کہ مکہ کی ولایت کے لئے قصی، خزاعہ سے اولیٰ ہیں اور آپس میں کشت وخون جو ہوا تھا، وہ معاف کرا کے صلح کرادی۔ پھر آپ بیت اللہ شریف کے والی اور امیر مکہ ہو گئے۔ کعب بن لوئی کی اولاد میں آپ ہی پہلے شخص ہیں جو بیت اللہ شریف کے متولی اور امیر مکہ مقرر ہوئے۔ امیر مکہ ہونے کے بعد آپ نے اپنی قوم کو، جو مختلف مقامات پر آباد تھی، طلب کیا اور مکہ میں آباد ہونے کی ترغیب دی، اس وقت آپ کی قوم کی اگرچہ چند شاخیں ہوگئی تھیں مگر آپ کی کوشش

سے وہ سب مکہ میں آ کر آباد ہوگئی اور آپ کی عزت وعظمت سارے ملک میں مسلم ہوگئی۔
(کامل ابن اثیر،ص9ج2،سیرت ابن ہشام،ص331ج1)

شاعر کہتا ہے:

اَبُوْکُمْ قُصَیٌّ کَانَ یُدْعٰی مُجَمَّعًا بِہٖ جَمَعَ اللہُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِھْرٖ

تمہارے ہی باپ ہیں قصی بن کلاب جنہیں مجمع کہا جاتا ہے کیوں کہ انہیں کے سبب سے اللہ نے قبائلِ فہر کو یک جا کر دیا تھا۔

پھر آپ نے اپنی قوم کو ایک دن جمع کر کے فرمایا کہ تم خدا کے پڑوسی اور اس کے گھر کے متولی ہو اور حجاج، خدا کے مہمان اور اس کے زائرین ہیں، اس لئے وہ دوسرے مہمانوں سے زیادہ تمہاری میزبانی کے مستحق ہیں، تمہیں چاہیے کہ ایام حج میں ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا کرو! قوم نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور اپنی خدمات پیش کیں۔ چناں چہ ہر سال ایام حج میں حجاج کو کھانا وغیرہ کھلایا جاتا۔ پھر آپ نے ایک دارالندوہ (مشورہ گھر) بنایا، تمام کاموں کے متعلق تدابیر اور نکاح اور دیگر تقاریب کی مراسم اسی مکان میں ہوتیں اور لڑائی کے لئے جھنڈا وغیرہ بھی یہیں تیار ہوتا (سیرت ابن ہشام،ص131ج1)

سب سے پہلے مزدلفہ پر آپ ہی نے روشنی کی تاکہ لوگوں کو عرفات سے نظر آئے۔
(طبقات ابن سعد،ص41ج1)

آپ کے بڑے بیٹے عبدالدار، حسن وجمال اور شرافت میں اپنے بھائیوں کے ہم پایہ نہ تھے۔ آپ نے اپنی آخری عمر میں حرم شریف کے تمام مناصب عبدالدار کے سپرد کر کے فرمایا کہ میں نے تمہیں ان کے برابر کر دیا۔ (طبقات ابن سعد،ص41ج1)

آپ کی وفات پر آپ کی بیٹی تخمر نے یہ اشعار کہے:

طَرَقَ النَّعِیُّ بِعَبْدَ نَوْمِ الْھُجَّدِ فَنَعٰی قُصَیًّا ذَا النَّدَیٰ وَالسُّوْدَدِ

رات کے وقت لوگ سو رہے تھے کہ کسی موت کی خبر دینے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا اور قصی کی موت کی خبر سنائی جو فیاض اور سخی اور سردار ورہبر قوم تھے۔

فَنَعَی الْمُهَذَّبَ مِنْ لُؤَیّ کُلِّهَا فَانْهَلَّ دَمْعِیْ کَالْجُمَانِ الْمُفْرَدِ

وہ ایسے شخص کی موت کی خبر لایا جو تمام خاندان لوئی میں سب سے زیادہ مہذب تھا خبر موت سن کر میرے آنسو اس طرح چلنے لگے جیسے موتی کی لڑی۔

فَاَرِقْتُ مِنْ حُزْنٍ وَهَمٍّ دَاخِلٍ اَرَقَ السَّلِیْمِ لِوَجْدِهٖ الْمُتَفَقَّدِ

اس موت کے صدمے اور رنج وغم سے میری نیند جاتی رہی اور اب میری حالت اس جیسی ہے جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو۔(طبقات ابن سعد،ص 73 ج 1)

نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے منتقل ہو کر آپ کے فرزند حضرت عبد مناف میں آیا۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ وحضرت زبیر حواری وصحابی از عشرہ مبشرہ وحضرت آمنہ والدہ ماجدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رضی اللہ عنہم عبد العزیٰ بن قصی کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت عبد مناف (بفتح المیم وخفتہ النون) بن قصی

آپ کا نام مغیرہ اور کنیت ابو عبد شمس اور لقب عبد مناف ہے، مناف انافتہ سے ہے جس کے معنی ہیں بلند ہونا، نمایاں ہونا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرافت وزیادتی کے معنی میں ہے۔لہٰذا عبد مناف کا مطلب یہ ہوگا کہ ممتاز، بلند اور شریف بندہ۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ نے آپ کو بہت بڑے بت جسے منات (اور مناف بھی) کہا کرتے تھے کہ سامنے لا کر ڈال دیا تھا۔اس وجہ سے آپ کا نام ہی عبد مناف مشہور ہو گیا۔

وَقَالَ الْوَاقِدِیُّ وَکَانَ فِیْهِ نُوْرُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اور واقدی نے فرمایا ہے کہ آپ کی پیشانی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور تھا۔

(زرقانی علی المواہب،ص 73 ج 1)

اسی نور کی وجہ سے آپ اتنے حسین وجمیل تھے کہ لوگ آپ کو قمر البطحا (وادی مکہ کا چاند) کہہ کر پکارتے تھے، آپ قریش کے مطاع تھے، ان کو خدا سے ڈرنے اور نیکی کرنے کی تلقین فرمایا کرتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی شاعر کے اشعار پڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائے، آپ سن کر متبسم و مسرور ہوئے، وہ اشعار یہ ہیں۔

یَا اَیُّھَا الرَّجُلُ الْمُحَوِّلُ رِحْلَهٗ اَلَّا نَزَلْتَ بِاٰلِ عَبْدِ مَنَافٖ

اے غریب الوطن گٹھڑی اٹھا کر لے جانے والے قحط زدہ مسافر! تو عبد مناف کی اولاد کے ہاں کیوں نہ جا اترا۔

ھَبَلَتْكَ اُمُّكَ لَوْ نَزَلْتَ بِرَحْلِهِمْ مَنَعُوْكَ مِنْ عَدَمٍ وَّمِنْ اَقْوَافٖ

تیری ماں تجھ کو گم کرے اگر تو وہاں چلا جاتا تو وہ تیری ناداری اور تنگ دستی کو دور کر کے تجھے محنت و مشقت سے بھی مستغنی کر دیتے۔

اَلْخَالِطِيْنَ غَنِيُّهُمْ بِفَقِيْرِهِمْ حَتّٰى يَعُوْدَ فَقِيْرُهُمْ كَالْكَافٖ

وہ تو امیر غریب سے یکساں طور پر میل ملاپ کرتے ہیں یہاں تک کہ فقیر وہاں سے مستغنی ہو کر واپس آتا ہے۔ (سیرت حلبیہ، ص 8 ج 1، ابن ہشام، ص 178 ج 1، معجم الشعراء، ص 375 ج 1، الروض الانف، ص 135 ج 2، اعلام النبوۃ، ص 192 ج 1، شرف المصطفیٰ، ص 11 ج 3)

چوں کہ آپ کے والد قصی نے مکہ کا اقتدار آپ کے بڑے بھائی عبد الدار کو سونپ دیا تھا۔ اس وقت قصی کی ہیبت کی وجہ سے کسی نے اعتراض نہ کیا تھا۔ قصی کی وفات کے بعد دونوں بھائیوں عبد الدار اور عبد مناف کی بھی وفات ہوگئی۔ ان کی وفات کے بعد عبد مناف کے بیٹوں ہاشم، عبد شمس، مطلب، نوفل نے اپنا استحقاق ظاہر کر کے کہا کہ اقتدار ہمارا حق ہے، اس پر قریش میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ فریقین سخت لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ آخر اس بات پر صلح ہوگئی کہ سقایت و افادۃ (حجاج کو آب زمزم پلانا، اور کھانے وغیرہ کا انتظام کرنا) اور قیادت بنی عبد مناف کو دی جائے اور حجابۃ ولواء (خانہ کعبہ کی دربانی اور علم جنگ بلند کرنا) اور دار الندوہ بدستور بنی عبد الدار کے پاس رہے۔ چناں چہ بنی عبد مناف میں ہاشم سب سے بڑے تھے۔ سقایت وافادت اور قیادت ان کو ملی اور انہوں نے اپنے فرائض نہایت احسن طریقے سے انجام دیئے۔

(سیرت ابن ہشام، ص 145 ج 1، طبقات ابن سعد، ص 44 ج 1)

آپ کی زوجہ کا نام عاتکہ بنت مرو ہے۔ آپ کے چار بیٹے نوفل، المطلب، عبدالشمّس اور ہاشم تھے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ہاشم کو تفویض ہوا۔

عبدالشمّس کے سات بیٹے تھے۔ ایک بیٹے کا نام امیہ تھا۔ جس کی اولاد بنو امیہ کہلائی۔ حضرت عثمان غنی و حضرت امیر معاویہ و ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہم اسی خاندان سے تھے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نوفل کی اولاد سے اور حضرت مسطح بدری رضی اللہ عنہ و حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ المطلب کی اولاد سے ہیں۔

حضرت ہاشم (بروزن اسم فاعل) بن عبد مناف

آپ کا نام عمرو اور لقب علو مرتبہ کی وجہ سے عمرو العلا ہے، ہاشم کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اہل مکہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے۔ آپ ملک شام میں گئے اور وہاں سے بہت زیادہ مقدار میں خشک روٹیاں خرید کر لائے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اونٹ کے گوشت کے شوربے میں ڈال کر ثرید بنایا اور اہل مکہ کو پیٹ بھر کر کھلایا، اس دن سے آپ کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ چورہ کرنے والا) کہنے لگے کیوں کہ ہشم کے معنی ہیں توڑنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ چناں چہ وہب بن عبد قصی فرماتے ہیں:

تَحَمَّلَ هَاشِمٌ مَّا ضَاقَ عَنْهُ وَاَعْيَا اَنْ يَّقُوْمَ بِهِ ابْنُ بِيْضٍ

ہاشم نے اپنی قوم کے لئے وہ بوجھ اٹھالیا، جس کے برداشت کرنے اور اٹھا کر کھڑے ہونے سے بڑے بڑے بہادر اور شریف انسان بھی تنگ آ گئے تھے۔

اَتَاهُمْ بِالْغَرَآئِرِ مُتَاَقَاتٍ مِنْ اَرْضِ الشَّامِ بِالْبُرِّ النَّفِيْضِ

وہ اپنی قوم کے لئے ملک شام سے عمدہ گیہوں کی روٹیوں کی بوریاں بھر کر لائے۔ جن کے سب مشتاق تھے۔

فَاَوْسَعَ اَهْلَ مَكَّةَ مِنْ هَشِيْمٍ وَ شَابَ الْخُبْزَ بِاللَّحْمِ الْغَرِيْضِ

پھر انہوں نے بڑی وسعت و فراخی کے ساتھ روٹیاں توڑیں اور گوشت کے ساتھ ان کو

نرم اور تروتازہ کر کے اہل مکہ کو پیش کیں (طبقات ابن سعد،ص76ج1)

آپ اپنی قوم میں نہایت مکرم و معظم سمجھے جاتے تھے، مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت دسترخوان بچھا رہتا تھا۔

وَكَانَ نُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ يَتَوَقَّدُ شُعَاعُهٗ وَيَتَلَأْلَأُ ضِيَاءُهٗ وَلَا يَرَاهُ حِبْرٌ اِلَّا قَبَّلَ يَدَهٗ وَلَا يَمُرُّ بِشَيْئٍ اِلَّا سَجَدَ اِلَيْهِ

(زرقانی علی المواہب،ص73ج1،تاریخ الخمیس، ص157ج1، منتھی السئول،ص128ج1)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور جو، ان کے چہرہ میں تھا، اس کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ اور اس کی ضیائیں چمکتی تھیں اور جو عالم بھی آپ کو دیکھتا وہ آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا اور جس چیز پر آپ کا گزر ہوتا وہ آپ کو سجدہ کرتی۔

اور اسی وجہ سے عرب کے قبائل اور احبار کے وفود آپ کے پاس آتے اور اپنی لڑکیاں پیش کرتے کہ آپ ان سے نکاح کر لیں۔ یہاں تک کہ بادشاہ روم ہرقل نے آپ کو پیغام بھیجا کہ مجھے آپ کی عظمتوں اور کرامتوں کا حال معلوم ہوا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہاں آجائیں تو میں اپنی لڑکی جس سے بڑھ کر دنیا کی عورتوں میں کوئی حسین و جمیل نہیں، آپ سے بیاہ دوں۔ یہ اس لئے کہ آپ کی پیشانی میں وہ نور مصطفیٰ ہے جس کی صفت ہم انجیل میں پاتے ہیں مگر آپ نے سب کو انکار کر دیا (زرقانی علی المواہب،ص73ج1)

ایک مرتبہ آپ بغرض تجارت ملک شام جاتے ہوئے مدینہ منورہ میں بنوعدی بن نجار میں سے ایک شخص عمرو بن زید خزرجی کے ہاں ٹھہرے، اس کی صاحبزادی سلمیٰ حسن و جمال، صورت و سیرت میں اپنی قوم کی تمام عورتوں میں ممتاز تھی۔ آپ کی شادی اس سے کر دی گئی مگر عمرو نے آپ سے یہ عہد لے لیا تھا کہ سلمیٰ جو اولاد جنے گی وہ اپنے میکے میں جنے گی۔ شادی کے بعد آپ شام کو چلے گئے واپسی میں سلمے کو اپنے ساتھ مکّہ میں لے آئے۔ ایک مرتبہ بچے کی پیدائش کے وقت آپ سلمیٰ کو مدینے میں اس کے والدین کے پاس چھوڑ کر شام کو چلے گئے اور وہیں غزہ میں انتقال فرما گئے اور وہیں دفن ہوئے آپ کی وفات کے بعد

حضرت عبد المطلب پیدا ہوئے (کامل ابن اثیر، ص 5 ج 2)

آپ کی وفات پر آپ کی بیٹی شفا نے یہ اشعار کہے:

عَیْنِ جُوْدِیْ بِعِبْرَةٍ وَّ سُجُوْمٍ وَاسْفِحِی الدَّمْعَ لِلْجَوَّادِ الْکَرِیْمِ

اے آنکھ اشک بار ہو اور۔ فیاض و کریم بزرگ کے لئے آنسو بہا۔

ھَاشِمِ الْخَیْرِ ذِی الْجَلَالَةِ وَالْمَجْدِ وَذِی الْبَاعِ وَالنَّدیٰ وَالصَّمِیْمِ

وہ ہاشم جو صاحبِ خیر و خوبی وجاہ و جلال تھا۔ اور قوت و حوصلے والا فیاض اور مخلص تھا۔

نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے منتقل ہو کر حضرت عبد المطلب میں آیا۔

(طبقات، ص 66، ج 1، شرف المصطفیٰ، ص 18، ج 3)

حضرت فاطمہ بنت اسد (والدہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ) آپ کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت عبد المطلب بن ہاشم

آپ کا نام شیبۃ الحمد، کنیت ابو الحارث ہے۔ شیبہ (سفید بالوں والا) یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ جب آپ پیدا ہوئے تھے تو آپ کے سر میں کچھ بال سفید تھے۔ عبد المطلب نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنے ننھیال (مدینہ) میں پیدا ہوئے تھے، چوں کہ والد کا پیدائش سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے اپنی والدہ کے پاس ہی رہے تھے۔ ایک دن آپ مدینہ کے بچوں کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے کہ ایک شخص کا (جو عبد مناف کی اولاد میں سے تھا) کہیں اس طرف سے گزر ہوا وہ بھی کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ آپ جب تیر نشانے پر مارتے تو فرماتے میں ابن ہاشم سید البطحا ہوں۔ اس شخص نے آپ کو بلا کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ فرمایا میں شیبہ بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔ اس شخص نے مکہ پہنچ کر مطلب بن عبد مناف کو کہا کہ میں نے تمہارے بھتیجے کو مدینہ میں دیکھا ہے اور تعریف کر کے کہنے لگا کہ ایسا لڑکا چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ لے آنا چاہیے، مطلب اسی وقت تیار ہو کر مدینہ پہنچ گئے۔ اور واپسی پر آپ کو اپنے ساتھ لے آئے اور آتے ہوئے آپ کی والدہ کو اس وجہ سے

اطلاع نہ دی کہ کہیں وہ بھیجنے سے انکار نہ کر دے۔ چناں چہ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، سات آٹھ سال کی عمر تھی۔ پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اسی حالت میں مطّلب نے آپ کو پکڑ کر اپنی سواری کے پیچھے بٹھا لیا اور بعض کہتے ہیں کہ ماں کی اجازت سے لائے تھے۔ جب سفر طے کر کے دن کے وقت مکے میں داخل ہوئے تو لوگوں نے ایک نئے لڑکے کو پیچھے بیٹھا دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو مطّلب نے شرم کی وجہ سے کہہ دیا کہ یہ میرا عبد (غلام) ہے (کیوں کہ ان کا لباس پھٹا پرانا اور دھوپ وسفر کی وجہ سے چہرہ متغیر تھا) چناں چہ لوگ آپ کو عبد المطلب کہنے لگے اور یہ نام آپ کے اصلی نام پر غالب آ گیا۔ مطلب نے آپ کو اپنے بیٹوں سے بڑھ کر پیار ومحبت سے پالا اور تربیت کی، جب آپ کے حالات درست ہو گئے تو مطلب نے لوگوں کو بتایا کہ یہ میرا برادرزادہ ابن ہاشم ہے۔

(کامل ابن اثیر، ص5 ج2، سیرۃ حلبیہ، ص12 ج1، تاریخ طبری، ص247 ج2، المنتظم، ص205 ج2، سبل الہدیٰ، ص262 ج1، تاریخ الخمیس، ص158 ج1)

آپ کے چچا مطلب نے آپ کو آپ کے والد کی جتنی جائیداد تھی وہ سب دے دی چوں کہ آپ کے والد ہاشم سردار مکہ تھے لہٰذا ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ آپ کے چچا نے سنبھال لی تھی۔ (کامل ابن اثیر، ص5 ج2)

جب آپ پورے جوان ہو گئے تو ایک دن حطیم میں سو گئے۔ جب اٹھے تو اپنی حالت دیکھ کر بہت متحیر ہوئے کہ حسن و جمال کا حلّہ پہنے ہوئے سر میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ آپ کے ساتھ کس نے کیا ہے۔ آپ نے آ کر اپنے چچا مطّلب کو یہ ماجرا سنایا وہ آپ کو قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا واقعہ بیان کیا، کاہنوں نے سن کر کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اس نوجوان کو نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔ مطلب نے آپ کا نکاح صفیہ بنت جندب سے کر دیا، ان سے حارث پیدا ہوئے۔ پھر وہ مر گئیں۔ ان کے بعد آپ کی دوسری شادی فاطمہ بنت عمرو سے ہوئی، انہیں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ پیدا ہوئے تھے۔ ویسے آپ نے پانچ شادیاں کی ہیں۔

مطّلب کی وفات کے بعد مکہ کی سرداری اور سقایت وافادیت آپ کو ہی ملی تھی۔

آپ کی نفاست وطہارت کا یہ عالم تھا:

وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ الْاَذْفَرِ وَكَانَ نُورُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضِيئُ فِيْ غُرَّتِهٖ وَكَانَتْ قُرَيْشٌ اِذَا اَصَابَهَا قَحْطٌ شَدِيْدٌ فَاَخَذَ بِيَدِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَتَخْرُجُ بِهٖ اِلٰى جَبَلِ ثُبَيْرٍ فَيَتَقَرَّبُوْنَ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْئَلُوْنَهٗ اَنْ يَّسْتَهِيْهُمُ الْغَيْثَ وَكَانَ يُغِيْثُهُمْ بِبَرَكَةِ نُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْثًا عَظِيْمًا۔

(مواہب لدنیہ، ص 36 ج 1، زرقانی علی المواہب، ص52 ج1)

کہ آپ کے جسم سے خالص کستوری کی خوش بو آتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور آپ کی پیشانی میں چمکتا تھا۔قریش سخت قحط کی حالت میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر کوہ ثبیر پر لے جاتے اور آپ کے ذریعے سے تقرب چاہتے اور آپ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی فریاد رسی فرماتا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی برکت سے ان کو باران عظیم سے سیراب فرماتا۔

اور اسی نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی برکت تھی کہ آپ نہایت شریف اور پاکیزہ تھے اور لوگ آپ کو سید القریش اور اشرف القریش کہہ کر پکارتے تھے۔اور بڑے بڑے لوگ آپ کا چہرہ دیکھتے ہی ہیبت میں آجاتے اور تعظیم وتکریم کرتے، چناں چہ واقعہ اصحاب فیل اس پر شاہد ہے جو بطور اختصار یوں ہے:

ابرہہ بن صباح نے (جو نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے گورنر یمن تھا) موسم حج میں لوگوں کو حج کے لئے شان وشوکت سے تیاری کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جاتے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ مکہ میں بیت اللہ کا حج کرنے جاتے ہیں۔اس نے کہا بیت اللہ کیا ہے؟ لوگوں نے اسے بتایا کہ وہ پتھروں کی ایک عمارت ہے جس کا وہاں جا کر طواف کرتے ہیں۔اس نے بھی شہر صنعا میں ایک عظیم الشان کنیسہ (گرجا) کی بنیاد رکھی اور اعلیٰ

درجے کے رنگ برنگے پتھر لگا کر سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے مزین کر کے نہایت خوب صورت کنیسہ (گرجا) بنوایا۔ ارد گرد انواع و اقسام کے پودے لگوائے اور نجاشی شاہ حبشہ کو لکھا کہ میں نے آپ کے نام سے ایک خوب صورت اور بے نظیر کنیسہ بنوایا ہے اور کوشش کر رہا ہوں کہ آئندہ تمام دنیا کے لوگ مکّہ کے بیت اللہ کو چھوڑ کر اس کنیسہ کا حج وطواف کیا کریں، اس سے دین مسیحی کو تقویت بھی پہنچے گی اور آمدنی بھی ہوگی اور آپ کا نام بھی روشن رہے گا۔ جب یہ خبر عرب بھر میں مشہور ہوئی تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص غضب ناک ہو کر وہاں پہنچا اور اس کنیسہ کے اندر جا کر بول و براز کر کے واپس آ گیا۔ ابرہہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے سخت غضب ناک ہو کر قسم کھائی کہ جب تک کعبے کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ اس نے نجاشی کو حالات لکھ کر کثیر فوج اور مست ہاتھی کو جس کا نام محمود تھا منگوایا، چناں چہ ساٹھ ہزار اور بقول بعض ایک لاکھ فوج اور بارہ ہاتھی لے کر اس نے چڑھائی کی اور مکّہ سے دو میل کے فاصلے پر مقام مغمس میں اترا اور ایک سردار کو حکم دیا کہ اہل مکہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے وہ فوج کے ایک دستے کے ساتھ آیا اور قریش کی بھیڑ بکریاں اور بہت سے اونٹ ہانک کر لے گیا، جن میں دو سو اونٹ حضرت عبدالمطلب کے تھے۔ پھر ابرہہ نے حناطہ حمیری کو سردارانِ مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو اطلاع کرو کہ بادشاہ تم سے لڑنے کو نہیں بلکہ کعبہ کو گرانے کے لئے آیا ہے، اگر تم نے اس کو روکا یا مزاحمت کی تو لڑائی ہوگی اور بری طرح مارے جاؤ گے۔ چناں چہ حناطہ آیا اور آ کر اہل مکہ سے ملا اور پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگ اس کو عبدالمطلب کے پاس لے آئے۔

فَلَمَّا نَظَرَ اِلٰی وَجْهِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ خَضَعَ وَ تَلَجْلَجَ لِسَانُهٗ وَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَكَانَ يَخُوْرُ كَمَا يَخُوْرُ الثَّوْرُ عِنْدَ ذَبْحِهٖ فَلَمَّا اَفَاقَ خَرَّ سَاجِدًا لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ سَيِّدُ قُرَيْشٍ حَقًّا۔

جب اس نے عبدالمطلب کے چہرہ کو دیکھا اس کی گردن جھک گئی زبان لڑکھڑا گئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا اور جیسے ذبح کے وقت بیل کی آواز نکلتی ہے ایسے ہی اس کی آواز نکل رہی تھی جب اس کو ہوش آیا تو

(مواہب لدنیہ، ص63 ج1، سیرۃ حلبیہ، ص 87 ج1، تاریخ الخمیس، ص189 ج1 زرقانی علی المواہب صفحہ 85/1)

عبدالمطلب کے لئے سجدہ میں گرا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ قریش کے برحق سردار ہیں۔

پھر اس نے بڑے ادب سے ابرہہ کا پیغام دیا۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا، ہم بھی لڑنا نہیں چاہتے اور نہ اتنی کثیر فوج کے ساتھ ہم لڑنے کی طاقت رکھتے ہیں، رہا کعبہ تو وہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے، وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ حناطہ نے کہا کہ آپ ابرہہ کے پاس چلیں تاکہ روبرو گفتگو ہو کر معاملہ طے ہو جائے۔ آپ قریش سے مشورہ کر کے اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر اس کے ہم راہ چلے وہاں پہنچ کر حناطہ آپ کو باہر کھڑا کر کے اندر گیا اور ابرہہ کے پاس آپ کے حسن و جمال عظمت و شرافت اور سخاوت کا حال بیان کیا اور بتایا کہ وہ سردار مکہ اور خاندان قریش سے ہیں اور کعبۃ اللہ کے متولی ہیں، ان کا نام عبدالمطلب ہے۔ میری ان کی یہ گفتگو ہوئی ہے۔ اب ان کو تیرے پاس لایا ہوں۔ ابرہہ نے آپ کو اندر بلایا اور آپ کی بہت ہی تعظیم و تکریم کی۔ یہاں تک کہ تخت سے اتر کر فرش پر آ بیٹھا اور آپ کو اپنے پاس برابر میں بٹھایا اور دونوں میں بذریعہ ترجمان یوں گفتگو ہوئی:

ابرہہ: آپ کیا چاہتے ہیں؟

عبدالمطلب: میرے اونٹ واپس کر دیئے جائیں۔

ابرہہ: (متعجب ہو کر) آپ نے اونٹوں کے بارے میں تو کہا ہے اور خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین و شرف ہے، جسے میں ڈھانے کے لئے آیا ہوں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا؟

عبدالمطلب: اونٹوں کا مالک میں ہوں، خانہ کعبہ کا مالک، رب جلیل ہے وہ اپنے گھر کو بچائے گا!

ابرہہ: خانہ کعبہ تو اب مجھ سے نہیں بچ سکتا۔

عبدالمطلب: پھر تو جان اور وہ جانے۔

ابرہہ نے حکم دیا کہ ان کے اونٹ واپس کر دیئے جائیں اور ان کو مست ہاتھی دکھایا جائے (یہ غالباً مرعوب کرنے کے لئے تھا) آپ کو ہاتھی کے پاس لے گئے۔

فَلَمَّا نَظَرَ الْفِيْلُ اِلٰى وَجْهِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ بَرَكَ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيْرُ وَخَرَّسَا جِدًا وَّ اَنْطَقَ اللهُ تَعَالَى الْفِيْلَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَى النُّوْرِ الَّذِىْ فِىْ ظَهْرِكَ يَا عَبْدَالْمُطَّلِبِ (زرقانی علی المواہب، ص86 ج1، تاریخ الخمیس، ص189 ج1)

جب اس ہاتھی نے آپ کے چہرہ کو دیکھا (تو وہ) اونٹ کی طرح بیٹھ کر سجدہ میں گر پڑا اور اللہ تعالیٰ نے اس ہاتھی کو قوت گویائی کیا۔ اس نے کہا: اے عبد المطلب میرا سلام ہو اس نور پر جو تمہاری پشت میں ہے (اور چہرے سے ظاہر ہو رہا ہے)

یہ دیکھ کر وہ سب حیران ہو گئے اور آپ اپنے اونٹ لے کر واپس آ گئے اور قریش کو جمع کر کے کہا کہ مکہ سے نکل کر پہاڑوں میں چلے جاؤ! اور خود چند آدمیوں کو ساتھ لے کر بیت اللہ شریف پہنچے۔ طواف کرنے کے بعد دروازے کا حلقہ پکڑا اور رو رو کر یوں دعا کی:

يَا رَبِّ لَاۤ اَرْجُوْ لَهُمْ سِوَاكَ يَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَ

اے اللہ! ان ظالموں کے دفع کرنے میں مجھے تیرے سوا کسی سے امید نہیں، اے میرے رب اپنے گھر کی تخریب ان سے روک دے اور اس کی حفاظت فرما۔

اِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَ اِمْنَعْهُمْ اَنْ تُخْرِبُوْا اَقْوَاكَ

بے شک جو تیرے گھر کا دشمن ہے وہ تیرا دشمن ہے، تو ان اپنے اور اپنے گھر کے دشمنوں کو اس سے روک کہ تیرے گھر کی وہ تخریب کریں۔

لَاهُمَّ اِنَّ الْعَبْدَ يَمْنَعُ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ

الٰہی ہر شخص اپنے گھر کو دشمنوں سے بچاتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر کو ان دشمنوں سے بچا۔

وَانْصُرْ عَلٰى اٰلِ الصَّلِيْبِ دَعَا بِدِيْهِ الْيَوْمِ اٰلِكَ

الٰہی آج صلیب کے پوجنے والوں پر اپنے گھر کے رہنے والوں کو ان کی مدد کر کے فتح

دے۔

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ وَمَحَالُهُمْ عَدْوًا مُّحَالَكَ

کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب اور عداوت و سرکشی تیری قوت و طاقت پر غالب آ جائے۔

جَرُّوْا جُمُوْعَ بِلَادِهِمْ وَالْفِيْلَ كَيْ يَسْبُوْا عِيَالَكَ

اے اللہ یہ ظالم لوگ اپنے ملک سے لشکروں اور ہاتھیوں کو لائے ہیں تا کہ تیرے پرورش پانے والے بندوں کو قید کر کے لے جاویں۔

عَمَدُوْا حِمَاكَ بِكَيْدِهِمْ جَهْلًا وَّمَا رَقَبُوْا جَلَالَكَ

ان ظالموں نے نادانی اور جہالت سے تیرے گھر کے ساتھ برائی کا قصد کیا ہے اور تیرے جلال ورعب سے نہیں ڈرے۔

اِنْ كُنْتَ تَارِكُهُمْ وَكَعْبَةَ نَافَامْرٌ مَّا بَدَأَ لَكَ

اگر تو ان کو چھوڑ دینے والا ہے اور ہمارے قبلہ کو بھی (کہ جو وہ چاہیں کریں) تو تجھے اختیار ہے جو چاہے کر۔ (اعلام النبوۃ، ص206 ج1، دلائل النبوۃ ابونعیم، ص 144 ج1، تفسیر الثعلبی، ص292 ج10، ابن ہشام، ص51 ج1، اخبار مکہ للازرقی، ص145 ج1، طبقات، ص74 ج1، تاریخ طبری، ص135 ج2، تفسیر طبری، ص613 ج24، تفسیر ابن ابی حاتم، ص3465 ج10)

بارگاہ رب العزت میں دعا کر کے حضرت عبد المطلب کوہ ثبیر پر چڑھ کر بیت اللہ کو دیکھنے لگے، اس وقت نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی پیشانی میں گول بمثل ہلال نمودار ہو کر خوب درخشاں ہوا، یہاں تک کہ اس کی شعاعیں آفتاب کی مانند خانہ کعبہ پر پڑیں۔ عبد المطلب نے اپنی پیشانی میں نور محمدی کا دائرہ اور اس کی شعاعیں بیت اللہ پر دیکھ کر قریش سے فرمایا: خدا کی قسم یہ نور جو میری پیشانی سے چمکا ہے یہ فتح وظفر کی علامت ہے، جاؤ بے خوف ہو کر بیٹھو۔ ہم ہی غالب رہیں گے۔

دوسرے روز ابرہہ نے اپنے ناپاک مقصد کو پورا کرنے کے لئے لشکر کو آراستہ و پیراستہ

کیا اور اسی محمود مست ہاتھی کو اٹھا کر اس کا مونھ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ ہر چند اس کو اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ سخت سے سخت ضربیں لگائی گئیں، مگر وہ نہ اٹھا۔ جب یمن و شام کی طرف اٹھا کر چلاتے تو وہ تیزی سے چلتا اور جب مکہ کی طرف اس کا مونھ کرتے تو وہ بیٹھ جاتا۔ آخر انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ ہولناک آوازیں دیتا ہوا لشکر سے نکل کر کہیں چلا گیا☆ اور انہوں نے دوسرے ہاتھیوں کو چلایا وہ دلیری کے ساتھ چلے۔ جب لشکر بیت اللہ شریف کی طرف چلا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے ابابیلوں یعنی چڑیوں کی مانند پرندوں کا لشکر بھیج دیا۔ ہر ایک پرندے کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک ایک چونچ میں اور دو دو پنجوں میں، انہوں نے کنکریوں کا مینہ برسا دیا۔ جس پر وہ کنکری گرتی وہ ہلاک ہو جاتا۔ ہزاروں اسی جگہ اسی وقت ڈھیر ہو گئے اور ہزاروں اس ہولناک عذاب کو دیکھ کر بھاگے تو راستے میں گرتے مرتے جاتے تھے۔ ابرہہ کے جسم میں ایک آگ سی لگ گئی اور انگلیاں کٹ کٹ کر گرنے لگیں، دل پھٹ گیا وہ بھی راستے میں مر گیا۔ اس طرح لشکر ابرہہ کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا اور اپنے گھر کو بچایا۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵ (الفیل)

اے حبیب کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا؟ کیا ان کا داؤ غلط کر کے نہیں دکھایا؟ ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیجے جو ان پر کنکریاں پھینکتے تھے اور پھر کر ڈالا ان کو جیسے بھس کھایا ہوا۔

عبداللہ بن الزبعری بن عدی فرماتے ہیں:

تَنَكَّلُوْا عَنْ بَطْنِ مَكَّةَ اَنَّهَا كَانَتْ قَدِيْمًا لَّا يُرَامُ حَرِيْمُهَا

☆۔ چوں کہ وہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوے دیکھ چکا اور سلام کا ہدیہ پیش کر چکا تھا۔ پھر وہ اس بے ادبی اور اپنی ہلاکت کے لئے کیسے تیار ہو جاتا۔ (مؤلف)

جب بیت اللہ کے دشمنوں کو مکہ سے عبرت ناک سزا کے ساتھ بھگا دیا گیا۔ بلاشبہ قدیم ہی سے اس کا یہ حال رہا ہے کہ (بری نیت سے) اس کے حرم کا کوئی ارادہ نہیں کر سکتا۔

سَلْ اَمِيْرَ الْجَيْشِ عَنْهَا مَارَاٰى وَلَسَوْفَ يُنْبِىءُ الْجَاهِلِيْنَ عَلِيْمُهَا

(اگر تجھے معلوم نہیں ہے) تو امیر فوج (ابرہہ) سے اس کے متعلق پوچھ لے کہ اس نے کیا دیکھا؟ ناواقفوں کو واقف کار بتلا دے گا۔

سِتُّوْنَ اَلْفًا لَّمْ يَئُوْبُوْا اَرْضَهُمْ بَلْ لَمْ يَعِشْ بَعْدَ الْاِيَابِ سَقِيْمُهَا

ساٹھ ہزار افراد (جو بیت اللہ کے گرانے کے ارادے سے آئے تھے) وہ اپنے وطن (یمن) کو واپس نہ ہو سکے اور ان کا بیمار (بادشاہ) بھی لوٹنے کے بعد زندہ نہ رہا، بلکہ سخت عذاب میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

كَانَتْ بِهَا عَادٌ وَّ جُرْهُمُ قَبْلَهُمْ وَاللّٰهُ مِنْ فَوْقِ الْعِبَادَ يُقِيْمُهَا

اور ان سے پہلے وہاں عاد اور جرہم بھی تو رہتے تھے (انہیں بھی جرأت نہ ہوئی کہ بیت اللہ شریف کو نظر بد سے دیکھیں) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو ساری مخلوق کے اوپر ہے وہ اسے قائم رکھنا چاہتا ہے۔ (ابن ھشام، ص58 ج1، الروض الانف، ص282 ج1، البدایہ والنہایہ، ص220 ج2، تفسیر ابن کثیر، ص464 ج8)

حضرت عبدالمطلب بڑے موحد، بڑے سخی اور بڑے فیاض تھے۔ ہر سال ماہ رمضان شریف میں کوہ حرا میں جا کر گوشہ نشینی اختیار فرماتے اور اللہ کی عبادت کرتے۔ عام طور پر لوگوں کو ظلم و بغاوت، چوری، نکاح محارم، برہنہ طواف کرنا، شراب پینا، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا وغیرہ برائیوں سے بہت منع فرماتے اور بہت اچھے اخلاق پیدا کرنے کی ترغیب دیتے، یہ سب نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی برکت تھی۔ ولنعم ما قیل۔

بَنُو شَيْبَةَ الْحَمْدِ الَّذِىْ كَانَ وَجْهُهٗ يُضِىءُ ظِلَامَ اللَّيْلِ كَالْقَمَرِ الْبَدْرِ

شیبہ الحمد، عبدالمطلب وہ حسین وجمیل بزرگ ہیں کہ ان کا چہرہ اندھیری رات میں چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہے۔ (ابن عساکر، ص294 ج17، المنتظم، ص22 ج3،

منازل الائمہ الاربعہ، ص 199، ج 1)

خضاب

ایک مرتبہ آپ یمن میں تشریف لے گئے اور ایک حمیری سردار کے ہاں ٹھہرے جو خضاب کیا کرتا تھا، اس نے کہا عبدالمطلب اگر تم ان سفید بالوں کا رنگ خضاب سے بدل دو تو جوان نظر آؤ، چناں چہ واپسی پر آپ اس سے بہت سا خضاب اپنے ساتھ مکہ لے آئے۔ جب خضاب لگا کر باہر نکلے تو ایک نتیلہ نامی عورت نے دیکھ کر کہا عبدالمطلب! اگر یہ ہمیشہ رہ جائے تو خوب صورتی ہے آپ نے فرمایا:

لَوْ دَامَ لِیْ هٰذَا السَّوَادُ حَمِدْتُهٗ   فَكَانَ بَدِيْلًا مِّنْ شَبَابٍ قَدِ انْصَرَمْ

اگر یہ بالوں کی سیاہی میرے لئے ہمیشہ رہتی تو میں اس کی تعریف کرتا اور اس صورت میں یہ اس جوانی کا بدلہ ہوتی جو بیت چکی۔

تَمَتَّعْتُ مِنْهُ وَالْحَيَاةُ قَصِيْرَةٌ   وَلَا بُدَّ مِنْ مَّوْتٍ نُتَيْلَةَ اَوْ هَرَمْ

میں نے اس سے فائدہ تو اٹھایا ہے مگر زندگی تھوڑی ہے اور اے نتیلہ آخر کار بوڑھا ہونا اور مرنا بھی تو ضروری ہے۔

اس سے پہلے مکے میں کسی نے خضاب نہیں کیا تھا بعد میں آپ کو دیکھ کر اور لوگ بھی خضاب کرنے لگے اور یہ ایک رسم بن گئی۔ (طبقات ابن سعد، ص 87 ج 1، زرقانی، ص 137 ج 1، سبل الہدیٰ، ص 266 ج 1، شرف المصطفیٰ، 66 ج 3)

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی چھ لڑکیوں، صفیہ، برہ، عاتکہ، ام الحکیم البیضا، امیمہ، اروی کو بلایا اور فرمایا:

اَبْكِيْنِیْ وَاَنَا اَسْمَعُ   مجھے روؤ کہ میں سنوں

چناں چہ سب لڑکیوں نے ماتم کیا اور منظوم مرثیے کہے جو سیرت ابن ہشام جلد اول میں مذکور ہیں۔ جب امیمہ کی باری آئی تو آپ کی زبان بند ہو چکی تھی اور بول نہ سکتے تھے، ان کا مرثیہ سن کر سر ہلانے لگے۔ مطلب یہ تھا کہ تو نے جو میرے اوصاف بیان کیے ہیں وہ

درست ہیں واقعی میں ایسا تھا ان کے مرثیے کے اشعار یہ ہیں ۔

اَعَینَیَّ جُوْدَا بِدَمْعٍ دِرَرْ عَلٰی طَیِّبِ الْخِیْمِ وَالْمُعْتَصَرْ

اے میری دونوں آنکھو! آنسو بہاؤ! ایسے شخص پر جو نیک سیرت کریم اور فیاض ہے۔

عَلٰی مَاجِدِ الْجِدِّ وَارِی الزِّنَادِ جَمِیْلِ الْمُحَیَا عَظِیْمِ الْخَطَرْ

اس پر جو صاحب عظمت، نصیبہ ور اور اہل حاجت کا معین اور حسین چہرے اور بڑے رتبے والا ہے۔

عَلٰی شَیْبَةَ الْحَمْدِ ذِی الْمَکْرُمَاتِ وَذِی الْمَجْدِ وَالْعِزِّ وَالْمُفْتَخَرْ

آنسو بہاؤ اس شیبۃ الحمد پر جو صاحب مکرمت و بزرگی و عزت و فخر والا ہے۔

وَذِی الْحِلْمِ وَالْفَضْلِ فِی النَّائِبَاتِ کَثِیْرِ الْمَکَارِمِ جَمِّ الْفَخَرْ

اور حوادث ومصائب کے وقت حلیم و بردبار و فضل والے بہت سی خوبیوں والے بڑے سخی مال دار پر۔

لَهٗ فَضْلُ مَجْدٍ عَلٰی قَوْمِهٖ مُبِیْنٍ یَّلُوْحُ کَضَوْءِ الْقَمَرْ

اس کو اپنی قوم پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔ اور وہ ایسا روشن ہے کہ چاند کی طرح چمکتا ہے۔

اَتَتْهُ الْمَنَایَا فَلَمْ تُشْوِهٖ بِصَرْفِ اللَّیَالِیْ وَرَیْبِ الْقَدَرْ

یہ سارے فضائل اس میں جمع تھے مگر موت آئی تو گردش ایام وحادثۂ تقدیر سے اس کو کوئی چیز نہ بچا سکی۔ (طبقات ابن سعد، ص 119 ج 1، ابن اسحٰق، ص 68 ج 1، ابن ہشام، ص 170 ج 1، ابن عساکر، ص 85 ج 3، الروض الانف، ص 190 ج 2، المنتظم، ص 281 ج 2)

آپ کی چار بیویاں تھیں جن سے تیرہ لڑکے الغیداق، قثم، عبدالکعبہ، ضرار، المقوم، حجل، حارث، ابولہب، ابوطالب، الزبیر، العباس، حمزہ، عبداللہ اور چھ لڑکیاں ہوئیں۔ جن کا ذکر پچھلے صفحہ پر ہو چکا ہے۔ تیرہ لڑکوں میں سے آخرالذکر سات بہت مشہور ہیں۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت عبداللہ کو تفویض ہوا۔

حضرت عبداللہ (والد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبدالمطلب

آپ کی کنیت ابو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور لقب ذبیح ہے، باپ کے لاڈلے اور پیارے فرزند تھے ذبیح لقب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے والد حضرت عبدالمطلب نے چاہ زمزم کھودنے کے وقت منت مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ میرے سامنے جوان ہو جائیں، تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا☆۔ جب ان کے دس بیٹے جوان ہو گئے تو ایک رات کعبہ مکرمہ کے پاس سوئے ہوئے تھے کہ کسی نے خواب میں ان سے کہا: کہ ''اے عبدالمطلب اپنے رب کے لئے جو تم نے نذر مانی تھی اس کو پورا کرو''۔ عبدالمطلب گھبرائے ہوئے اٹھے، اور ایک مینڈھا ذبح کر کے فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیا۔ دوسری رات حکم ہوا کہ جو چیز مینڈھے سے بڑی ہے، وہ قربان کرو۔ خواب سے بیدار ہو کر ایک بیل ذبح کیا۔ تیسری رات حکم ہوا، اس سے بھی اکبر ذبح کرو! کہنے والے سے پوچھا اونٹ سے اکبر کیا چیز ہے؟ اس نے کہا اپنی اولاد میں سے ایک بیٹا ذبح کرو جس کی تم نے منت مانی تھی۔ خواب سے بیدار ہو کر شدید غمگین ہوئے اور اپنی اولاد کو جمع کر کے اپنی منت کا واقعہ سنایا اور ایفائے نذر کا عزم ظاہر کر کے ان سے پوچھا۔ ہر ایک نے اپنے آپ کو پیش کر کے آپ کو اختیار دے دیا کہ جس کو چاہیں قربان کر دیں۔ انہوں نے دسوں کے نام لکھ کر اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! ان میں سے جس کی قربانی تجھے منظور ہے اس کا نام نکال دے۔ اور قرعہ ڈال دیا تو قرعے میں حضرت عبداللہ کا نام نکل آیا۔ اگرچہ سب لڑکوں سے زیادہ یہی ان کے نزدیک پیارے تھے مگر وہ اس قدرتی فیصلے کے آگے مجبور تھے۔ جب وہ چھری اور عبداللہ کو لے کر اپنی نذر پوری کرنے چلے تو عبداللہ کے بھائی اور ننھیال مانع ہوئے اور سرداران قریش نے بھی منع کر کے کہا کہ اگر آپ نے یہ قربانی کر دی تو آئندہ کے

☆۔ چاہ زمزم کو عمرو بن حرث جرہمی نے عداوت وحسد کی وجہ سے بند کر دیا تھا۔ عبدالمطلب کو خواب کے ذریعے سے حکم دیا گیا تھا کہ زمزم کو پھر جاری کرو! چناں چہ آپ اور آپ کے فرزند اکبر حارث نے اس کو کھودا اس وقت آپ نے یہ منت مانی تھی۔

لئے یہ ایک رسم بن جائے گی۔ جس کے لئے آپ کی یہ قربانی حجت ہوگی، اس لئے اپنے رب سے عذرخواہی کرو اور فلاں کاہنہ جو اس وقت خیبر میں رہتی ہے، اس کے پاس جاؤ امید ہے کہ وہ ضرور کوئی بہتر طریقہ بتائے گی۔ جب لوگ اس کے پاس گئے اور اس کو سارا قصہ سنایا تو اس کاہنہ نے کہا تم لوگوں میں نفس کی دیت (خون بہا) کیا ہے؟ کہا گیا دس اونٹ۔ اس نے کہا تم اپنے شہر جا کر دس اونٹوں اور عبداللہ پر قرعہ ڈالو! اگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلے تو دس اونٹ اور زیادہ کرو۔ پھر بھی اگر عبداللہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور زیادہ کرو۔ اسی طرح دس دس اونٹ بڑھا کر قرعہ ڈالتے رہو۔ یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے اور جب اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو اب سمجھ لینا کہ اب ہمارا خدا راضی ہو گیا ہے اور اس نے عبداللہ کے بدلے اتنے اونٹوں کی قربانی منظور کر لی ہے پھر ان کو ذبح کر دینا۔ چناں چہ قرعہ ڈالا گیا اور اس کا آغاز دس اونٹوں سے کیا گیا پھر ہر دفعہ دس دس بڑھاتے گئے۔ حضرت عبدالمطلب برابر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے، نوے تک نام عبداللہ کا ہی نکلتا رہا۔ جب اونٹوں کی تعداد سو ہو گئی تو نام اونٹوں کا نکل آیا، لوگوں نے کہا۔ عبدالمطلب! اب خدا راضی ہو گیا۔ فرمایا۔ خدا کی قسم، ہرگز نہیں۔ جب تک تین مرتبہ اونٹوں کا نام نہ نکلے۔ چناں چہ تین مرتبہ پھر قرعہ ڈالا۔ نام اونٹوں ہی کا نکلا تو عبدالمطلب نے بیٹے کے فدیے میں سو اونٹ قربانی کر کے اپنی منت پوری کر دی اور ان کو خاص و عام وحوش وطیور کے لئے چھوڑ دیا۔

(سیرت ابن ہشام، ص162 ج1، کامل ابن اثیر، سبل الہدیٰ، ص245 ج1)

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ

میں دو ذبیحوں (حضرت اسماعیل و عبداللہ) کا بیٹا ہوں۔

(مواہب لدنیہ، ص 76 ج 1، سبل الہدیٰ، ص362 ج1، مستدرک: 4048، البحر المحیط، ص119 ج9، المقاصد الحسنۃ، ص183، سیرۃ حلبیہ، ص 55 ج 1، روح المعانی، ص 276 ج 4، ص 130 ج 12، تفسیر ابی السعود،

ص200 ج7، فتح الباری، ص378 ج12،
تاریخ الخمیس، ص95 ج1)

پروردگار عالم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام و حضرت عبداللہ کی قربانی کا ہدیہ قبول فرما کر دونوں کو بچا یا کیوں کہ دونوں کی پیشانیوں میں سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور تھا اور انہیں کی نسل سے آپ کا ظہور مقدر ہو چکا تھا اور یہ آپ کے نور ہی کی برکت اور وجہ تھی کہ دونوں کی قربانیاں بھی منظور ہوئیں اور جانیں بھی بچیں۔

حضرت عبداللہ کی قربانی سے پیش تر عرب میں انسانی دیت (خون بہا) کے دس اونٹ مقرر تھے لیکن اس واقعہ کے بعد دیت کی مقدار سو اونٹ مقرر ہوگئی۔ دیت کی مقدار زیادہ ہو جانے سے ظاہر ہے کہ انسان کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہوگی اور قتل کی واردات میں بھی نمایاں کمی ہوگئی ہوگی۔ یہ گویا اس نور قدسی کے ظہور کی تمہید تھی۔ جس کے عالم وجود میں آنے سے انسانیت کی قدر و قیمت میں اضافہ اور ظلم وستم کا خاتمہ ہونا تھا۔

حضرت عبداللہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب بہت زیادہ حسین وجمیل، اور باپ کو سب سے زیادہ پیارے تھے اور اس واقعہ کے بعد ان کی قدر و عظمت اور زیادہ ہوگئی۔ اب آپ کے والد کو آپ کی شادی کی فکر ہوئی تو ایک روز آپ کے والد آپ کو ساتھ لے کر چلے۔ راستے میں ان کو ایک کاہنہ ملی (جس کا نام فاطمہ بنت مرالخشعمیہ تھا۔ کتب سابقہ پڑھی ہوئی اور حسین وجمیل عورت تھی)۔ اس نے حضرت عبداللہ کو بلا کر ان سے اظہار محبت کیا اور کہا کہ میں تمہیں سو اونٹ بھی دیتی ہوں جو تمہارے باپ نے تمہارے بدلے قربان کیے ہیں۔ میری خواہش پوری کر دو:

آپ نے فرمایا

اَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُوْنَهٗ وَالْحِلُّ لَا حِلَّ فَاسْتَبِيْنُهٗ

حرام کے ارتکاب سے تو مر جانا ہی بہتر ہے اور حلال بے شک پسندیدہ ہے مگر یہ حلال نہیں ہے کیوں کہ میرا تمہارا نکاح نہیں ہوا۔

فَكَيْفَ الْاَمْرُ الَّذِيْ تَبْغِيْنَهٖ يَحْمِيَ الْكَرِيْمُ عِرْضَهٗ وَدِيْنَهٗ

اس لئے جس کام کو تم چاہتی ہو وہ کیسے ہوسکتا ہے اور شریف آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرے۔ (دلائل النبوۃ ابونعیم: 74، مواہب لدنیہ، ص 71 ج 1، اعلام النبوۃ، ص 201 ج 1، عیون الاثر، ص 29 ج 1، البدایہ والنہایہ، ص 308 ج 2، سبل الہدیٰ، ص 327 ج 1، تاریخ کامل، ص 611 ج 1، تاریخ طبری، ص 244 ج 2، طبقات، ص 77 ج 1)

یہ کہہ کر آپ آ گئے اور باپ کے ہم راہ چلے۔ یہاں تک کہ بنوزہرہ کے سردار وہب بن عبدمناف کے پاس پہنچے تو آپ کے والد نے آپ کی شادی کے متعلق ان سے گفتگو کی اور ان کی لڑکی سیدہ آمنہ، جو حسب ونسب صورت وسیرت میں قریش کی تمام عورتوں سے افضل تھیں، ان کا رشتہ عبداللہ کے لئے طلب فرمایا۔ انہوں نے بخوشی منظور فرمایا اور نکاح ہو گیا۔ نکاح کے پہلے ہی ہفتہ میں سیدہ آمنہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت دار بن گئیں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ کا پھر اسی طرف سے گزر ہوا جس طرف وہ کاہنہ رہتی تھی، تو اس کو مل کر فرمایا کہ جو کچھ تو نے مجھ سے کہا تھا یعنی خواہش پوری کرنے پر سو اونٹ دینا اس میں کیا راز تھا؟ اس نے کہا کیا آپ کسی عورت کے پاس گئے ہیں؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ ہاں! میری شادی آمنہ بنت وہب سے ہوگئی ہے میں اس کے پاس گیا ہوں، اس نے کہا تو اب مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا کیوں، اب کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: عبداللہ میں بدکار عورت نہیں ہوں۔ اس دن جو میں نے خواہش کی تھی، اس کی وجہ یہ تھی:

رَأَيْتُ نُوْرَ النُّبُوَّةِ فِيْ وَجْهِكَ فَاَرَدْتُّ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ فِيَّ وَاَبَى اللهُ اِلَّا اَنْ يُّصَيِّرَ حَيْثُ اَحَبَّ

میں نے تمہارے چہرے میں نور نبوت دیکھا تھا اور میں نے چاہا تھا کہ وہ نور مجھ میں منتقل ہو جائے مگر اللہ کو منظور نہیں تھا۔ اس نے جہاں چاہا رکھ دیا۔

پھر اس نے حسرت سے یہ اشعار کہے:

لِلّٰهِ مَا زُهْرِيَّةٌ سَلَبَتْ مِنْكَ الَّذِيْ سَلَبَتْ وَمَا تَدْرِيْ

اللہ اللہ وہ کیا (ہی چیز ہے) جو ایک زُہریہ بی بی نے (اے عبداللہ) تجھ سے لے لی۔
اس نے تجھ سے وہ چیز لے لی ہے جس کی تجھ کو خبر ہی نہیں۔

بَنِیْ هَاشِمٍ قَدْ غَادَرَتْ مِنْ اَخِیْکُمْ اُمَیْنَةُ اِذْ لِلْبَاهِ یَعْتَلِجَانِ

اے بنی ہاشم تمہارے بھائی (عبداللہ) کو آمنہ بی بی نے خلوت کے چند لمحات میں ایسا سوکھا کر کے چھوڑ دیا ہے۔

کَمَا غَادَرَ الْمِصْبَاحَ بَعْدَ خُبُوَّةٍ فَتَائِلُ قَدْ مِیْثَتْ لَهٗ بِدِهَانِ

جیسے بتی چراغ کا تیل چوس کر اس کے بجھنے کے بعد اس کو سوکھا کر کے چھوڑ دیتی ہے۔

وَمَا کُلُّ مَا یَحْوِی الْفَتٰی مِنْ تِلَادِهٖ بِحَزْمٍ وَّلَا مَا فَاتَهٗ لِتَوَانِ

جو مال (خوشیاں اور نعمتیں) آدمی کو حاصل ہوتی ہیں یہ نہیں کہ وہ اس کی دانائی اور کوشش کا نتیجہ ہوتی ہیں اور نہ یہ ہے کہ جو چیزیں اس سے کھو جاتی ہیں وہ اس کی غفلت اور سستی سے کھو جاتی ہیں۔

فَاَجْمِلْ اِذَا طَالَبْتَ اَمْرًا فَاِنَّهٗ سَیَکْفِیْکَهٗ جَدَّانِ یَصْطَرِعَانِ

اس لئے اے انسان جب تجھے کوئی چیز مطلوب ہو تو اس کی طلب میں نہ سستی کر اور نہ تیزی کر، راہ اعتدال اختیار کر کیوں کہ سعادت وشقاوت دونوں طرح کے نصیبوں کی باہم کشتی ہوتی ہے۔

سَیَکْفِیْکَهٗ اِمَّا یَدٌ مُّقْفَعِلَّةٌ وَاِمَّا یَدٌ مَّبْسُوْطَةٌ بِبَنَانِ

یا تو ایسا ہوگا کہ شقاوت غالب ہو جائے گی اور اس کا ہاتھ تیرا کام روک دے گا اور یا سعادت کا غلبہ ہو جائے گا اور اس کا کھلا ہوا ہاتھ تیرا کام کر دے گا۔

وَلَمَّا حَوَتْ مِنْهُ اُمَیْنَةُ مَاحَوَتْ فَحَیَّزَتْ بِفَخْرٍ مَّا لِذٰلِكَ ثَانِیْ

اور جب بی بی آمنہ نے ان سے وہ چیز لے لی تو وہ اس چیز کے لینے سے ایسی فخر والی ہو گئی کہ اس کا ثانی دنیا میں کہیں نہیں۔

وَرَجَوْتُهٗ فَخْرًا اَبُوْءُ بِهٖ مَا کُلُّ قَادِحٍ زَنْدَهٗ یُوْرِیْ

میں نے اسی فخر کے حصول کے لئے (عبداللہ کو) چاہا تھا مگر یہ ضروری نہیں کہ جتنے لوگ بھی چقماق سے آگ نکالنے کی کوشش کریں، وہ سب کامیاب ہو جائیں۔

(اعلام النبوۃ، ص202 ج1، ابن عساکر، ص406 ج3، البدایہ والنہایہ، ص309 ج2، سبل الہدیٰ، ص327 ج1، تاریخ طبری، ص245 ج2، کامل ابن اثیر، خصائص کبری، ص41، ج1، دلائل النبوت ابونعیم: 74، طبقات ابن سعد، ص97 ج1)

وہ جس کے نور سے تیری چمکتی تھی یہ پیشانی اسی کی تھی میں طالب اور اسی کی تھی میں دیوانی
مگر میں رہ گئی محروم قسمت میری پھوٹی ہے سنا ہے کہ وہ نعمت آمنہ نے تجھ سے لوٹی ہے

جس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور پاک نے حضرت سیدہ آمنہ کے صدف رحم میں قرار پکڑا وہ رات جمعہ کی رات تھی اللہ تعالیٰ نے رضوان خازن جنت کو حکم دیا کہ جنت الفردوس کھولے اور منادی کرنے والے فرشتے کو حکم دیا کہ وہ آسمانوں اور زمین میں پکار دے کہ اے ساکنان آسمان وزمین! سن لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ نبی آخر الزمان ہادی دو جہان کا نور آج رات اپنی والدہ ماجدہ کے بطن میں قرار پکڑے گا اور پھر آدمیوں کی طرف ایسے حال میں ظہور فرمائے گا کہ وہ بشیر ونذیر ہوگا۔

اس کے بعد عالم ملکوت وجبروت پہ یہ ندا کی گئی کہ مقامات مقدسہ ومشرفہ کو معطر اور نہایت خوش بودار بناؤ اور مقربین ملائکہ صوفیہ جو اہل صدق وصفا ہیں، وہ مقامات مقدسہ میں عبادت کے مصلے بچھائیں، اس لئے کہ آج وہ نور جو آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک اصلاب طاہرہ میں مستور ومخفی چلا آتا تھا، سیدہ آمنہ کے (جو اپنی قوم کی تمام عورتوں سے حسباً ونسباً اصلاً وفرعاً حسناً وجمالاً افضل واطیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ فخر اور عزت وعظمت عطا فرما کر مخصوص کیا ہے)، بطن مبارک میں منتقل ہوا ہے۔ (زرقانی علی المواہب، ص105 ج1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حمل کی رات کوئی ایسی جگہ اور مکان نہ تھا جو نور سے منور نہ ہوا اور قریش کے تمام چوپائے گویا ہو گئے تھے اور یہ کہتے تھے رب کعبہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دنیا کی امان اور اہل دنیا کے آفتاب ہیں، ان کا حمل ٹھہر گیا ہے۔ اور دنیا کے تمام

بادشاہوں کے تخت اور بت صبح کے وقت اوندھے پائے گئے، مشرق ومغرب کے وحشی چرندو پرنداور دریائی جانوروں نے ایک دوسرے کو بشارت دی (زرقانی علی المواہب، ص108 ج1)۔

زمین سرسبز وشاداب ہوگئی، سوکھے درخت ہرے اور پھل دار ہو گئے، قریش جو سخت تنگی میں مبتلا تھے ہر طرف سے کثیر خیر کے آنے سے خوش حال ہو گئے اس قدر خیر وبرکت ہوئی کہ اس سال کا نام سنة الفتح والابتهاج (یعنی فتح وتر وتازگی وخوش حالی کا سال رکھا گیا)۔

(مواہب وزرقانی، ص105 ج1 وخصائص کبریٰ، ص47 ج1)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثُمَّ اِنَّ اُمِّیۡ رَاَتۡ فِیۡ مَنَامِهَا اِنَّ الَّذِیۡ فِیۡ بَطۡنَهَا نُوۡرٌ (مواہب، ص107 ج1)　پھر میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے پیٹ میں نور ہے۔

چناں چہ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ مدت حمل میں مجھے کسی قسم کی ذرہ بھر کوئی تکلیف یا کوئی شکایت یا ان چیزوں کی خواہش جو حاملہ عورتوں کو ہوا کرتی ہے نہیں ہوئی بلکہ طبیعت میں فرحت، جسم میں خوش بو اور چہرے میں چمک پیدا ہوگئی اور میں نے کسی عورت کے حمل کو نہیں دیکھا جو اس حمل سے زیادہ خفیف اور برکت میں اس سے زیادہ عظیم ہو۔

(زرقانی علی المواہب، ص109 ج1)

هٰذَا وَقَدۡ حَمَلَتۡ اُمُّ الۡحَبِیۡبِ بِهٖ　وَلَیۡسَ فِیۡ حَمۡلِهَا كَرۡبٌ وَّلَا ضَرَرٌ

بے شک حبیب کی والدہ اس حبیب کے ساتھ حاملہ ہوگئیں۔ اور اس کے حمل میں کسی قسم کی نہ کوئی تکلیف ہے اور نہ نقصان۔

فرماتی ہیں کہ خواب میں کسی کہنے والے نے مجھ سے کہا: کہ کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ تم سید العالمین خیر البریہ اور اس امت کے نبی کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو؟ جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھنا اور یہ تعویذ ان کے گلے میں ڈال دینا۔ جب میں بیدار ہوئی تو ایک سونے کا صحیفہ میرے سر کے پاس رکھا ہوا تھا جس پر یہ لکھا ہوا تھا:

اُعِیۡذُهٗ　بِالصَّمَدِ　الۡوَاحِدِ　مِنۡ　شَرِّ　كُلِّ　حَاسِدٍ

اس اللہ تعالیٰ (جو ذات وصفات میں) یکتا و بے نیاز ہے کی ہر حاسد کے شر سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفظ و نگہ بانی چاہتی ہوں۔

وَكُلِّ خَلْقٍ رَائِدٍ مِنْ قَآئِمٍ وَّ قَاعِدٍ

اور ہر اس مخلوق سے جو بدی کا طالب ہے، وہ کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، اس کے شر سے حفظ و امان چاہتی ہوں۔

عَنِ السَّبِيلِ عَائِدٍ عَلَى الْفَسَادِ جَاهِدٍ

اور اس سے جو سیدھے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور فساد پر آمادہ ہے۔

مِنْ نَّافِثٍ اَوْ عَاقِدٍ وَكُلِّ خَلْقٍ مَّارِدٍ

اور جادوگر سے جو گرہوں میں سحر پھونکتا ہے اور ہر اس مخلوق سے جو سرکش و نافرمان ہے۔ (امتاع الاسماع، ص45 ج4، تاریخ الخمیس، ص186 ج1، مواہب لدنیہ، ص73 ج1، سبل الہدیٰ، ص328 ج1، اعلام النبوۃ، ص209 ج1، طبقات، ص79 ج1، ابن عساکر، ص82 ج3، عیون الاثر، ص31 ج1 دلائل النبوۃ ابونعیم :78، خصائص کبری صفحہ 42/1، زرقانی علی المواہب صفحہ 106/1)

حضرت عبداللہ کی وفات

ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکم مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ، قریش کے چند تاجروں کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام گئے، واپسی کے وقت کھجوریں خریدنے کے لئے مدینہ میں اترے، وہیں بیمار ہو گئے اور پچیس سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ آپ کو نابغۃ الجعدی کی سرزمین میں یا مقام ابواء میں دفن کیا گیا۔ آپ کی وفات پر سیدہ آمنہ نے یہ اشعار کہے:

عَفَا جَانِبُ الْبَطْحَآءِ مِنِ ابْنِ هَاشِمٍ وَجَاوَرَ لَحْدًا خَارِجًا فِي الْغَمَاغِمِ

بطحا کی زمین آل ہاشم (عبداللہ) سے خالی ہو گئی اور وہ کفن میں لپٹے ہوئے اپنے اہل سے بہت دور قبر میں چلے گئے ہیں۔

وَعَتْهُ الْمَنَايَا دَعْوَةً فَاَجَابَهَا وَمَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمٍ

موت نے ان کو اچانک پکارا اور انہوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا افسوس موت نے ابن ہاشم (عبداللہ) کی مثل لوگوں میں کوئی نہیں چھوڑا۔

عَشِيَّةَ رَاحُوْا يَحْمِلُوْنَ سَرِيْرَهٗ تَعَاوَرَهٗ اَصْحَابُهٗ فِي التَّزَاحُمِ

ان کے دوست شام کے وقت ان کا جنازہ محبت و پیار سے اٹھا کر چلے تو از راہ محبت وہ باری باری کندھا دینے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے تھے۔

فَاِنْ يَكُ غَالَتْهُ الْمَنَايَا وَرَيْبُهَا فَقَدْ كَانَ مِعْطَاءً كَثِيْرَ التَّرَاحُمِ

اگرچہ موت اور اس کے اسباب نے عبداللہ کو اچانک پکڑ لیا ہے (مگر ہم ان سے جدا ہو گئے) جو بلاشبہ بہت زیادہ سخی اور بہت زیادہ مہربانی و پیار کرنے والے تھے۔

(طبقات ابن سعد، ص 100 ج 1، مواہب لدنیہ، ص 75 ج 1، تاریخ الخمیس، ص 187 ج 1، سبل الہدیٰ، ص 332 ج 1، زرقانی، ص 206 ج 1، شرف المصطفیٰ، ص 43 ج 3)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ کی وفات ہوئی ملائکہ نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! تیرا نبی یتیم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس کا محافظ و مددگار ہوں۔ (مواہب و زرقانی، ص 115 ج 1)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لئے یتیم کر دیا گیا (اور سارے سہارے توڑ دیئے گئے تھے) تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آپ کی سربلندیاں فلاں شخص کی شرمندہ احسان ہیں۔ (مواہب، زرقانی، خصائص کبریٰ، ص 47 ج 1)

ولادت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

جب دعائے خلیل اور نوید مسیحا کے مجسم بن کر ظاہر ہونے کا وقت قریب ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو اور آفتاب کو عظیم نورانیت کا لباس پہنا دو تاکہ اس کی روشنی اور زیادہ ہو۔ (دلائل النبوت، خصائص کبریٰ، ص 47 ج 1،

زرقانی علی المواہب ص 111 ج 1)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ کی پیدائش کا وقت قریب آ گیا تو اس وقت حضرت عبدالمطلب کعبہ میں تھے، اور میں گھر میں اکیلی تھی مجھ کو درِدزہ ہو رہا تھا کہ میں نے ایک ہول ناک آواز سنی جس سے میں ڈر گئی اور مجھ پر خوف طاری ہوا۔ اسی وقت ایک سفید پرندہ ظاہر ہوا۔ اس نے اپنا بازو میرے سینے پر پھیرا، جس کے پھرتے ہی میرا سب درد اور خوف وغیرہ جاتا رہا، پھر میں نے اپنے پاس ایک سفید چیز کا بھرا ہوا پیالہ دیکھا جس کو میں نے دودھ گمان کیا۔ اس وقت مجھے پیاس بھی تھی، میں نے اس کو پی لیا۔ پھر ایک نور سا ظاہر ہوا، تو میں نے اپنے پاس چند عورتوں کو پایا، جو قدوقامت اور حسن و جمال میں عبد مناف کی بیٹیوں کی مثل یعنی بہت حسین وجمیل تھیں، انہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا اور میں حیران تھی کہ یہ کون ہیں اور ان کو کس شخص نے میرے حال کی خبر دی ہے کہ میرے پاس آئی ہیں، پھر انہوں نے کہا کہ ہم آسیہ (فرعون کی بیوی) اور مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) ہیں اور یہ ہمارے ساتھ جنت کی حوریں ہیں۔ پھر میں نے مردوں کو (یہ ملائکہ تھے جو مردوں کی شکل میں متشکل تھے) دیکھا کہ ہوا میں (بسلسلہ ولادت تعظیماً کھڑے ہیں) اور ان کے ہاتھوں میں چاندی کی ابریقیں ہیں۔ پھر میں نے پرندوں کے جھنڈ دیکھے جنہوں نے آ کر میرے حجرہ کو ڈھانپ لیا، ان کی چونچیں زمرد کی، اور بازو یاقوت کے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے حجابات اٹھا دیئے تو میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھا اور میں نے تین جھنڈے دیکھے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا کعبہ شریف پر قائم تھا۔ (زرقانی علی المواہب، ص 112 ج 1)

پھر آپ پیدا ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک ایسا نور نکلا جس سے مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ملک شام کے محلات کو دیکھ لیا اور آپ کے ساتھ کسی قسم کی آلودگی نہیں تھی۔ آپ نہایت ہی پاک و صاف طیب و طاہر تھے اور آپ سے ایسی پاکیزہ اور تیز خوش بو ظاہر ہوئی کہ سارا گھر معطر ہو گیا اور پیدا ہوتے ہی آپ بہ تضرع

سجدے میں چلے گئے اور آپ کی شہادت کی دونوں مبارک انگلیاں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور باقی سب انگلیاں بند تھیں۔☆

پھر میں نے آسمان کی طرف سے ایک سفید نوری ابر آتا ہوا دیکھا جس میں سفید گھوڑوں کے ہنہنانے، طائروں کے بازوؤں کی حرکت اور فرشتوں کے کلام کی آواز آتی تھی، اس نے آکر آپ کو ڈھانپ لیا اور مجھ سے غائب کر دیا۔ پھر میں نے سنا کہ کوئی منادی ندا کر رہا ہے کہ آپ کو روئے زمین اور اس کے مشارق و مغارب کا طواف اور ساتوں دریاؤں کی سیر کراؤ اور ہر ذی روح جن وانس، وحوش وطیور اور ملائکہ کے سامنے پیش کرو، تاکہ تمام مخلوق آپ کو اور آپ کے نام کو اور آپ کی صفات حسنہ کو پہچان لے اور آپ کو آدم علیہ السلام کا خلق، شیث علیہ السلام کی معرفت، نوح علیہ السلام کی شجاعت، ابراہیم علیہ السلام کی خلّت، اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان، اسحٰق علیہ السلام کی رضا، صالح علیہ السلام کی فصاحت، لوط علیہ السلام کی حکمت، یعقوب علیہ السلام کی بشارت، موسیٰ علیہ السلام کی شدت وقوت، ایوب علیہ السلام کا صبر، یونس علیہ السلام کی طاعت، یوشع علیہ السلام کا جہاد، داؤد علیہ السلام کی آواز، دانیال علیہ السلام کی حُب، الیاس علیہ السلام کا وقار، یحییٰ علیہ السلام کی عصمت، عیسیٰ علیہ السلام کا زہد عطا کرو اور تمام انبیائے کرام (علیہم السلام) کے اخلاق میں غوطہ دو تاکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے صفات آپ میں جمع ہوں، پھر وہ ابر ہٹ گیا تو میں نے آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ سبز رنگ کے ریشم کو پکڑے ہوئے ہیں جو رسی کی مانند لپٹا ہوا تھا اور اس سے پانی نکل رہا تھا، اور یکا یک آواز آئی کہ بخ بخ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ساری دنیا پر قبضہ کر لیا ہے اور کوئی مخلوق ایسی نہیں جو آپ کے قبضے میں نہ آئی ہو۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کو چودھویں کے چاند

☆۔ آپ کے نور سے دنیا کی ہر چیز کا روشن ہو جانا اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کے نور ہدایت سے دنیا منور ہو گی اور ظلمتیں کافور ہو جائیں گی۔ شام کے محلات کا خصوصیت سے روشن ہو کر آپ کی والدہ کو نظر آنا، اس کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے نور نبوت سے ملک شام مخصوص کیا گیا ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم شام کی سکونت اپنے اوپر لازم کر لو کیوں کہ شام کا ملک اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین سے برگزیدہ کیا ہے اور ملک شام میں اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو جمع کرے گا۔ (مؤلف)

کی طرح چمکتا پایا اور آپ کے جسم سے نہایت پاکیزہ اور تیز خوش بو مہک رہی تھی۔ پھر میں نے تین آدمی دیکھے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر تھا۔ اس نے حریر کو پھیلایا اور اس میں سے ایک ایسی مہر نکالی جس کا نور اتنا تیز تھا کہ آنکھوں میں اس کے دیکھنے کی تاب نہیں تھی۔ پھر اس لوٹے سے آپ کو سات بار غسل دیا اور اسی مہر سے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر لگائی اور حریر میں آپ کو لپیٹ کر اٹھایا۔ اور ایک ساعت اپنے بازوؤں پر رکھا، پھر مجھے دیا اور غائب ہو گئے۔ (زرقانی، ص113 ج1، خصائص کبریٰ، ص48 ج1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے کان میں رضوان خازنِ جنان نے کہا، کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو بشارت ہو کہ کسی نبی کا علم ایسا نہیں رہا جو آپ کو نہ دیا گیا ہو۔ آپ علم میں کُل انبیائے کرام (علیہم السلام) سے زیادہ ہیں اور قلبی طاقت وقوت میں ان سب سے زیادہ قوی وشجاع ہیں۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 115، خصائص کبریٰ جلد 1 صفحہ 49)

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب فرماتی ہیں کہ ولادت کے بعد میں نے آپ کی چھ چیزیں دیکھیں۔ اول آپ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا۔ دوم سجدہ سے سر اٹھا کر بزبان فصیح فرمایا: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ، سوم آپ کے نور سے سارا گھر روشن ہو گیا۔ چہارم میں نے آپ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو غیب سے آواز آئی، اے صفیہ تو غسل کی تکلیف نہ کر ہم نے ان کو پاک وصاف پیدا کیا ہے۔ پنجم میں نے اس خیال سے کہ لڑکی ہے یا لڑکا، دیکھا تو آپ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ تھے۔ ششم میں نے چاہا کہ آپ کو کرتا پہناؤں تو میری نظر آپ کی پشت مبارک پر پڑی تو اس پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا۔ (شواہد النبوت، ص25)

حضرت عثمان بن ابی العاص کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی ولادت کے وقت میں خانہ کعبہ کے پاس تھی میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے معمور ہو گیا۔ اور ستارے زمین سے اس قدر قریب ہو گئے کہ مجھ کو گمان ہوا کہ مجھ پر گر پڑیں گے۔

(زرقانی علی المواہب، ص116 ج1، بیہقی ج1 ص111، طبرانی:355، ابونعیم، ابن عساکر، ص79 ج3، خصائص، ص45 ج1، سبل الہدی والرشاد، ص341 ج1، استیعاب، ص1900 ج4، اعلام النبوۃ، ص209 ج1، اسد الغابہ:7189، تاریخ کامل، ص417 ج1، البدایہ والنہایہ، ص324 ج2، عیون الاثر، ص34 ج1)

حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ شب ولادت میں کعبہ میں تھا۔ قریب وقت سحر میں نے دیکھا کہ کعبہ نے مقام ابراہیم کی طرف سجدہ کیا اور تکبیر کہی (یعنی سجدہ شکر ادا کیا کہ مجھ کو بتوں اور مشرکوں سے پاک کرنے والا آ گیا ہے) اور تمام بت جو کہ کعبہ اور اس کے ارد گرد نصب کیے ہوئے تھے، اوندھے گر گئے۔ جب سب سے بڑا بت جس کا نام ہبل تھا مونھ کے بل گرا تو اس کے اندر سے آواز آئی کہ آگاہ ہو جاؤ، پیغمبر آخر الزمان پیدا ہو گئے اور ان کے نور سے مشرق و مغرب روشن ہو گیا۔ (شواہد النبوۃ، ص25، معارج النبوۃ، ص55 ج2)

ایوان کسریٰ (جو دنیا کی مضبوط ترین عمارتوں میں سے تھا) اس میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کے چودہ مینارے زمین پر گر گئے۔ بحیرہ ساوہ☆ دفعتہً خشک ہو گیا۔ فارس کا آتش کدہ جو متواتر ایک ہزار سال سے روشن تھا (جس میں مجوسی و پارسی آگ کی پوجا کرتے تھے) ایک دم بجھ گیا شیاطین کا آسمانوں پر آنا جانا بند ہو گیا (ابن عساکر ج37 ص361، زرقانی علی المواہب ج1 ص121، خصائص کبریٰ، ج1 ص51، سبل الہدی والرشاد ج1 ص354)

کسریٰ بادشاہ اپنے محل کے پھٹ جانے اور چودہ کنگروں کے گر جانے اور آتش کدہ میں آگ کے بجھ جانے سے بہت خائف اور سخت مضطرب ہوا۔ صبح اس نے اپنے دربار کے تمام کاہنوں اور نجومیوں کو جمع کر کے یہ واقعہ ان کے سامنے پیش کیا تو بہت بڑے قاضی اور نجومی جس کو مؤبد کلاں کہتے تھے اس نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ عرب کے بے مہار شتر عربی گھوڑوں کو ہنکاتے ہوئے لا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دجلہ پار کر کے فارس (ایران)

☆۔ ساوہ بلاد فارس میں ہمدان درے کے عین وسط میں ایک شہر تھا وہاں ایک قطعہ آب تھا جو بحیرہ ساوہ کہلاتا تھا۔ یہ بحیرہ پینسٹھ میل لمبا اور تقریباً اتنا ہی چوڑا تھا اس کے کناروں پر بہت سے معبد اور کینسے تھے آپ کی ولادت کے وقت اس کا سارا پانی یکا یک زمین میں جذب ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اہل ساوہ نہایت غم گین ہوئے۔

کے تمام شہروں میں پھیل گئے ہیں، اس خواب کو سن کر بادشاہ اور پریشان ہوا تو اس نے نعمان بن منذر والئی یمن کو لکھا کہ ایک بہت ہشیار نجومی میرے پاس بھیجے جو میرے سوالات کا صحیح جواب دے سکے، اس نے عبدالمسیح بن عمرو عنائی کو بھیج دیا۔ بادشاہ نے ان حوادث کا حال اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ان کا جواب میرا ماموں سطیح، جو بہت ہی بڑا کاہن اور جس کی عمر تقریباً چھ سو سال ہے، وہ دے گا۔ بادشاہ نے کہا جاؤ اور اس سے پوچھ کر جلدی واپس آؤ۔ چناں چہ عبدالمسیح نے وہاں پہنچ کر اس کو قریب المرگ پایا۔ بادشاہ اور اپنی طرف سے سلام و نیاز پیش کیا لیکن کوئی جواب نہ پایا۔ بعدازاں سطیح نے اپنا سر اٹھایا اور کہا، اے عبدالمسیح تجھے کسریٰ بادشاہ نے اپنے ایوان کے مناروں کے گر جانے اور آگ کے سرد ہو جانے اور مؤبد کے خواب کا حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اے عبدالمسیح بحیرہ سادہ کا خشک ہو جانا اور آگ کا بجھ جانا وغیرہ اس وجہ سے ہوا کہ عرب میں صاحب التلاوت یعنی صاحب القرآن (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیدا ہوئے ہیں اور بادشاہ کے ایوان کے چودہ کنگروں کا گر جانا اس طرف اشارہ ہے کہ چودہ حکمران تخت نشین ہوں گے اور پھر وہ سلطنت ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ یہ کہہ کر سطیح مر گیا اور عبدالمسیح نے واپس آ کر بادشاہ کو اس کا جواب سنایا۔ بادشاہ نے مطمئن ہو کر کہا کہ چودہ بادشاہوں کے گزرنے کے لئے عرصہ دراز چاہیے، مگر ہوا یہ کہ چار سال کے عرصے میں دس حکمران گزر گئے اور باقی چار امیر المومنین حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں پورے ہو گئے اور لشکر اسلام نے اس کو فتح کر لیا اور یہ ملک خادمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضے میں آ گیا۔ (مدارج النبوۃ، خصائص، ص 51 ج 1، شواہد النبوۃ، 26)

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات میں سے ایک جن میرا دوست تھا اور مجھ کو آئندہ کے حالات کی خبر دیا کرتا تھا اور میں ان خبروں کے ذریعے بہت فائدہ اٹھایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ آیا اور رو کر کہنے لگا کہ اب اخبار سماوی ہم سے روک دی گئی ہیں۔ جب ہم آسمان کی طرف جاتے ہیں تو ہم پر ستارے ٹوٹ کر پڑتے ہیں اب تو راہ ہدایت تلاش کر کہ ایک نبی بنی ہاشم میں ظاہر ہوا ہے۔ (عطر الوردہ)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سات آٹھ برس کا تھا اور دیکھی سنی بات کو سمجھتا تھا، ایک دن صبح کے وقت ایک یہودی نے یکا یک چلا چلا کر یہود کو پکارنا شروع کر دیا اس کی پکار سن کر سب یہودی جمع ہو گئے اور کہنے لگے تجھے کیا ہو گیا؟ کہنے لگا کہ احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وہ ستارہ جس کی ساعت میں انہوں نے پیدا ہونا تھا، وہ آج کی شب طلوع ہو گیا ہے۔ (زرقانی علی المواہب، ص120 ج1، سیرت ابن ہشام، ص168 ج1، مواہب، ص80 ج1، بیہقی، ص110 ج1، ابونعیم:75، خصائص کبریٰ، ص49 ج1، سبل الہدیٰ، ص123 ج1، درج الدرر، ص1131 ج3)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی مکہ میں سکونت پذیر تھا، جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اس کی صبح کو اس نے کہا، اے گروہ قریش! کیا تم میں آج کی شب کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں، کہنے لگا جاؤ معلوم کرو کیوں کہ آج کی شب اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت (مہر نبوت) ہے۔ قریش نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے آ کر اس کو بتایا تو وہ ان کے ساتھ آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس آیا۔ آپ کی والدہ نے قریش کے کہنے سے آپ کو نکالا۔ اس یہودی نے جب آپ کو اور آپ کی علامت یعنی مہر نبوت کو دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے کہا تجھے کیا ہوا؟ کہنے لگا خدا کی قسم! بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہو گئی۔ اے گروہ قریش سن لو اور خوش ہو جاؤ کہ یہ نبی ہیں اور تم پر ایسا غلبہ حاصل کریں گے کہ مشرق و مغرب میں ان کے غلبے کی خبریں شائع ہوں گی۔ (ابن سعد، ص129 ج1، حاکم:4177، بیہقی، ص109 ج1، ابونعیم:555، زرقانی علی المواہب، ص120 ج1، خصائص کبریٰ، ص49 ج1)

مقبول بارگاہ سید المرسلین شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَبَانَ مَوْلِدُہٗ عَنْ طِیبِ عُنْصُرِہٖ   یَا طِیبَ مُبْتَدَءٍ مِّنْہُ وَ مُخْتَتَمٖ

آپ کے زمان ولادت نے آپ کے عنصر کی پاکی و لطافت وطہارت کو ظاہر کر دیا اللہ

رہے آپ کی ابتدا و انتہا کی پاکی یا بوئے خوش۔

یَوْمٌ تَفَرَّسَ فِیْہِ الْفُرْسُ اَنَّھُمْ قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُوْسِ وَالنِّعَمِ

آپ کی ولادت کا دن وہ دن تھا جس میں اہل فارس نے فراست سے معلوم کرلیا کہ وہ نزول بلا و عذاب اور زوال سلطنت سے ڈرائے گئے ہیں۔

وَبَاتَ اِیْوَانُ کِسْرٰی وَھُوَ مُنْصَدِعٌ کَشَمْلِ اَصْحَابِ کِسْرٰی غَیْرَ مُلْتَئِمٖ

آپ کی ولادت باسعادت کے وقت کسریٰ کا محل پھٹ کر یوں بے جڑے رہ گیا جیسے کہ لشکر کسریٰ کو پھر جمع ہونا نصیب نہ ہوا۔

وَالنَّارُ خَامِدَۃُ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ عَلَیْہِ وَالنَّھْرُ سَاھِی الْعَیْنِ مِنْ سَدَمٖ

آپ کے میلاد شریف کے وقت آتشِ مجوس کے شعلے بہ سبب افسوس کے سرد پڑ گئے اور نہر فرات ندامت غم کے مارے اپنا بہاؤ چھوڑ کر سادہ کے کھالے میں جا پڑی۔

وَسَاءَ سَاوَۃً اَنْ غَاضَتْ بُحَیْرَتُھَا وَرُدَّ وَارِدُھَا بِالْغَیْظِ حِیْنَ ظَمِیْ

اس روز اہل سادہ اس امر سے غم گین ہوئے کہ سادہ بحیرہ کا پانی خشک ہو گیا اور پیاسے جو اس کے گھاٹ پر آئے غم گین و ناکام واپس لوٹے۔

وَالْجِنُّ تَھْتِفُ وَالْاَنْوَارُ سَاطِعَۃٌ وَالْحَقُّ یَظْھَرُ مِنْ مَّعْنًی وَّمِنْ کَلِمٖ

اور اس دن جن غیب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور کی آوازیں دے رہے تھے اور انوار چمک رہے تھے اور حق ظاہر و باطن سے ظاہر ہو رہا تھا۔

عَمُوْا وَ صَمُّوْا فَاِعْلَانُ الْبَشَائِرِ لَمْ تُسْمَعْ وَ بَارِقَۃُ الْاِنْذَارِ لَمْ تُشَمٖ

منکرین اندھے اور بہرے ہو گئے ان کو بشارتوں کا اعلان سنائی نہ دیا اور نہ تخویف کی بجلی ان کو نظر آئی۔

مِنْ م بَعْدِ مَا اَخْبَرَ الْاَقْوَامَ کَاھِنُھُمْ بِاَنَّ دِیْنَھُمُ الْمُعْوَجَّ لَمْ یَقُمٖ

حالاں کہ ان کو ان کے کاہنوں نے پہلے ہی خبریں دے دی تھیں کہ ان کا ناراست و کج دین آئندہ قائم نہیں رہے گا۔

وَبَعْدَ مَا عَايَنُوْاكِ فِي الْاُفُقِ مِنْ شُهُبٍ مُنْقَضَّةٍ وَّفْقَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ صَنَمٍ

اور باوجود اس کے کہ انہوں نے اطراف آسمان میں شہاب گرتے دیکھے جس طرح کہ زمین پر بتوں کا اوندھے اور مونھ کے بل گرنا دیکھا۔ (قصیدہ بردہ شریف)

پیدائش کے تین روز بعد حضرت عبدالمطلب آپ کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور یوں فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعْطَانِیْ هٰذَا الْغُلَامَ الطَّیِّبَ الْاَرْدَانِ

ہر حمد اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے مجھے یہ پاکیزہ وخوب صورت لڑکا عطا فرمایا ہے۔

قَدْ سَادَ فِي الْمَهْدِ عَلَى الْغِلْمَانِ اُعِیْذُهٗ بِاللّٰهِ ذِی الْاَرْكَانِ

یہ وہ لڑکا ہے جو گہوارے ہی میں تمام لڑکوں پر سردار ہو گیا میں اس کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں جو عزت وقوت والا ہے۔

(طبقات ابن سعد، ص103 ج1، تاریخ الخمیس، ص204 ج1، اعلام النبوۃ، ص210 ج1)

ولادت پر اظہار خوشی کرنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب کو اس کی لونڈی ثویبہ نے آکر کہا میرے آقا آپ کے مرحوم بھائی عبداللہ کے گھر نہایت خوب صورت فرزند پیدا ہوا ہے۔ ابولہب اس خبر کو سن کر اس قدر خوش ہوا کہ ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

ف: سب مسلمان جانتے ہیں کہ ابولہب نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اپنی ساری زندگی آپ کی دشمنی میں صرف کر دی تھی۔ ایسا سخت کافر کہ قرآن مجید میں پوری سورۂ تبت یدا ابی لہب اس کی مذمت میں اتری۔ باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی کرنے کا جو فائدہ اس کو حاصل ہوا، وہ دیکھئے:

فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَهَبٍ فَرَآهُ بَعْضُ اَهْلِهٖ حِيْبَةً قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ (بحیبۃ) قَالَ اَبُوْلَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَكُمْ خَيْرًا اِنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِهٖ بِعِتَاقَتِيْ ثُوَيْبَةَ

جب ابولہب مرا تو اس کے گھر والوں نے اس کو خواب میں بہت برے حال میں دیکھا، پوچھا کیا گزری؟ ابولہب نے کہا، تم سے علیحدہ ہو کر مجھے خیر نصیب نہیں

(بخاری شریف: 5101)

ہوئی، ہاں مجھے اس (کلمے کی انگلی) سے پانی ملتا ہے (جس سے میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے) کیوں کہ میں نے اس (انگلی کے اشارے) سے ولادتِ محمد کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

غور فرمایئے! ابولہب کافر تھا ہم مومن، وہ دشمن ہم غلام، اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونے کی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں۔ جب دشمن اور کافر کو ولادت کی خوشی کرنے کا اتنا فائدہ پہنچ رہا ہے تو غلاموں کو کتنا فائدہ پہنچے گا؟

دوستاں را کجا کنی محروم　　تو کہ با دشمناں نظر داری

حافظ الحدیث علامہ ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد الجزری دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اسی ابولہب کے واقعے کو لکھ کر فرماتے ہیں:

فَمَا بَالُ حَالِ الْمُسْلِمِ الْمُوَحِّدِ مِنْ اُمَّتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِیْ يَسُرُّ بِمَوْلِدِهٖ وَيَبْذُلُ مَا تَصِلُ اِلَيْهِ قُدْرَتُهٗ فِیْ مَحَبَّتِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَمْرِیْ اِنَّمَا يَكُوْنُ جَزَاءُهٗ مِنَ اللهِ الْكَرِيْمِ اَنْ يُّدْخِلَهٗ بِفَضْلِهِ الْعَمِيْمِ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ

(زرقانی علی المواہب، ص139 ج1، مواہب لدنیہ، ص89 ج1، تاریخ الخمیس، ص222، ج1، الحاوی للفتاویٰ، ص230 ج1

جب کافر ابولہب ولادت کی خوشی کرنے سے انعام دیا گیا تو اس موحد مسلمان کا کیا حال ہے؟ جو آپ کی ولادت سے مسرور ہو کر آپ کی محبت میں بقدر استطاعت خرچ کرتا ہے۔ فرماتے ہیں، مجھے میری جان کی قسم! اللہ کی طرف سے اس کی جزا یہی ہو گی کہ اللہ اپنے فضل عمیم سے اس کو جنات نعیم میں داخل فرمائے گا۔

شیخ المحدثین حضرت علامہ شاہ محمد عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے، جس میں ابولہب کو ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کرنے سے پانی ملتا

ہے،فرماتے ہیں:

دریں جا سنداست مراہل موالیدراکہ درشب میلاد آں حضرت ﷺ سرور کنند و بذل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بودقرآن بمذمت وے نازل شُدہ چوں بسرورمیلادآں حضرت وبذل جاریۂ وے بجہت آں جزا دادہ شدتا حال مسلمان کہ مملواست بمحبت وسرور و بذل مال دروے چہ باشدولیکن باید کہ از بدعتہا کہ عوام احداث کردہ انداز تغنی وآلات محرمہ ومنکرات خالی باشد۔

(مدارج النبوت،ص19،ج2)

کہ اس حدیث میں میلاد شریف کرنے والوں کی روشن دلیل ہے جو سرور عالم ﷺ کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابو لہب جو کافر تھا اور جس کی مذمت میں قرآن پاک نازل ہوا جب حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں محبت سے بھرپور ہوکر مال خرچ کرتا ہےاور میلاد شریف کرتا ہے لیکن چاہیے کہ میلاد شریف عوام کی بدعتوں یعنی گانے بجانے حرام آلات اور منکرات شرعیہ سے خالی ہو۔

امام المحدثین علامہ احمد بن محمد القسطلانی شافعی المصری رحمۃ اللہ علیہ میلاد شریف کرنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَلَا زَالَ اَھْلُ الْاِسْلَامِ یَحْتَفِلُوْنَ بِشَھْرِ مَوْلِدِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَیَعْمَلُوْنَ الْوَلَآئِمَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ فِیْ لَیَالِیْہِ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَیَظْھَرُوْنَ السُّرُوْرَ وَیَزِیْدُوْنَ فِی الْمُبَرَّاتِ وَیَحْتَنُوْنَ بِقِرَاءَۃِ

کہ حضور ﷺ کی ولادت کے مہینے میں اہل اسلام ہمیشہ سے محفلیں منعقد کرتے چلے آئے ہیں اور خوشی کے ساتھ کھانے پکاتے اور دعوت طعام کرتے رہے ہیں اور ان راتوں میں انواع و اقسام کی

مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ وَيَظْهَرُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَرَكَاتِهِ كُلُّ فَضْلٍ عَمِيْمٍ وَمِمَّا جُرِّبَ مِنْ خَوَاصِهِ اَنَّهُ اَمَانٌ فِي ذَالِكَ الْعَامِ وَبُشْرٰى عَاجِلَةٌ بِنَيْلِ الْبُغْيَةِ وَالْمَرَامِ فَرَحِمَ اللهُ اِمْرَأً اِتَّخَذَ لَيَالِيَ شَهْرِ مَوْلِدِهِ الْمُبَارَكِ اَعْيَادًا لِيَكُوْنَ اَشَدُّ عِلَّةً عَلٰى مَنْ فِيْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَعِنَادٌ۔

(زرقانی علی المواہب، ص 140 ج 1، تاریخ الخمیس، ص223 ج1)

خیرات کرتے اور سرور ظاہر کرتے چلے آئے ہیں اور نیک کاموں میں ہمیشہ زیادتی کرتے رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کے پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے ہیں چناں چہ ان پر اللہ کے فضل عمیم اور برکتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اور یہ میلاد شریف کے خواص میں سے آزمایا گیا ہے کہ جس سال میلاد شریف پڑھا جاتا ہے وہ سال مسلمانوں کے لئے حفظ وامان کا سال ہو جاتا ہے اور میلاد شریف کرنے سے دلی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے ماہ ولادت کی تمام مبارک راتوں کو عید بنا لیا، تاکہ یہ عید میلاد سخت ترین علت و مصیبت ہو، اس شخص پر جس کے دل میں مرض وعناد ہے۔

علامہ قسطلانی کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ماہ میلاد یعنی ربیع الاول شریف میں میلاد کی محفلیں منعقد کر کے ذکر ولادت کرنا اور انواع واقسام کے کھانے پکانا اور شیرینیاں تقسیم کرنا اور خوشی ومسرت کا اظہار کرنا، ہمیشہ سے اہل اسلام کا طریقہ رہا ہے۔ نیز وہ شخص جو میلاد کی راتوں کو عید مناتا اور محفل شریف کرتا ہے اس کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اور اس پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس کے لئے سخت مصیبت ہے جس کے دل میں مرض وعناد ہے۔

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر روح البیان، آیہ کریمہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (فتح: 29) کے تحت فرماتے ہیں:

وَمِنْ تَعظِیْمِہٖ عَمَلُ الْمَوْلِدِ اِذَا لَمْ یَکُنْ فِیْہِ مُنْکَرٌ قَالَ الْاِمَامُ السَّیُوْطِیُّ یَسْتَحِبُّ لَنَا اِظْھَارُ الشُّکْرِ لِمَوْلِدِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ

(روح البیان ص 661 ج 5)

کہ میلاد شریف کرنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک تعظیم ہے۔ جب کہ وہ بری باتوں سے خالی ہو امام سیوطی نے فرمایا ہے کہ ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب (پسندیدہ) ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

وَقَدِ اسْتَخْرَجَ لَہُ الْحَافِظُ اِبْنُ حَجَرٍ اَصْلًا مِّنَ الْسُنَّۃِ وَکَذَا الْحَافِظُ السَّیُوْطِیُّ وَرَدَّ عَلٰی فِیْ قَوْلِہٖ اِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ بِدْعَۃٌ مَذْمُوْمَۃٌ۔

(روح البیان، ص 661 ج 5، سیرت حلبیہ، ص 124 ج 1)

حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے میلاد شریف کی اصل، سنت سے ثابت کی ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جو میلاد کو بدعت کہہ کر منع کرتے ہیں۔

علامہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَخْبَرَنِیْ سَیِّدُ الْوَالِدُ قَالَ کُنْتُ اَصْنَعُ فِیْ اَیَّامِ الْمَوْلِدِ طَعَامًا صِلَۃً بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَفْتَحْ لِیْ سَنَۃً مِّنَ السِّنِیْنَ شَیْئٌ اَصْنَعُ طَعَامًا فَلَمْ اَجِدْ اِلَّا حُمُّصًا مُّقْلِیًا فَقَسَمْتُہٗ بَیْنَ النَّاسِ فَرَاَیْتُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ یَدَیْہِ ھٰذِہٖ الْحُمُّصُ مُتَبَھِّجًا

میرے والد ماجد نے مجھ کو بتایا کہ میں میلاد شریف کے دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی میں کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال سوائے بھنے ہوئے چنوں کے کچھ میسر نہ آیا، وہی لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ بھنے ہوئے چنے آپ کے روبرو ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت

بَشَاشًا۔ (درثمین، ص3) مسرور اور خوش ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (یونس:58) فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت (کے ملنے) پر چاہیے کہ لوگ خوشی کریں

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے فضل و رحمت کے حصول پر خوشی کا اظہار کرنا، حکم الٰہی ہے اور بلا شبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم اور رحمت عمیم ہے، تو جس روز اس نعمت و رحمت کی تشریف آوری ہوئی، اس روز خوشی کرنا اس آیہ کریمہ پر عمل ہوا۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ (ابراہیم:5) اور یاد دلاؤ ان کو اللہ کے دن۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سب دنوں اور راتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے اور سب دن اللہ کے ہی ہیں، مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سے دن ہیں جن کو خاص طور پر یاد دلانے کا حکم دیا گیا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ ایام اللہ سے وہ دن مراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعامات فرمائے، اہل ایمان جانتے ہیں کہ سردار دو جہاں، باعث کون و مکاں رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا، اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں، باقی تمام نعمتیں انہیں کا صدقہ ہیں، اگر وہ نہ ہوتے، کچھ بھی نہ ہوتا۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

تو جس دن یہ نعمت عظمیٰ عطا ہوئی اس دن کو یاد دلانا اور لوگوں کو بتانا کہ یہ ہے وہ دن، جس دن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بھیج کر مومنوں پر بڑا احسان و انعام فرمایا۔ اس حکم الٰہی کی تعمیل ہے اور اسی پر ان ایام کو جن میں بڑے بڑے واقعات ظہور میں آئے اور بزرگانِ دین پر انعاماتِ الٰہیہ ہوئے، قیاس کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مکہ

مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، تو ان سے فرمایا کہ تم عاشورہ کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ دن نہایت مقدس و مبارک ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمن فرعون سے نجات بخشی اور ہم تعظیماً اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ:

فَنَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰی مِنْكُمْ فَصَامَهٗ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ (بخاری: 2004-3397، مسلم: 128-1130، ابوداؤ: 2444، مشکوٰۃ: 2067، ابن ماجہ: 1734)

ہم موسیٰ (علیہ السلام) کی فتح کا دن منانے میں تم سے زیادہ حق دار ہیں۔ پس حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

ناظرین غور فرمائیں کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات بخشی وہ دن قوم بنی اسرائیل کے نزدیک مبارک ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس کا مبارک ہونا مسلّم۔ بنی اسرائیل اس دن کی تعظیم کریں اور اس کو منائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بدعت نہ کہیں، بلکہ فرمائیں کہ ہم تم سے زیادہ حق دار ہیں کہ اس کی تعظیم کریں اور اس کو منائیں، چناں چہ خود بھی منایا اور منانے کا حکم بھی دیا تو جس دن وہ کائنات کے نجات دہندہ تشریف لائے جن کے تشریف لانے سے کائنات کو کفر وشرک ظلم وستم جہالت وگم راہی سے نجات ملی، وہ دن کیوں نہ منایا جائے۔ حق یہ ہے کہ میلاد کی محفلیں کرنا بہت ہی زیادہ رحمت و برکت اور مفید ہے۔ کیوں کہ سامعین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسب ونسب، پیدائش و پرورش، بچپن و جوانی، بعثت ونبوت، فضائل وکمالات، اولاد و ازواج اور بہت سے دینی مسائل معلوم ہو جاتے ہیں، اور آج کل اس کی سخت ضرورت ہے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وکمالات اور حالات وواقعات سن کر ایمان قوی ہوتا ہے اور محبت بڑھتی ہے، عمل میں تیزی، جذبات میں فرحت، اپنے اخلاق واعمال کو انہیں کے ارشاد کے مطابق کرنے کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو محسن کائنات علیہ الثنا والتحیات کی سیرت وصورت، خصائص ومحامد کے بیان اور حمد ونعت کے نغموں سے اپنے قلوب کو منور اور صلوٰۃ وسلام کا تحفہ

پیش کر کے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں۔ فَجَزَاهُمُ اللهُ خَيْرَ الْجَزَآءِ۔

شب میلاد کی عظمت

امام المحدثین علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی المصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شبِ میلادِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شب قدر سے بھی افضل ہے اس لئے:

اِنَّ لَيْلَةَ الْمَوْلِدِ لَيْلَةُ ظُهُوْرِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْلَةَ الْقَدْرِ مُعْطَاةٌ لَّهٗ وَمَا شَرَفَ بِظُهُوْرِ ذَاتِ الْمُشَرَّفِ مِنْ اَجْلِهٖ اَشْرَفُ مِمَّا شَرَفَ بِسَبَبَ مَا اُعْطِيَهُ وَلَا نِزَاعَ فِيْ ذٰلِكَ فَكَانَتْ لَيْلَةُ الْمَوْلِدِ اَفْضَلُ مِّنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اَلثَّانِيْ اَنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ شُرِّفَتْ بِنَزُوْلِ الْمَلٰٓئِكَةِ فِيْهَا وَلَيْلَةَ الْمَوْلَدِ شُرِفَتْ بِظُهُوْرِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلثَّالِثُ اَنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَقَعَ فِيْهَا التَّفْضِيْلُ عَلٰٓى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْلَةَ الْمَوْلِدِ الشَّرِيْفِ وَقَعَ التَّفْضِيْلُ فِيْهَا عَلٰى سَآئِرِ الْمَوْجُوْدَاتِ فَهُوَ الَّذِيْ بَعَثَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ فَعَمَّتْ بِهِ النِّعْمَةُ عَلٰى جَمِيْعِ الْخَلَائِقِ فَكَانَتْ لَيْلَةُ الْمَوْلِدِ اَعَمَّ نَفْعًا فَكَانَتْ اَفْضَل فَيَا شَهْرًا مَا اَشْرَفَهٗ وَاَفَرْ حُرْمَةُ لَيَالِيْهِ كَاَنَّهَا لَاٰلِىْ فِي الْعُقُوْدِ

کہ میلاد کی شب خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی رات ہے اور شب قدر حضور کو عطا کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جس رات کو ذاتِ اقدس سے شرف ملا وہ اس رات سے ضرور افضل قرار پائے گی، جو آپ کو دیئے جانے کی وجہ سے شرف والی ہے اور اس میں کوئی نزاع نہیں ہے لہٰذا شب میلاد شب قدر سے افضل ہوئی، دوسری وجہ افضل ہونے کی یہ ہے کہ لیلۃ القدر نزول ملائکہ کی وجہ سے مشرف ہوئی اور لیلۃ المیلاد بنفس نفیس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور مبارک سے شرف یاب ہوئی تیسری وجہ لیلۃ المیلاد کے افضل واکرم ہونے کی یہ ہے کہ شب قدر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر فضل واحسان ہے اور شب میلاد میں تمام موجودات عالم پر فضل و احسان ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے تو آپ کی وجہ سے

(مواہب لدنیہ، ص 88 ج 1، زرقانی علی المواہب، ص 135 ج 1، تاریخ الخمیس، ص 198 ج 1، نہایۃ الایجاز، ص 72 ج 1)

اللہ کی نعمتیں تمام خلائق پر عام ہو گئیں، پس شبِ میلاد بلحاظِ نفع شب قدر سے زیادہ ہے لہٰذا شب میلاد افضل ہے۔ اے میلاد کے مبارک مہینے تو کس قدر افضل و اشرف ہے اور تیری راتوں کی حُرمت کتنی وافر ہے گویا کہ وہ راتیں عقود زمانہ میں انوار کے موتی ہیں۔

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ماثبت بالسنۃ صفحہ 78 پر شب میلاد کے افضل ہونے پر یہی دلائل قائم فرمائے ہیں۔

☆......☆......☆......☆

تاریخ ولادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کس ماہ کس تاریخ اور کس دن میں ہوئی؟ جہاں تک ماہ اور دن کا تعلق ہے اس میں سب کا اتفاق ہے کہ ماہ، ربیع الاول شریف اور دن، پیر تھا، چناں چہ علامہ امام محمد بن عبدالباقی المالکی الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالْمَشْهُوْرُ اَنَّهٗ وُلِدَ فِيْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَآءِ وَنَقَلَ ابْنُ الْجَوْزِی الْاِتِّفَاقَ۔

(زرقانی،ص130 ج1)

اور مشہور یہی ہے کہ آپ ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے اور محدث ابن جوزی نے اس بات پر اجماع واتفاق نقل کیا ہے

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ

(مسلم:197-1162،مشکوٰۃ:2045،مسند احمد:22550)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا اسی دن ہماری ولادت ہوئی اور اسی دن ہم پر وحی نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

وَلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے

(مسند احمد:2506، زرقانی علی المواہب،ص133 ج1)

وَكَانَ مَوْلِدُهٗ اَيْضًا وَنَقَلَتُهٗ لِيَوْمِ الْاِثْنَيْنِ هٰذَا الْاَمْرُ مُعْتَبَرٌ (روض النظیف)

اور آپ کی ولادت شریف اور وفات شریف پیر کو ہوئی اور یہ بات معتبر ہے۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس میں اختلاف ہے، کتب تواریخ وسیر میں ربیع الاول کی دو، آٹھ، دس، بارہ وغیرہ کی روایات موجود ہیں۔ بعض جدید مؤرخین نے قواعد ریاضی سے حساب لگا کر نو ربیع الاول شریف کو قطعی قرار دیا ہے اور بعض نے قواعد ہیئت سے ثابت کیا ہے کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی حالاں کہ یکم اور نو ربیع الاول کی کوئی روایت نظر سے نہیں گزری۔ مؤلف ناچیز کے نزدیک بارہ ربیع الاول کو ترجیح ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ چناں چہ علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی المصری فرماتے ہیں:

وَالْمَشْهُوْرُ اَنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُلِدَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ ثَانِيْ عَشَرَ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ وَغَيْرِهٖ وَقَالَ وَعَلَيْهِ عَمَلُ اَهْلِ مَكَّةَ (قَدِيْمًا وَحَدِيْثًا) فِيْ زِيَارَتِهِمْ مَوْضِعَ مَوْلِدِهٖ فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ (زرقانی علی المواہب، ص132 ج1، مواہب لدنیہ، ص85 ج1، تاریخ الخمیس، ص196 ج1، منتھی السئول، ص130 ج3)

اور مشہور یہی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور یہی محمد بن اسحق و دیگر علماء نے فرمایا ہے اور اسی پر اہل مکہ کا قدیماً وحدیثاً عمل ہے کہ وہ آج تک اسی تاریخ کو آپ کے پیدا ہونے کی جگہ کی (خصوصیت سے) زیارت کرتے ہیں۔

اور علامہ امام محمد بن عبدالباقی المالکی الزرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ وَبَالَغَ ابْنُ الْجَوْزِيُّ وَابْنُ الْجَزَّارِ فَنَقَلَا فِيْهِ الْاِجْمَاعَ وَهُوَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْعَمَلُ (زرقانی، ص132 ج1)

ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ جمہور کے نزدیک وہی 12 ربیع الاول ہی مشہور ہے اور محدث ابن الجوزی و ابن الجزار دونوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور اسی پر عمل ہے۔

علامہ ابن اثیر اور ابن ہشام صرف محمد بن اسحٰق کی ہی روایت کو اختیار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وُلِدَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیر کے دن بارہ

يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ لَيْلَةً خَلَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ

ربیع الاول کے دن پیدا ہوئے (ابن ہشام ص167 ج1، کامل ابن اثیر ص205 ج1)

عارف کامل حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولادت وے صلے اللہ علیہ وسلم روز دوشنبہ دوازدہم ربیع الاول پنجاہ و پنج روز بعد از واقعہ فیل بود

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت واقعہ اصحاب فیل کے پچپن روز بعد بہ روز پیر بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ (شواہد النبوۃ ص22)

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومولود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آں سال بود کہ ابرہہ سپاہ وپیل بدر کعبہ آوردہ بودو ہلاک گشت و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در امسال بوجود آمدہ بود، درروز دوشنبہ دوازدہم غزہ شہر ربیع الاول

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اس سال میں ہوئی جس سال ابرہہ بادشاہ لشکر و ہاتھی لے کر کعبۃ اللہ شریف پر حملہ آور ہو کر آیا تھا اور وہیں ہلاک ہو گیا تھا۔ بروز پیر بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔

(تاریخ طبری جلد سوم، ص339)

شیخ المحققین علامہ شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بداں کہ جمہور اہل سیر وتواریخ برآنند کہ تولد آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در عام الفیل بود بعد از چہل روز یا پنجاہ و پنج روز وایں قول اصح اقوال است ومشہور آنست کہ در ربیع الاول بود وبعضے علماء دعوٰی اتفاق بریں قول نمودہ ودوازدہم ربیع الاول بودو بعضے گفتہ اند بدو شبے کہ گزشتہ بودند از دے و بعضے ہشت شبے کہ گزشتہ بودو اختیار

کہ جمہور اہل سیر وتواریخ اس پر متفق ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت واقعہ اصحاب فیل کے چالیس یا پچپن روز بعد اسی سال ہوئی اور یہی قول تمام اقوال سے صحیح ہے اور مشہور یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی اور بعض علماء اس قول پر اتفاق و اجماع بیان کرتے ہیں اور بعضے فرماتے ہیں کہ ربیع الاول کی دو تاریخ کو اور بعضے کہتے

بسیارے از علماء بر این است ونزد بعضے دہ نیز آمد وقول اول اشہر واکثر است وعمل اہل مکہ بر این است وزیارت کردن ایشاں موضع ولادت شریف را دریں شب وخواندن مولود۔

(مدارج النبوۃ،ص14ج2)

ہیں کہ آٹھ تاریخ کو پیدا ہوئے اور بعض کے نزدیک دسویں رات ہے اگرچہ آٹھویں تاریخ کو بہت علماء نے اختیار فرمایا ہے لیکن قول اول یعنی بارہ ربیع الاول شریف زیادہ مشہور ہے اور اسی پر علماء کی اکثریت ہے اور اہل مکہ کا اسی پر عمل کہ اسی تاریخ کو جائے ولادت پر حاضر ہوکر اس کی زیارت کرتے اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔

بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ولادت مکہ معظّمہ ہے۔ اور اہل مکہ کا قدیم سے ہر سال بارہ ربیع الاول کو جائے ولادت پر حاضر ہونا اور میلاد شریف پڑھنا اس کی روشن دلیل ہے کہ آپ کی تاریخ ولادت بارہ ربیع الاول ہے۔

رضاعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات روز اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا اور چند روز حضرت ثویبہ (ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی) کا دودھ پیا ہے اور بعد ازاں یہ سعادت وشرف حضرت حلیمہ سعدیہ کو حاصل ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ پلانے کے لئے مخصوص کر دی گئیں۔

ملک عرب کا دستور تھا کہ شہر کے لوگ اپنے شیر خوار بچوں کی پرورش کے لئے انہیں دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ کھلی ہوا اور آزاد فضا میں ان کے جسم کی مناسب نشوونما ہو سکے اور ان میں عرب کی خالص خصوصیات اور مردانگی کے جوہر پیدا ہوں اور مدت رضاعت ختم ہونے پر معقول معاوضہ دے کر واپس لے لیتے تھے، اس لئے دیہات کی رہنے والی عورتیں سال میں ایک دو مرتبہ شہر میں آتیں اور بچے لے جاتیں۔ چناں چہ اسی دستور کے مطابق قبیلہ بنی سعد بن بکر کی چند عورتیں جن میں ایک حلیمہ بھی تھیں مکہ میں بچے

لینے کی غرض سے آئیں، حلیمہ کے ساتھ ان کے شوہر (حارث بن عبد العزیٰ) اور ان کے شیر خوار بیٹے (عبداللہ) بھی تھے۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ ہم ایک گدھی اور ایک اونٹنی پر سوار ہو کر آئے تھے، قحط سالی کی وجہ سے اونٹنی اور گدھی کا یہ حال تھا کہ گدھی سے چلا نہیں جاتا تھا اور اونٹنی دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتی تھی اور خود میرا یہ حال تھا کہ مجھ کو اتنا دودھ بھی نہیں آتا تھا کہ جس سے میرے بچے کا پیٹ بھر سکے۔ چناں چہ وہ بھوک کی شدت سے ہر وقت روتا اور اس کے رونے کی وجہ سے نہ رات کو چین کی نیند سوتے اور نہ دن کو آرام پاتے۔ چوں کہ میں اپنی گدھی کی لاغری کی وجہ سے کچھ پیچھے رہ گئی اور دوسری سب عورتیں مجھ سے پہلے مکہ میں پہنچ گئی تھیں۔ اس لئے انہوں نے سب بچوں کا انتخاب کر لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی عورت نے نہ لیا۔ کیوں کہ جب اس کو بتایا جاتا کہ آپ یتیم ہیں، تو وہ یہ سمجھ کر کہ ان کا معقول معاوضہ نہیں ملے گا، آگے نہ بڑھتی اور وہیں سے واپس ہو جاتی۔ جس وقت میں مکہ میں پہنچی اس وقت سوائے آپ کے اور کوئی بچہ نہ تھا میں نے اپنے شوہر سے کہا۔ واللہ میں اس بات کو مکروہ سمجھتی ہوں کہ میں اس طرح واپس جاؤں کہ میرے ساتھ کوئی بچہ نہ ہو۔ میں اسی یتیم کو لے آتی ہوں۔ شوہر نے تائید کی اور میں آپ کو لینے کے لئے چل پڑی۔

علامہ امام محمد عبدالباقی المالکی روایت فرماتے ہیں کہ جب حلیمہ حضرت عبدالمطلب کے گھر میں داخل ہوئیں تو حضرت عبدالمطلب نے ہاتف غیبی کو یہ کہتے ہوئے سنا:

اِنَّ ابْنَ اٰمِنَةَ الْاَمِیْنَ مُحَمَّدًا خَیْرُ الْاَنَامِ وَخِیْرَۃُ الْاَخْیَارِ

بے شک آمنہ کا بیٹا امین ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور تمام مخلوق میں بہتر (بلکہ) تمام بہتروں میں بہتر ہے۔

مَا اِنَّ لَہٗ غَیْرُ الْحَلِیْمَةِ مُرْضِعَةً نِعْمَ الْاَمِیْنَةُ هِیَ عَلَی الْاَبْرَارِ

حلیمہ کے سوا اس کو دودھ پلانے والی کوئی نہیں، وہ نیکوں پر بہت ہی اچھی امانت دار ہے۔

مَاْمُوْنَةٌ مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ فَاحِشٍ وَنَقِیَّةُ الْاَثْوَابِ وَالْاَزْوَارِ

اور وہ ہر عیب فاحش سے مامون ومحفوظ ہے، اور صاف لباس اور صاف بٹنوں والی ہے۔

لَا تُسَلِّمُهُ اِلٰی سِوَاهَا اَنَّهٗ اَمْرٌ وَّحُكْمٌ جَآءَ مِنَ الْجَبَّارِ

اس کو حلیمہ کے سوا کسی اور کے سپرد نہ کرو، کیوں کہ یہ حکم خدائے جبار کی طرف سے ہے۔

(زرقانی علی المواہب، ص264 ج1، سبل الہدیٰ، ص386 ج1)

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ عبدالمطلب مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا، تیرا نام کیا ہے؟ میں نے کہا حلیمہ سعدیہ، یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا:۔

سعادت اور حلیمی خوبیاں دو پاس ہیں تیرے
انہی دونوں کے باعث کام سارے راس ہیں تیرے
مرے پاس ایک بچہ ہے پدر جس کا نہیں زندہ
مگر اک خاص جلوے سے ہے چہرہ اس کا تابندہ
(حفیظ)

پھر مجھے وہیں لے گئے جہاں آپ تشریف فرما تھے میں نے آپ کو دودھ سے زیادہ سفید صوف کے پارچے میں لپٹے ہوئے سبز حریر پر سیدھا سوتے ہوئے اس طرح پایا کہ آپ کا ہاتھ آپ کے سینہ مبارک پر تھا اور آپ سے کستوری کی سی نہایت پاکیزہ خوش بو مہک رہی تھی اور آپ کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ میں دیکھتے ہی بصد ہزار جان و دل قربان و فریفتہ ہوگئی، قریب ہو کر میں نے اپنا ہاتھ نرمی اور پیار سے آپ کے سینہ مبارک پر رکھ دیا تو آپ نے تبسم فرمایا اور اپنی مبارک آنکھیں کھول دیں، آپ کی آنکھوں سے ایک نور نکلا جس کی شعاعیں آسمان تک پہنچیں اور آپ نے میری طرف دیکھا، میں نے فرط محبت سے آپ کو اٹھایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور گود میں لے کر اپنی داہنی چھاتی آپ کے منھ میں دے دی تو اس قدر دودھ اتر آیا کہ میں حیران تھی۔ چناں چہ آپ نے جتنا چاہا پیا۔ پھر میں نے آپ کو بائیں طرف پھیرا تو آپ نے بائیں چھاتی کا دودھ پینے سے انکار کر دیا اور برابر یہی طریقہ مبارک رہا کہ ہمیشہ دائیں طرف سے پیتے، بائیں طرف سے نہ پیتے۔

اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ چوں کہ پروردگار عالم نے بے شمار علوم آپ کی فطرت میں ودیعت فرما کر آپ کو پیدا کیا تھا اور آپ جانتے تھے کہ حلیمہ کا بیٹا عبداللہ بھی میرا دودھ شریک ہے، اس لئے بائیں طرف آپ اس کے لئے چھوڑ دیتے تھے، گویا تشریف لاتے ہی عدل و انصاف کی مثال قائم فرما دی کہ میں کسی کا حق دبانے نہیں بلکہ عدل و انصاف کرنے اور اہل حق کو ان کا حق دلانے آیا ہوں۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے آپ کی والدہ حضرت آمنہ اور حضرت عبدالمطلب سے آپ کو لے جانے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے بخوشی اجازت دی۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لخت جگر نور نظر کو میرے سپرد کیا اور صحت و سلامتی کے ساتھ واپس لوٹنے کی دعائیں کیں۔

چلی ڈیرے کی جانب آج ایسے نور کو لے کر
مہ و خورشید صدقے ہو رہے تھے جس کے قدموں پر

پھر میں آپ کو لے کر شوہر کے پاس آئی اور اس کو دکھلایا تو وہ بھی آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا۔ ہماری وہ اونٹنی جو قحط کی ماری ہوئی ایک قطرہ بھی دودھ نہ دیتی تھی، اس کے تھن دودھ سے بھر گئے اور میرے شوہر نے اس دودھ کو خود بھی پیا اور مجھے بھی پلایا اور خود مجھ کو اتنا دودھ آ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور میرے بیٹے نے سیراب ہو کر پیا اور ہم نے چین کی نیند سو کر رات گزاری۔ یہ برکات دیکھ کر میرے شوہر نے کہا۔ حلیمہ خدا کی قسم یہ سب برکتیں اسی مبارک بچے کے سبب سے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ اس ذات بابرکات کی خدمت کی وجہ سے برکتوں میں اور اضافہ ہی ہوگا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے طفیل ہمارا گھر رحمتوں اور برکتوں کا گہوارہ بن گیا۔

فرماتی ہیں کہ میرے شوہر نے مجھ کو کہا، حلیمہ خاموش رہو اور ان باتوں کو چھپاؤ کیوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جس دن سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے اس دن سے علماء یہود کو کھانا پینا، سونا اور عیش کرنا ناگوار و حرام ہو گیا ہے، اگر ان کو معلوم ہو گیا تو وہ اس بچہ کے ساتھ اور تیرے

ساتھ حسد کریں گے۔ تین دن مکہ میں ٹھہرنے کے بعد دوسری عورتیں بچوں کے والدین سے رخصت لے کر چلیں تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کے پاس الوداعی سلام کرنے اور واپس جانے کی اجازت لینے گئی، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ سے کہا خدا کی قسم! یہ بچہ جو میں نے لیا ہے، ایسا بابرکت ہے کہ میں نے ایسی خیر و برکت والا بچہ ہرگز نہیں دیکھا۔

آپ کی والدہ نے اپنے نورِ نظر کو پیار کیا اور مجھ کو دیتے ہوئے کہا:

أُعِيذُهُ بِاللهِ ذِى الْجَلَالِ مِنْ شَرِّ مَا مرّ عَلَى الْجِبَالِ

میں اس بچے کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں ہر اس جسمانی بیماری و تکالیف سے جو لاحق ہونے والی ہیں۔

حَتّٰى اَرَاهُ حَامِلَ الْحَلَالِ وَيَفْعَلُ الْعُرْفَ اِلَى الْمَوَالِ

یہاں تک کہ میں اسے امر حلال کا حامل اور غلاموں کے ساتھ نیکی کرنے والا دیکھوں

وَغَيْرِهِمْ مِّنْ حَشْوَةِ الرِّجَالِ

اور صرف غلاموں کے ساتھ ہی نہیں، بلکہ ان کے علاوہ دوسرے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے ساتھ نیکیاں کرنے والا دیکھوں۔

اور پھر مجھے تاکید کی کہ اس بچہ کی طرف سے خبردار رہنا، کیوں کہ عنقریب اس کی ایک خاص شان ہوگی۔ (طبقات ابن سعد، ص 90 ج 1)

چناں چہ واپس آ کر میں اپنی گدھی پر سوار ہوئی اور آپ کو اپنی گود میں لے لیا تو میری گدھی نے کعبہ کی طرف تین سجدے کیے (یعنی سر جھکایا اور اپنا مونھ زمین پر رکھا) اور پھر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور چلی۔

ف: گدھی کا سجدہ کرنا اور آسمان کی طرف سر اٹھانا پروردگار عالم کے حضور اظہار عجز و شکر تھا کہ اس نے مجھ کو یہ شرف بخشا ہے کہ سردار دو جہاں، باعث کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج مجھ پر سوار ہیں۔

فرماتی ہیں آپ کی برکت سے میری وہی گدھی جس سے لاغری اور کم زوری کے سبب

چلا نہیں جاتا تھا اب وہ اس قدر چست اور توانا ہوگئی کہ ان تمام سواریوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گئی، جو مکہ سے پہلے کی چلی ہوئی تھیں، یہ دیکھ کر دوسری عورتیں تعجب سے مجھ سے کہنے لگیں۔ اے بنت ذویب کیا یہ وہی گدھی ہے جس سے بوجہ لاغری چلا نہیں جاتا تھا اور گر گر پڑتی تھی؟ میں کہتی، ہاں یہ وہی ہے مگر وہ اعتبار نہ کرتیں اور کہتیں کہ آخر دو تین روز میں یہ اس قدر چالاک اور فربہ و توانا کیسے ہوگئی؟ میں قسم کھا کر کہتی، کہ واللہ یہ وہی ہے اس سے وہ بہت متعجب ہوئیں اور بولیں کہ اب تو اس کی عجیب شان ہے۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب میں ان عورتوں سے گفتگو کر کے خاموش ہوئی تو گدھی (خدا کی قدرت سے) بولی، میں نے سنا، تو وہ یہ کہہ رہی تھی واقعی اب میری بڑی اور عجیب شان ہے، اللہ نے مجھ کو مرنے (یعنی انتہائی کم زوری کہ مثل مردہ کے تھی) کے بعد زندہ کیا (یعنی توانا و فربہ اور چالاک) کیا ہے۔

یَا نِسَآءَ بَنِیْ سَعْدٍ اِنَّکُنَّ لَفِیْ غَفْلَۃٍ وَّھَلْ تَدْرِیْنَ مَنْ عَلٰی ظَھْرِیْ خِیَارُ النَّبِیِّیْنَ وَسَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَیْرُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَحَبِیْبُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(زرقانی علی المواہب، ص145، مدارج النبوۃ ص25 ج2، سیرۃ حلبیہ، ص132 ج1، تاریخ الخمیس، ص224 ج1، مواہب لدنیہ، ص 92 ج1)

اے بنی سعد کی عورتو! تم غفلت میں ہو اور تم نہیں جانتی ہو کہ میری پیٹھ پر کون سوار ہے، میری پیٹھ پر خیر الانبیاء سید المرسلین خیر الاولین و الآخرین اور حبیب رب العلمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سوار ہیں۔

فرماتی ہیں کہ راستے میں اپنے دائیں اور بائیں سے میں سنتی تھی کہ کوئی کہنے والا کہتا تھا کہ اے حلیمہ! تو (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالنے کے سبب سے) دولت مند اور بنی سعد کی تمام عورتوں سے افضل و اعلیٰ ہوگئی ہے۔ اس کے بعد میں بکریوں کے گلّے کے پاس سے گزری تو بکریاں دوڑ کر آئیں اور بولیں اے حلیمہ تو جانتی ہے کہ تیرا رضیع محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

پروردگار عالم کا رسول اور بہترین اولاد آدم ہے۔ (مدارج النبوۃ، ص 25 ج 2)

جب ہم خیر و عافیت سے اپنے گھر پہنچے تو بنی سعد کا کوئی مکان ایسا نہ رہا۔ جس میں آپ کی خوش بو نہ پہنچی ہو ایک عرصہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے سخت قحط اور زمین ایسی خشک اور ویران ہو چکی تھی کہ کہیں سبزے کا تنکا تک نظر نہیں آتا تھا اور میری بکریاں جو قحط سالی کا شکار ہو کر اس قدر کمزور اور پتلی دبلی ہو چکی تھیں کہ دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتی تھیں، آپ کی برکت سے فربہ اور موٹی ہو گئیں اور سب دودھ دینے لگ گئیں، ان کا دودھ دوھ کر ہم سب سیراب ہو کر پیتے، حالاں کہ ہمارے گاؤں میں کسی کی بکریاں بھی دودھ نہیں دیتی تھیں۔ چناں چہ ہماری قوم کے لوگ اپنے اپنے چرواہوں سے کہنے لگے، کہ تم بکریوں کو اس چراگاہ میں کیوں نہیں لے جاتے جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں، لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ حلیمہ کی بکریوں کے سرور و نشاط کی وجہ کیا ہے اور وہ کیوں اور کیسے موٹی ہو گئی ہیں اور ان میں دودھ کیسے اور کہاں سے آ گیا ہے؟ یہ تو حلیمہ ہی جانتی تھی، جس کی آغوش میں پروردگار عالم کی رحمتیں اور برکتیں سمٹ کر آ گئی تھیں اور جس کا گھر برکتوں اور مسرتوں کا گہوارہ بن گیا تھا اور جو ازل سے ہی اس سعادت و شرف کے لئے مخصوص کی گئی تھی، کہ اس کی بکریاں کیوں اور کس وجہ سے موٹی ہو گئی ہیں اور کس چراگاہ غیب سے چر کر وہ دودھ دیتی تھیں۔ چناں چہ فرماتی ہیں کہ راعیان قوم اپنی بکریوں کو میری بکریوں کے ساتھ ایک ہی جگہ میں لے جانے اور چرانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے طفیل ان بکریوں اور مالوں میں بھی برکت عطا فرمائی اور ہمارے گھر میں اللہ تعالیٰ کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں ہوتی گئیں کہ ہم ہر لحاظ سے اپنی قوم میں مکرم و معظم ہو گئے اور ہمیں اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں، بلکہ یقین کامل تھا کہ یہ سب برکتیں آپ کے دم قدم سے ہیں۔

لَقَدْ بَلَغَتْ بِالْهَاشِمِيِّ حَلِيْمَةُ مَقَامًا عَلٰى فِيْ ذَرْوَاةِ الْعِزِّ وَالْمَجْدِ

بے شک حلیمہ اس ہاشمی (محمد ﷺ) کے سبب سے ایسے ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچ گئی جو عزت و عظمت کا بہت بلند مقام ہے۔ (سبل الہدیٰ، ص 391 ج 1، تاریخ الخمیس، ص 224 ج 1،

نہایۃ الایجاز، ص 52 ج 1)

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ ہمارے قبیلہ بنی سعد کے لوگوں نے جب آپ کی وجہ سے ہمارے گھر میں بے شمار برکتوں کا نزول دیکھا، تو ان کے دلوں میں بھی آپ کی عظمت و محبت پیدا ہوگئی اور ان سب کو آپ کے مبارک ہونے کا یقین ہوگیا، یہاں تک کہ قبیلہ بنی سعد کا کوئی آدمی یا کوئی جان ور (اونٹ بکری وغیرہ) جب کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا تو وہ اس کو لے کر ہمارے گھر آ جاتے اور آپ کو لے کر آپ کا دست مبارک مریض کے جسم پر پھیرتے تو وہ تندرست ہو جاتا۔ (زرقانی علی المواہب، ص 145 ج 1)

بچپن شریف

اللہ اللہ وہ بچپنے کی پھبن اس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام

یہ ایک حقیقت واقعیہ ہے کہ وہ افراد جن کے لئے ازل ہی سے شان امتیازی مقدر ہو چکی ہے، جب اس عالم شہود میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو ان کے بچپن کے حالات سے ہی ان کے روشن مستقبل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن شریف بھی سراپا اعجاز تھا۔ حضرت ابن سبع نے آپ کے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ ملائکہ آپ کے گھوارے کو ہلایا کرتے۔ یعنی جھولا جھولایا کرتے تھے۔ (زرقانی علی المواہب، ص 148 ج 1، خصائص کبریٰ، ص 53 ج 1)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں نے آپ کے بچپن میں آپ کی ایک ایسی بات دیکھی تھی، جو کہ آپ کی نبوت پر دلالت کرتی تھی اور میرے ایمان لانے میں اس کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ وہ یہ تھی کہ میں نے آپ کو گھوارے میں چاند سے کلام کرتے اور جدھر آپ کی انگلی کا اشارہ ہوتا، ادھر چاند کو جھکتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا میں چاند سے، اور چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا، اور وہ مجھ کو رونے نہیں دیتا تھا اور جس وقت چاند عرش الٰہی کے نیچے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا، میں اس کے گرنے کی آواز کو سنتا تھا۔ (زرقانی علی المواہب، ص 146 ج 1، بیہقی، ص 41 ج 2، ابن عساکر، ص 360 ج 4، خصائص کبریٰ ص 53 ج 1)

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ کے بول و براز کا روزانہ ایک وقت مقرر تھا۔ دوسرے بچوں کی طرح کبھی آپ نے کپڑوں میں بول و براز نہ کیا۔ جب آپ دودھ پی کر فارغ ہوتے تو میں چاہتی کہ آپ کے مونھ کو پونچھ کر صاف کر دوں، تو مجھ سے پہلے ہی غیب سے کوئی صاف کر دیتا جب آپ کا ستر کھل جاتا تو آپ رونے لگ جاتے، جس سے میں سمجھ جاتی کہ آپ کا ستر کھل گیا ہے، فوراً آ کر ڈھانپتی اور اگر کبھی دیر ہو جاتی تو غیب سے فوراً کوئی ڈھانپ دیتا۔ (مدارج النبوت)

سب سے پہلا کلام جو آپ نے فرمایا، وہ یہ ہے: اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کَبِیۡرًا وَّالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کَثِیۡرًا سُبۡحَانَ اللّٰہِ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلاً۔ (زرقانی علی المواہب، ص147 ج1، مواہب لدنیہ، ص93 ج1، سبل الہدیٰ، ص349 ج1، سیرۃ حلبیہ، ص135 ج1، تفسیر مظہری، ص527 ج6، روح البیان، ص241 ج4، فیض القدیر: 7191)

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں آپ کا نشوونما حیرت انگیز تھا کہ آپ کو دوسرے بچوں سے کوئی مشابہت نہ تھی۔ دو برس کی عمر میں چار برس کے معلوم ہوتے تھے۔ ہر روز آپ کے چہرے میں حسن و جمال اور نورانیت کا اضافہ ہوتا۔ آپ لڑکوں کے ساتھ کھیلنے سے احتراز فرماتے نہایت پاکیزہ اور حسین گفتگو فرماتے۔ ضد، بدخلقی، شرارت وغیرہ سے جو عام بچوں کی عادت ہوتی ہے، قطعاً پاک اور منزہ تھے۔ (مدارج النبوۃ وشواہد النبوت)

جب آپ کی عمر شریف دو برس کے قریب ہوئی تو ایک دن آپ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ سخت دوپہر کے وقت میری بے خبری میں جان وروں کی طرف چلے گئے۔ چوں کہ میں آپ کا بہت خیال رکھتی تھی۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں آپ کے پیچھے گئی تو آپ شیما کے ساتھ واپس آ رہے تھے۔ میں نے شیما کو جھڑک کر کہا کہ ایسی دھوپ میں ان کو اپنے ساتھ کیوں لائی ہے۔ شیما نے کہا اماں ان کو گرمی نہیں پہنچتی، کیوں کہ میں نے دیکھا کہ ایک ابر ان پر برابر سایہ کیے رہا۔ جب یہ چلتے تو وہ بھی چلتا اور جب یہ ٹھہر جاتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا، اور اس شان سے ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ فرمایا! بیٹی کیا یہ سچ ہے؟ شیما نے کہا ہاں خدا کی

قسم! (طبقات ابن سعد، ص 90 ج 1، ابونعیم، ابن عساکر، مواہب، خصائص، ص 85 ج 1)

دو برس کی عمر میں آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ اگرچہ حلیمہ حریص تھیں کہ آپ زیادہ سے زیادہ دیر اس کے پاس رہیں، کیوں کہ وہ آپ کی برکات کا مشاہدہ کر چکی تھیں، تاہم وہ اصول کے مطابق دودھ چھڑانے کے بعد آپ کو ساتھ لے کر مکہ میں آئی۔ حضرت آمنہ اس نازک پودے کو مضبوط پا کر باغ باغ ہو گئیں اور اپنے نور نظر کو سینے سے لگایا، چوما، پیار کیا۔

اتفاق سے ان دنوں مکہ میں ایک وبائی بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت حلیمہ کو بہترین سبب ہاتھ آ گیا اس نے آپ کی والدہ ماجدہ سے کہا کہ مکہ میں چوں کہ وبا ہے اس لئے بہتر ہے کہ آپ اجازت دیں کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو واپس اپنے گاؤں میں لے جاؤں، آپ کی والدہ ماجدہ نے اجازت دی۔ حلیمہ آپ کو لے کر پھر خوش خوش واپس آ گئی۔

☆......☆......☆......☆

شقِ صدر

جب آپ کی عمر تین برس کی ہوئی تو ایک روز آپ نے حلیمہ سے کہا، اماں جان! میرے بھائی چراگاہ میں بکریاں لے کر جاتے ہیں اور میں گھر میں رہتا ہوں۔ مجھے بھی ان کے ہمراہ بھیجا کریں تاکہ میں بھی باہر کی سیر اور بکریاں چرایا کروں۔ چناں چہ دوسرے روز سے حلیمہ نے آپ کو بھی ان کے ساتھ بھیجنا شروع کر دیا۔

ایک دن دوپہر کے وقت آپ کا ایک رضاعی بھائی حمزہ روتا ہوا اور دوڑتا ہوا گھر آیا اور کہنے لگا ہم بکریاں چرانے میں مشغول تھے کہ اچانک تین آدمی آئے۔ انہوں نے پہاڑ پر لے جا کر ہمارے قریشی بھائی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ یہ سنتے ہی میں اور میرا شوہر بے تاب ہو کر بے تحاشا بھاگے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ آپ پہاڑ کے اوپر کھڑے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں اور آپ کا رنگ زرد ہو رہا ہے۔ جب آپ نے ہمیں دیکھا تو تبسم فرمایا۔ میں نے آگے بڑھ کر آپ کو بوسہ دیا اور کہا اے قدرو شان والے! ہماری جانیں تجھ پر فدا ہوں۔ کیا ہوا؟ تیرا پیٹ کس نے چاک کیا ہے؟

فرمایا: تین آدمی آئے تھے۔ ان کے پاس ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا تھا، انہوں نے مجھ کو پکڑ لیا اور پہاڑ پر لے گئے اور بڑی نرمی کے ساتھ مجھ کو لٹا دیا اور میرا پیٹ چاک کر دیا یہ دیکھ کر سب لڑکے بھاگ گئے اور ان میں سے ایک نے میرے پیٹ سے آنتیں اور دل گردے وغیرہ نکالے اور ان کو برف سے خوب اچھی طرح دھویا اور پھر میرے پیٹ میں ان کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد دوسرا آیا اس نے میرے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر میرے دل کو نکالا اور اس کو چیر کر اس میں سے ایک مضغۂ سیاہ نکال کر پھینک دیا اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے۔ اس کے بعد اس نے دائیں اور بائیں اس طرح اشارہ کیا گویا کہ وہ کوئی چیز طلب کرتا ہے، جوں ہی میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک ایسی نورانی مہر تھی کہ

آنکھوں میں اس کے دیکھنے کی تاب نہیں، اس نے میرے دل پر مہر لگائی تو میرا دل حکمت و نور اور خوشی و سرور سے بھر گیا۔ پھر میرے دل کو اس جگہ پر قائم کیا۔ پھر تیسرا آیا۔ اس نے آ کر میرے سینے سے لے کر میری ناف تک ہاتھ پھیرا تو وہ شگاف مل گیا اور نہایت نرمی سے مجھ کو اٹھاتے ہوئے کہا، اٹھو تم اپنا کام کر چکے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا، ان کو ان کی امت کے دس آدمیوں سے تولو! جب تولا گیا تو میں بھاری نکلا۔ پھر اس نے کہا کہ سو سے تولو، پھر بھی میں بھاری نکلا۔ پھر ایک ہزار سے تولا۔ پھر بھی میں بھاری نکلا۔ پھر اس نے کہا: دَعُوْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْوَزَنْتُمُوْهُ بِاُمَّتِهٖ كُلِّهَا لَوَزَنَهَا۔ ان کو چھوڑ دو خدا کی قسم اگر تم ان کو ان کی ساری امت کے ساتھ تولو گے تو پھر بھی یہی بھاری نکلیں گے۔ (طبقات ابن سعد، ص 112 ج 1، مواہب اللدنیہ، ص 95 ج 1، مستدرک حاکم، ص 616 ج 2، سیرت ابن ہشام، مدارج النبوۃ، سیرۃ حلبیہ، ص 145 ج 1، ابن عساکر، ص 471 ج 3، المطالب العالیہ، ص 187 ج 17، الشریعہ للآجری: 962، سبل الہدیٰ، ص 389 ج 1، تاریخ طبری، ص 162 ج 2، زرقانی، ص 284 ج 1، کنز العمال، ص 462 ج 12، خصائص کبریٰ، ص 96 ج 1)

ف: یہ تولنا ظاہری تولنا نہیں تھا بلکہ اعتباری وزن مراد ہے یعنی فضیلت میں سب پر غالب رہیں گے پھر انہوں نے مجھے اٹھا کر سینے سے لگایا اور میری پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا اے اللہ کے پیارے! ڈرو نہیں جب تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہارے ساتھ کیا بھلائی کی جا رہی ہے تو تمہارا دل شاد اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ کہہ کر انہوں نے مجھے یہیں چھوڑا اور خود پرواز کی یہاں تک کہ میں نے ان کو آسمانوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا کہ تم آ پہنچے۔ پھر فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے، میں سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر مجھے ذرہ برابر بھی تکلیف یا درد نہ ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس سے لے کر ناف مبارک تک ایک باریک لکیر شگاف کے ملنے کی ہم دیکھا کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ شق صدر کے متعلق روحانی منامی کشفی معنوی وغیرہ کی تمام تاویلات قطعاً باطل ہیں۔ بلکہ یہ شق اور چاک کیا جانا حسی حقیقی اور امر واقعی ہے، جبھی تو سینہ اقدس میں

نشان نظر آتا تھا۔

محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چار بار شق صدر ہوا۔ اول جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔ دوم دس برس کی عمر میں، سوم غار حرا میں نزول وحی کے وقت، چہارم معراج کی رات سفر معراج سے پہلے، ہر ایک کا بیان ان شاء اللہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

یہ شق صدر جو بچپن میں ہوا اس کی حکمت من جملہ بے شمار حکمتوں کے ایک یہ ہے کہ بچپن میں لڑکوں کے دلوں میں کھیل کود اور نازیبا کاموں کی جو رغبت پیدا ہوتی ہے، وہ رغبت نہ ہو اور جس چیز کی وجہ سے وہ رغبت پیدا ہوتی ہے وہ چیز ہی آپ کے قلب مبارک سے نکلوا دی۔ معلوم ہوا قبل از دعوئے نبوت بھی قلب مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر قسم کے شیطانی خیالات و وساوس سے پاک اور منزہ تھا برائی تو کیا، اس قلب اقدس میں برائی کا خیال تک نہیں آسکتا تھا۔

استاذ مکرم حضرت علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی مدظلہم العالی نے اپنے رسالہ مبارکہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شق صدر کے چند فوائد و حکمتیں بیان فرمائی ہیں، جو ہدیہ ناظرین ہیں۔

شق صدر کی حکمتیں وفوائد

قلب مبارک کا دھویا جانا

قلب اطہر کا زمزم سے دھویا جانا کسی آلائش کی وجہ سے نہ تھا کیوں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الطیبین والطاہرین ہیں۔ ایسے طیب و طاہر کہ ولادت باسعادت کے بعد بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل نہیں دیا گیا، لہٰذا قلب اقدس کا زمزم سے دھویا جانا محض اس حکمت پر مبنی تھا کہ زمزم کے پانی کو وہ شرف بخشا جائے جو دنیا کے کسی پانی کو حاصل نہیں، بلکہ قلب اطہر کے ساتھ ماء زمزم کو مس فرما کر وہ فضیلت عطا فرمائی گئی جو کوثر و تسنیم کے پانی کو بھی حاصل نہیں۔

شب معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ اقدس کے شق کیے جانے میں بے شمار حکمتیں مضمر ہیں، جن میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ قلب اطہر میں ایسی قوت قدسیہ بالفعل ہو جائے جس سے آسمانوں پر تشریف لے جانے اور عالم سماوات کا مشاہدہ کرنے بالخصوص دیدار

الٰہی سے مشرف ہونے میں کوئی دقت اور دشواری پیش نہ آئے۔

حیات النبی ﷺ کی دلیل

علاوہ ازیں شق صدر مبارک میں ایک حکمت بلیغہ یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام کے لئے حضور ﷺ کی حیات بعد الموت پر دلیل قائم ہوگئی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عادۃً بغیر روح کے جسم میں حیات نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام کے اجسام مقدسہ قبض روح کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ چونکہ روحِ حیات کا مستقر قلب انسانی ہے، لہٰذا جب کسی انسان کا دل اس کے سینہ سے باہر نکال لیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک سینہ اقدس سے باہر نکالا گیا، پھر اسے شگاف دیا گیا اور وہ منجمد خون جو جسمانی اعتبار سے دل کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، صاف کر دیا گیا، اس کے باوجود بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بدستور زندہ رہے، جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قبضِ روح مبارک کے بعد بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں کیوں کہ جس کا دل بدن سے باہر ہو اور وہ پھر بھی زندہ رہے، اگر اس کی روح قبض ہو کر باہر ہو جائے تو وہ کب مردہ ہو سکتا ہے۔

قلب مبارک میں آنکھیں اور کان

جبرائیل علیہ السلام نے شق صدر مبارک کے بعد قلب اطہر کو جب زمزم کے پانی سے دھویا تو فرمانے لگے:

قَلْبٌ سَدِيْدٌ فِيْهِ عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَاُذُنَانِ تَسْمَعَانِ

قلب مبارک ہر قسم کی کجی سے پاک ہے اور بے عیب ہے۔ اس میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔ (فتح الباری، ص410 ج13)

قلب مبارک کی یہ آنکھیں اور کان عالم محسوسات سے وراء الوراء حقائق کو دیکھنے اور سننے کے لئے ہیں جیسا کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ (کنز العمال: 29829، ابن ماجہ:

میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے۔

4190، ترمذی:2312، مسند احمد:21516،
مستدرک:3883، 8633)

دائمی ادراک

جب اللہ تعالیٰ نے بطور خرق عادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب اطہر میں آنکھیں اور کان پیدا فرما دیئے ہیں، تو اب یہ کہنا کہ ورائے عالم محسوسات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیکھنا اور سننا احیاناً ہے، دائمی نہیں، قطعاً باطل ہو گیا جب ظاہری آنکھیں اور کانوں کا ادراک دائمی ہے تو قلب مبارک کے کانوں اور آنکھوں کا ادراک کیوں کر عارضی اور احیاناً ہو سکتا ہے، البتہ حکمت الٰہیہ کی بنا پر کسی خاص امر کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دھیان نہ رہنا، عدم توجہ اور عدم التفات کا حال طاری ہو جانا، امر آخر ہے، جس کا کوئی منکر نہیں، اور وہ علم کے منافی نہیں ہے، لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باطنی سماع اور بصارت عارضی نہیں، بلکہ دائمی ہے۔

شق صدر مبارک اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نوری ہونا

علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں کہ بعض لوگ یہ وہم کرتے ہیں کہ شق صدر مبارک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور سے مخلوق ہونے کے منافی ہے، لیکن یہ وہم غلط اور باطل ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے: وَكَوْنُهٗ مَخْلُوْقًا مِّنَ النُّوْرِ لَا يُنَافِيْهِ كَمَا تُوُهِّمَ
(نسیم الریاض، شرح شفا قاضی عیاض، ص338 ج2)

نورانیت اور احوال بشریہ کا ظہور

اقول و باللہ التوفیق: جو بشریت عیوب و نقائص بشریت سے پاک ہو اس کا ہونا نورانیت کے منافی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور سے مخلوق فرما کر مقدس اور پاکیزہ بشریت کے لباس میں مبعوث فرمایا۔ شق صدر ہونا بشریت مطہرہ کی دلیل ہے اور باوجود سینہ اقدس چاک ہونے کے خون نہ نکلنا نورانیت کی دلیل ہے۔

فَلَمْ يَكُنِ الشَّقُّ بِاٰلَةٍ وَلَمْ يَسِلِ الدَّمُ

شق صدر کسی آلے سے نہیں تھا نہ اس شگاف سے خون بہا

(روح البیان، ص36 ج5، سیرۃ حلبیہ، ص516 ج1)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت نور سے ہے اور بشریت ایک لباس ہے، اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جب چاہے اپنی حکمت کے مطابق بشری احوال کو نورانیت پر غالب کر دے اور جب چاہے نورانیت کو احوال بشریہ پر غلبہ دے دے۔ بشریت نہ ہوتی تو شق کیسے ہوتا اور نورانیت نہ ہوتی تو آلہ بھی درکار ہوتا اور خون ضرور بہتا۔

جب کبھی خون بہا (جیسے غزوہ احد میں) تو وہاں احوال بشریہ کا غلبہ تھا اور جب خون نہ بہا (جیسے لیلۃ المعراج شق صدر میں) تو وہاں نورانیت غالب تھی۔

شب معراج شق صدر مبارک

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ فرشتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ اقدس اوپر سے نیچے تک چاک کیا اور قلب مبارک باہر نکالا۔ پھر اسے شگاف دیا اور اس سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر باہر پھینکا اور کہا کہ آپ کے اندر یہ شیطان کا ایک حصہ تھا۔

خون کا لوتھڑا یا شیطان کا حصہ

علامہ تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں خون کا لوتھڑا پیدا فرمایا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ انسان کے دل میں شیطان جو کچھ ڈالتا ہے، یہ لوتھڑا اس کو قبول کرتا ہے (جس طرح قوت سامعہ آواز کو، اور قوت باصرہ مبصرات کی صورتوں کو اور قوت شامہ خوش بو اور بدبو کو اور قوت ذائقہ ترشی اور تلخی وغیرہ کو اور قوت لامسہ گرمی اور سردی وغیرہ کیفیات کو قبول کرتی ہے، اسی طرح دل کے اندر یہ منجمد خون کا لوتھڑا شیطانی وسوسوں کو قبول کرتا ہے) یہ لوتھڑا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک سے دور کر دیا گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ میں ایسی کوئی چیز باقی نہ رہی، جو القائے شیطانی کو قبول کرنے والی ہو۔ علامہ تقی الدین صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے یہی مراد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی میں شیطان کا کوئی حصہ کبھی نہیں تھا۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب یہ بات تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ میں اس خون کے لوتھڑے کو کیوں پیدا فرمایا، کیوں کہ یہ ممکن تھا کہ پہلے ہی ذات مقدسہ میں اسے پیدا نہ فرمایا جاتا۔ تو جواب دیا جائے گا کہ اس کے پیدا فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ وہ اجزائے انسانیہ میں سے ہے لہٰذا اس کا پیدا کیا جانا خلقت انسانی کی تکمیل کے لئے ضروری ہے اور اس کا نکال دینا یہ ایک امر آخر ہے، جو تخلیق کے بعد طاری ہوا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی نظیر بدن انسانی میں اشیاء زائدہ کی تخلیق ہے، جیسے قلفہ کا ہونا، اور ناخنوں اور مونچھوں کی درازی اور اس طرح بعض دیگر زائد چیزیں جن کا پیدا ہونا، بدن انسانی کی تکمیل کا موجب ہے اور ان کا ازالہ طہارت و نظافت کے لئے ضروری ہے، مختصر یہ کہ ان اشیائے زائدہ کی تخلیق اجزائے بدن انسانی کا تکملہ ہے اور ان کا زائل کرنا کمال تطہیر و تنظیف کا مقتضیٰ ہے (شرح شفا لملا علی قاری، ص 374 ج 1)

اقول وباللہ التوفیق۔ چوں کہ ذات مقدسہ میں حظ شیطانی باقی ہی نہ تھا، اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم زاد مسلمان ہو گیا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وَلٰكِنْ اَسْلَمَ فَلَا يَامُرُنِي اِلَّا بِخَيْرٍ۔ میرا ہم زاد مسلمان ہو گیا۔ لہٰذا سوائے خیر کے وہ مجھے کچھ نہیں کہتا۔

علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں، کہ قلب بمنزلہ میوہ کے ہے جس کا دانہ اپنے اندر کے تخم اور گٹھلی پر قائم ہوتا ہے اور اس سے پختگی اور رنگینی حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح وہ منجمد خون قلب انسانی کے لئے ایسا ہے جیسے چھوہارے کے لئے گٹھلی۔ اگر ابتداءً اس میں گٹھلی نہ ہو تو وہ پختہ نہیں ہو سکتا، لیکن پختہ ہو جانے کے بعد اس گٹھلی کو باقی نہیں رکھا جاتا، بلکہ نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ چھوہارے کی گٹھلی یا دانہ انگور سے بیج نکال کر پھینکتے وقت کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ جو چیز پھینکنے کے قابل تھی، وہ پہلے ہی کیوں پیدا کی گئی۔ اگر اسی طرح یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ قلب اطہر میں خون کا وہ لوتھڑا اسی طرح تھا جیسے انگور کے دانے میں بیج یا کھجور کے دانے میں گٹھلی ہوتی ہے اور قلب اطہر سے اس کو بالکل ایسے ہی نکال کر پھینک دیا گیا جیسے کھجور اور انگور سے بیج اور گٹھلی کو نکال

کر باہر پھینک دیا جاتا ہے تو یہ سوال ہی پیدا نہ ہوگا کہ اس لوتھڑے کو قلب اطہر میں ابتداءً کیوں پیدا کیا گیا۔ (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض، ص239)

رہا یہ امر کہ فرشتوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کیوں کہا کہ: هٰذِهٖ حَظُّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ تو اس کا جواب یہ ہے اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ (معاذ اللہ) آپ کی ذات پاک میں واقعی شیطان کا کوئی حصہ ہے۔ نہیں اور یقیناً نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ذات پاک ہر شیطانی اثر سے پاک اور طیب و طاہر ہے، بلکہ حدیث شریف کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی ذات پاک میں شیطان کے تعلق کی کوئی جگہ ہوسکتی، تو وہ یہی خون کا لوتھڑا تھا، جب اس کو آپ کے قلب مبارک سے نکال کر باہر پھینک دیا گیا، تو اس کے بعد آپ کی ذات مقدسہ میں کوئی ایسی چیز باقی نہ رہی، جس سے شیطان کا کوئی تعلق کسی طرح ہو سکے۔

ان تمام کا خلاصہ اور الفاظ حدیث کا واضح اور روشن مفہوم یہ ہے کہ آپ کی ذات مقدسہ میں شیطان کا کوئی حصہ ہوتا، تو یہی خون کا لوتھڑا ہوسکتا تھا۔ مگر جب یہ بھی نہ رہا تو اب ممکن ہی نہیں کہ ذات مقدسہ سے شیطان کا کوئی تعلق ممکن ہو۔ لہٰذا آپ کی ذات اقدس ان عیوب سے پاک ہے جو اس لوتھڑے کے ساتھ شیطان سے متعلق ہونے سے پیدا ہو سکتے ہیں۔

شق صدر مبارک کے بعد ایک نورانی طشت جو ایمان وحکمت سے لبریز تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ اقدس میں بھر دیا گیا۔ ایمان وحکمت اگرچہ جسم وصورت سے متعلق نہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر قادر ہے کہ غیر جسمانی چیزوں کو جسمانی صورت عطا فرمائے، چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان وحکمت کو جسمانی صورت میں متمثل فرما دیا اور یہ تمثیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں انتہائی عظمت ورفعت شان کا موجب ہے۔

☆......☆......☆......☆

واپسی

واقعہ شق صدر کے بعد حلیمہ آپ کو کہیں باہر نہیں جانے دیا کرتی تھیں۔ایک دن حلیمہ کے شوہر نے کہا، حلیمہ! بہتر یہ ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے دادا اور والدہ کے پاس چھوڑ آئیں کیوں کہ ہم خوف کھاتے ہیں کہ کہیں کوئی حادثہ وغیرہ نہ پیش آ جائے۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کو ساتھ لے کر گدھی پر سوار ہو کر چلی، جب مکہ کے قریب پہنچی تو میں آپ کو ایک جگہ بٹھا کر قضائے حاجت کو چلی گئی۔ جب واپس آئی تو میں نے آپ کو وہاں نہ پایا، ادھر ادھر ڈھونڈا، جب کوئی پتا نہ چلا تو میں سر پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئی اور رونے لگی اور پکار پکار کر یا محمداہ وا ولداہ کہنے لگی کہ اچانک میں نے ایک بزرگ صورت آدمی دیکھا، جو ہاتھ میں ایک عصا لیے ہوئے میری طرف آ رہا تھا۔اس نے آ کر کہا اے سعدیہ! کیا بات ہے، کیوں روتی ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے محمد بن عبدالمطلب کو ایک مدت تک دودھ پلایا ہے۔اب میں اس کو اس کی والدہ کے پاس چھوڑنے جا رہی تھی کہ وہ یہاں سے گم ہو گیا ہے، اس نے کہا، مت رو اور کوئی فکر نہ کر میں تجھے اس کے پاس لے چلتا ہوں جو تجھے تیرے بیٹے سے ملا دے گا۔ میں نے کہا! تجھ پر فدا ہو جاؤں، جلدی چل تا کہ مجھ کو میرا بیٹا مل جائے۔ وہ مجھ کو ہبل بت کے پاس لے گیا۔ میں نے کہا اے بڈھے کیا تو نہیں جانتا کہ اس محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت کی رات ان بتوں پر کیا گزری تھی؟ تو بڈھے نے کہا حلیمہ سعدیہ، تو نہیں جانتی اس بت نے بہت سے گم شدہ بچے ملائے ہیں۔ پھر وہ سجدہ وطواف کر کے کہنے لگا۔

"اے خداوند عرب، یہ حلیمہ سعدیہ تیرے پاس آئی ہے۔

کہ ازو فرزند طفلے گم شدہ است   نام آں کودک محمد آمدہ است

کیوں کہ اس کا فرزند جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے گم ہو گیا ہے۔

چوں محمد گفت آں جملہ بتاں سرنگوں گشتند ساجد آں زماں

جوں ہی اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا، وہ بڑا بت ہبل اور دوسرے تمام بت اوندھے سجدے میں گر گئے اور ان میں سے آواز آئی، اے بڈھے دور ہو جا اس طفل کا نام ہمارے سامنے نہ لے کیوں کہ اسی کے ہاتھ سے ہماری ہلاکت اور بربادی ہوگی۔ خدا اس کو ضائع نہیں کرے گا وہ ہر حال میں اس کا نگہ بان ہے۔

گفت پیرش کاے حلیمہ شاد باش سجدۂ شکر آر ور ورا کم خراش

یہ سن کر اس بوڑھے نے کہا اے حلیمہ تو خوش ہو جا اور سجدہ شکر بجالا اور بالکل بے فکر رہ

تو مخور غم کہ نگردد یان او بلکہ عالم باوہ گردد اندر او

اور تو غم نہ کھا کیوں کہ وہ گم نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ سارا جہان اس بچہ میں گم ہو جائے۔ (مثنوی مولانا روم)

حلیمہ فرماتی ہیں پھر میں تیزی سے عبدالمطلب کے پاس گئی اور ان کو سارا حال کہہ سنایا۔ یہ سنتے ہی حضرت عبدالمطلب کوہ صفا پر چڑھے اور پکار کر کہا، یا آل غالب! اس ندا کو سن کر سب قریش جمع ہو گئے اور پریشانی کا سبب پوچھا، حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ میرا فرزند (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گم ہو گیا ہے، اس کی تلاش کرو۔ چناں چہ آپ اور سب قریش سوار ہو کر چاروں طرف تلاش کے لئے نکلے اور مکہ کے تمام نشیب و فراز دیکھے مگر کوئی پتا نہ چلا۔ پھر عبدالمطلب خانہ کعبہ میں حاضر ہوئے اور طواف کرنے کے بعد رو کر یوں عرض کیا:

رَبِّ رُدَّ اِلَیَّ رَاکِبِیْ مُحَمَّدًا رُدَّہٗ اِلَیَّ وَاصْطَنَعْ عِنْدِیْ یَدًا

اے میرے پروردگار میرے شہ سوار محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرے پاس لوٹا دے اور اس کو میرے پاس لوٹا کر اپنا فضل و احسان فرما۔

اَنْتَ الَّذِیْ جَعَلْتَہٗ لِیْ عَضُدًا لَا یُبْعِدُ الدَّھْرُ بِہٖ فَیَبْعُدَا

اے اللہ تو نے ہی اس کو میرا بازو بنا کر مجھے قوت دی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ گردش زمانہ اس کو مجھ سے دور کر دے اور پھر وہ مجھ سے دور ہی ہو جائے۔ (مستدرک حاکم: 4184، ص603

ج2، تاریخ بخاری:1513، ابن سعد، ص91 ج1، بیہقی، ص151 ج 1، ابونعیم، طبقات ابن سعد، ص112 ج1، تفسیر ثعلبی، ص226 ج10، معرفۃ الصحابہ ابونعیم:3257، تاریخ اسلام، ص500 ج1، اسد الغابہ، ص201 ج4، سیرۃ حلبیہ، ص161 ج1، سبل الہدیٰ، ص390 ج1، تاریخ الخمیس، ص228 ج1، طبرانی کبیر:5524، الصحیح من احادیث السیرۃ النبویہ، ص14 ج1)

حضرت عبدالمطلب مناجات کر ہی رہے تھے کہ ہاتف غیبی نے ندا دی کہ اے سردار قریش! غم مت کھاؤ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خدا ان کو ضائع نہ کرے گا، وہ ان کا حافظ ونگہبان ہے عبدالمطلب نے کہا، اے ندا کرنے والے! اتنا بتا دے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت کہاں ہیں، ندا آئی کہ وہ اس وقت وادی تہامہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔

یہ سنتے ہی حضرت عبدالمطلب سوار ہوکر وادی تہامہ کی طرف چلے، راہ میں ورقہ بن نوفل ملے وہ بھی آپ کے ہم راہ ہو گئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے درخت کے پتے چن رہے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اٹھا کر سینے سے لگایا، پیار کیا اور آپ کو مکہ معظّمہ لے آئے اور آ کر بہت سا سونا اور بہت سے اونٹ آپ پر تصدق کیے۔ (مواہب اللدنیہ، ص149 ج1، مدارج النبوت، ص23 شواہد النبوت، ص31)

حلیمہ فرماتی ہیں آپ کی والدہ ماجدہ نے مجھ سے پوچھا کہ تو تو ان کو اپنے پاس رکھنے کی بہت حریص تھی، پھر اب کیوں لے آئی ہے؟ تو میں نے کہا۔ جی ہاں ٹھیک ہے لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ان کو سن تمیز تک پہنچا دیا ہے اور مجھ پر جو فرائض تھے، وہ میں نے ادا کر دیئے ہیں اور پھر میں اس بات سے بھی ڈری کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے اس لئے یہی بہتر سمجھا کہ ان کو آپ تک پہنچا دوں۔ حضرت آمنہ نے فرمایا: حلیمہ سچ سچ کہو بات کیا ہے؟ تو میں نے شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت آمنہ نے فرمایا:

''کیا تمہیں ان پر جن وآسیب وغیرہ کا شبہ ہوا۔ کہا ہاں! فرمایا، واللہ میرے بیٹے پر شیطان کا اثر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میرے بیٹے کی عجیب شان ہے۔ یہ کہہ کر حضرت آمنہ نے حمل سے لے کر ولادت تک کے تمام عجائبات وواقعات، جو ظہور میں آئے تھے بیان کیے

اور پھر حضرت عبد المطلب نے مجھے انواع و اقسام کے تحفے اور انعامات دے کر رخصت کیا۔ (مدارج النبوت، ص23، سیرت ابن ہشام، ص174 ج1، مواہب زرقانی، ص149 ج1)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنے اور آپ کو دودھ پلانے سے جو عزت وعظمت حضرت حلیمہ کو حاصل ہوئی، محتاج بیان نہیں۔ کتنی خوش نصیب اور بلند اقبال تھیں کہ ایک مرتبہ مکہ شریف تشریف لائیں، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہو چکا تھا۔ حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ جوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا میری ماں، میری ماں کہہ کر جوش محبت سے ملے اور اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی۔ واپسی کے وقت چالیس بکریاں، ایک اونٹ سامان سے بھرا ہوا عطا فرما کر رخصت کیا۔

(ملخصاً طبقات ابن سعد، ص113 ج1)

والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت حلیمہ کے چھوڑ جانے کے بعد آپ اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے دادا عبد المطلب کے پاس رہتے تھے۔ جب آپ کی عمر چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اور ام ایمن کو ہم راہ لے کر مدینہ طیبہ میں آپ کے دادا کے ننھیال خاندان بنونجار کو ملنے گئیں تا کہ آپ کی ملاقات ان سے کرائیں کیوں کہ حضرت عبد المطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو خاندان نجار میں سے تھیں۔ اس سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ رشتہ بہت دور کا رشتہ تھا، پھر اتنے دور کے رشتہ داروں کی ملاقات کے لئے اتنا بڑا سفر کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ بعض مؤرخین کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے شوہر حضرت عبد اللہ کی قبر کی زیارت کو تشریف لے گئیں تھیں۔

اس غم نصیب بیوہ کے سوا کون جانتا تھا، جس کی محبت کا چمن اچانک خزاں کا شکار ہو گیا تھا، جس کو وہ رخصت کرتے وقت حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ بھی نہ سکی تھی، حسرت کے اس پیکر مجسم کی اس سے بڑھ کر اور کیا تمنا و آرزو ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے محبوب رفیق حیات کی چھوڑی ہوئی نشانی کو ساتھ لے کر، اس کے مرقد محبت پر حاضر ہو اور آنسوؤں کے انمول

موتی نذر کرتے ہوئے کہے، کاش! تم اس وقت زندہ ہوتے اور اپنے اس نور نظر کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔

اسی تمنا و آرزو کو پورا کرنے کے لئے حضرت آمنہ اپنے در یتیم نور نظر کے ساتھ مدینہ طیبہ گئیں اور دار النابغہ میں اتریں۔ تقریباً ایک ماہ وہاں رہیں۔ نہ معلوم اس عرصہ میں کتنی مرتبہ مرقد محبت پر حاضر ہوئیں اور کتنی مرتبہ دل سے اٹھتے ہوئے شعلے پانی میں تبدیل ہو کر آنکھوں سے برسے ہوں گے۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ کی قبر اسی گھر میں تھی۔ چناں چہ اس رفیق حیات کی اچانک موت اور جدائی سے دل کی گہرائیوں میں درد و غم کی جو چنگاریاں دبی ہوئی اندر ہی اندر دل کو جلا رہی تھیں، وہ اس کے مرقد منور کو دیکھنے سے بھڑک اٹھیں اور وہ پیکر محبت، درد و فراق کے ان شعلوں کی نذر ہو گئی اور واپسی کے وقت مقام ابواء میں جو مدینہ سے کچھ دور ہی ایک گاؤں کا نام ہے، پہنچ کر انتقال کر گئیں۔
اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

حضرت اسماء بنت ابی رہم فرماتی ہیں کہ میری والدہ حضرت آمنہ کی وفات کے وقت ان کے پاس حاضر تھیں۔ اس وقت حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عمر پانچ چھ سال کی تھی۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے سر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ نے آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ مِنْ غُلَامٍ يَابْنَ الَّذِىْ مِنْ حَوْمَةِ الْحِمَامِ

اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے۔ تو اس کا فرزند ہے جس نے موت کی سختی سے

نَجَا بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ فُوْدِىَ غَدَاةَ الضَّرْبِ بِالسِّهَامِ

ملک العلام کی مدد سے نجات پائی تھی جب کہ صبح کے وقت عبد المطلب نے اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے، اس کے اور اس کے بھائیوں کے درمیان قرعہ ڈالا اور تمہارے باپ کا نام نکلا تھا تو فدا کیا گیا تھا۔

بِمِائَةٍ مِنْ اِبِلٍ سُوَامٍ اِنْ صَحَّ مَآ اَبْصَرْتُ فِى الْمَنَامِ

ان کے عوض ایک سو قیمتی اونٹوں کو، بیٹا جو کچھ میں نے خواب دیکھا تھا اگر وہ صحیح ہے۔

فَاَنْتَ مَبْعُوْثٌ اِلَی الْاَنَامِ مِنْ عِنْدِ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

تو پھر تُو جن وانس کی طرف مبعوث ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحب جلال اور صاحب اکرام کی طرف سے۔

تُبْعَثُ فِی الْحِلِّ وَ فِی الْحَرَامِ تُبْعَثُ فِی التَّحْقِیْقِ وَالْاِسْلَامِ

اور تو مبعوث ہوا ہے سرزمین حرام (مکہ معظّمہ) اور حلال (کُل رُوئے زمین کی طرف) اور تو مبعوث ہوا ہے حق و باطل کو ظاہر کرنے اور دین اسلام کو پھیلانے کے لئے۔

دِیْنُ اَبِیْكَ الْبَرِّ اِبْرَاهَامِ فَاللّٰهُ اَنْهَاكَ عَنِ الْاَصْنَامِ

وہ دین جو تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، وہ ابراہیم جو محسن اور مطیع تھے۔ اور اللہ نے تجھ کو بتوں (کی عبادت و نصرت) سے منع فرمایا ہے۔

اَنْ لَّا تَوَالِیَهَا اِلَی الْاَقْوَامِ

اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ مل کر بتوں کی تعظیم اور ان کے لئے ذبح وغیرہ کرے اور پھر فرمایا

كُلُّ حَیٍّ مَیِّتٌ وَكُلُّ جَدِیْدٍ بَالٍ وَكُلُّ كَبِیْرٍ یَفْنٰی وَاَنَا مَیِّتَةٌ وَذِكْرِیْ بَاقٍ وَقَدْ تَرَكْتُ خَیْرًا وَّ وَلَدْتُ طُهْرًا ثُمَّ مَاتَتْ فَكُنَّا نَسْمَعُ نَوْحَ الْجِنِّ عَلَیْهَا فَحَفِظْنَا مِنْ ذَالِكَ۔ (دلائل النبوۃ ابونعیم، خصائص کبریٰ، ص79 ج1، زرقانی علی المواهب، ص 165، سبل الہدیٰ والرشاد، ص 121 ج 2، مواہب لدنیہ، ص102 ج1، الحاوی للفتاوی، ص269 ج2، تاریخ الخمیس، ص230 ج1)

ہر زندہ مرے گا اور ہر نئی چیز پرانی ہوگی اور ہر بڑے سے بڑا بھی فنا ہوگا میں مر جاؤں گی مگر میرا ذکر باقی رہے گا کیوں کہ میں نے خیر عظیم (رسول اللہ) کو چھوڑا ہے۔ اور میں نے طیب و طاہر کو جنا ہے۔ پھر حضرت آمنہ نے وفات پائی تو ہم نے جنوں کا رونا و نوحہ کرنا سنا اور جو کچھ کہتے تھے، ان کو یاد رکھا۔

یہ اشعار بھی ان میں سے ہیں:

نَبْکِی الْفَتَاۃَ الْبَرَّۃَ الْاَمِیْنَۃَ ذَاتَ الْجَمَالِ وَالْعِفَّۃِ الرَّزِیْنَۃِ

ہم اس جوان عورت کو جو محسنہ و مطیعہ امینہ اور صاحب جمال و عفت اور صاحب وقار و عظمت تھی، روتے ہیں۔

زَوْجَۃُ عَبْدِاللّٰہِ وَالْقَرِیْنَۃِ اُمُّ نَبِیِّ اللّٰہِ ذِی السَّکِیْنَۃِ

وہ عبداللہ کی زوجہ و ہم نشین تھیں۔ اور اللہ کے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی والدہ اور صاحب صبر و ثبات و طمانیت تھیں۔

وَصَاحِبُ الْمِنْبَرِ بِالْمَدِیْنَۃِ صَارَتْ لَدٰی حُفْرَتِھَا رَھِیْنَۃً

(اور اللہ کے اس نبی کی والدہ تھیں) جو مدینہ میں صاحب منبر ہوگا وہ اپنی قبر میں ہمیشہ کے لئے چلی گئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو صحابہ کرام کے سامنے اپنے بچپن کے زمانے کے قیام کی باتیں بیان فرمایا کرتے۔ چناں چہ جب آپ بنو نجار کے مکانوں کے پاس سے گزرتے تو فرماتے، اس مکان میں میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ٹھہرا تھا اور اسی گھر میں میرے والد ماجد کی قبر ہے اور اس تالاب میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ اور اس میدان میں میں انصار کی ایک لڑکی ''امینہ'' کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اور ایک یہودی مجھ کو دیکھ کر میرے پیچھے پھرتا تھا۔ ایک دن

فَقَالَ لِیْ یَا غُلَامُ مَا اسْمُکَ (رجمع عربی) قُلْتُ اَحْمَدُ؟ وَنَظَرَ اِلٰی ظَھْرِیْ فَاَسْمَعُہٗ یَقُوْلُ ھٰذَا نَبِیُّ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ ثُمَّ رَاحَ اِلٰی اِخْوَانِیْ فَاَخْبَرَھُمْ فَاَخْبَرُوْا اُمِّیْ فَخَافَتْ عَلَیَّ فَخَرَجْنَا مِنَ الْمَدِیْنَۃِ۔ (دلائل النبوت، ص99، خصائص کبریٰ، ص79 ج1، طبقات ابن سعد، ص116 ج1، سبل الہدیٰ، ص12

اس نے مجھ سے کہا اے لڑکے تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا احمد! پھر اس نے میری پشت (پر مہر نبوت) کو دیکھا تو میں نے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ اس امت کا نبی ہے، پھر اس نے میرے بھائیوں (بنو نجار) کو اس بات کی خبر دی اور انہوں نے میری والدہ کو بتایا تو وہ میرے

ج 12، زرقانی، ص 309 ج 1، امتاع الاسماع، ص 99 ج 4)

معاملے میں یہودیوں کی عداوت سے ڈریں اور ہم مدینہ سے نکلے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَتَانِيْ رَجُلَانِ مِنَ الْيَهُوْدِ يَوْمًا نِصْفَ النَّهَارِ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالَا أَخْرِجِيْ لَنَا أَحْمَدَ فَأَخْرَجْتُهُ فَنَظَرَا إِلَيْهِ وَقَلَّبَاهُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ هٰذَا نَبِيُّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَهٰذِهِ دَارُ هِجْرَتِهِ وَسَيَكُوْنُ بِهٰذِهِ الْبَلْدَةِ مِنَ الْقَتْلِ وَالسَّبِيِّ أَمْرٌ عَظِيْمٌ قَالَتْ أُمُّ أَيْمَنَ وَوَعِيْتُ ذَالِكَ كُلَّهُ مِنْ كَلَامِهِمَا۔ (دلائل النبوت، ابونعیم، 99، خصائص کبریٰ، ص 79 ج 1، سبل الھدیٰ، ص 121 ج 2)

ایک دن دوپہر کے وقت میرے پاس مدینہ کے دو یہودی آئے اور کہا کہ احمد کو تو ذرا ہمارے پاس لانا! میں لائی تو انہوں نے کچھ دیر الٹا پلٹا کے آپ کی علامات کو دیکھا، پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ اس امت کے نبی ہیں اور یہی شہر ان کا دارالھجرت ہے اور عنقریب اسی شہر میں (ان کی مخالفت کے سلسلہ میں) امر عظیم واقع ہوگا کہ لوگ قتل ہوں گے اور قیدی بنیں گے، ام ایمن کہتی ہیں کہ میں نے ان دونوں کا کلام یاد رکھا۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے آخری وقت کے اشعار و کلمات اور ان واقعات کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْقَوْلُ مِنْهَا صَرِيْحٌ فِيْ أَنَّهَا مُوَحِّدَةٌ إِذَا ذَكَرَتْ دِيْنَ إِبْرَاهِيْمَ وَبَعْثَ ابْنِهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْإِسْلَامِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَنَهْيِهِ عَنِ الْأَصْنَامِ وَمُوَالَاتِهَا وَهَلِ التَّوْحِيْدُ شَيْءٌ غَيْرُ هٰذَا التَّوْحِيْدُ الْإِعْتِرَافُ بِاللّٰهِ وَإِلٰهِيَّتِهٖ وَأَنَّهٗ لَا شَرِيْكَ

کہ حضرت آمنہ کا یہ قول اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ موحدہ تھیں چناں چہ انہوں نے دین ابراہیم اور اپنے فرزند کا اللہ کی طرف سے نبی بن کر مبعوث ہونا بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ آپ کو بتوں کی تعظیم و عبادت اور ان کی دوستی سے روکا ہے،

لَهٗ وَالْبَرَاءَةُ مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَنَحْوِهَا وَهٰذَا الْقَدْرُ كَافٍ فِي التَّبَرِّيْ مِنَ الْكُفْرِ وَثُبُوْتِ صِفَةِ التَّوْحِيْدِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَبْلَ الْبِعْثَةِ

(زرقانی، ص165 ج1، سبل الہدیٰ، ص126، ج2)

یہی توحید ہے اس کے سوا اور کوئی چیز توحید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی الوہیت کا اعتراف و اقرار اور اس کے شریک کی نفی اور بتوں کی عبادت سے برائت وغیرہ کی جائے عہد جاہلیت میں بعثت سے پہلے کفر سے بری ہونے اور صفت توحید کے ثبوت کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

اس لئے کہ اس زمانہ میں دین حق اپنی اصلی حالت پر نہیں رہا تھا۔ یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل میں تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ علماء بہت کم تھے اور وہ بھی دور دراز ملکوں میں رہتے تھے دین حق کی تبلیغ و اشاعت نہ ہونے کی وجہ سے جہالت عام تھی۔ اور آپ کے والدین کریمین کی عمریں بھی زیادہ نہیں تھیں، ان کو اتنا موقع ہی نہیں ملا کہ وہ جستجو کر کے دین حقہ کی تلاش کریں باوجود اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ عارف باللہ تھے۔ چناں چہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَشَاهَدَتْ فِيْ حَمْلِهٖ وَوِلَادَتِهٖ مِنْ اٰيَاتِهِ الْبَاهِرَةِ مَا يَحْمِلُ عَلَى التَّحَنُّفِ ضُرُوْرَةً وَرَأَتِ النُّوْرَ الَّذِيْ خَرَجَ مِنْهَا اَضَاءَ لَهٗ قُصُوْرُ الشَّامِ حَتّٰى رَاَتْهَا كَمَا تَرٰى اُمَّهَاتُ النَّبِيِّيْنَ وَقَالَتْ لِحَلِيْمَةَ حِيْنَ جَاءَتْ بِهٖ وَقَدْ شُقَّ صَدْرُهٗ اَخَشِيْتِهَا عَلَيْهِ الشَّيْطَانُ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا لِلشَّيْطَانِ عَلَيْهِ سَبِيْلٌ وَاِنَّهٗ لَكَائِنٌ لِابْنِيْ هٰذَا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل میں رہنے اور آپ کی ولادت کے وقت کے روشن دلائل اس پر شاہد ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ مسلمان اور دین ابراہیمی پر تھیں اور پھر ان کا وقت ولادت اس نور کو دیکھنا جو ان سے نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے، یہاں تک کہ انہوں نے اس کو ایسے ہی دیکھا جیسے انبیاء کرام کی مائیں دیکھا کرتی ہیں۔

شَأْنٌ فِیْ کَلِمَاتٍ اُخَرَ مِنْ هٰذَا النَّمَطِ وَقَدَّمَتْ بِهِ الْمَدِیْنَةَ عَامَ وَفَاتِهَا وَسَمِعَتِ الْیَهُوْدَ فِیْهِ وَشَهَادَتُهُمْ لَهٗ بِالنُّبُوَّةِ وَرَجَعَتْ بِهٖ اِلٰی مَکَّةَ فَمَاتَتْ فِی الطَّرِیْقِ فَهٰذَا کُلُّهٗ مِمَّا یُؤَیِّدُ اَنَّهَا تَحَنَّفَتْ فِیْ حَیَاتِهَا

(زرقانی علی المواہب، ص 165 ج 1، سبل الہدیٰ، ص126 ج2)

اور پھر جب حلیمہ آپ کے شق صدر ہونے سے گمان آسیب سے ڈرتی ہوئی آپ کو لے کر آئی تھیں تو انہوں نے اس کو کہا تھا کہ میرے بیٹے پر شیطان (آسیب) کا اثر گمان کرتی ہو ایسا ہرگز نہیں ہے جاؤ تم اپنی راہ لو۔ خدا کی قسم میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہونے والی ہے اور دوسرے کلمات جو اس طرف راہ نمائی کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ جب وہ سال وفات میں مدینہ آئی تھیں تو انہوں نے یہودیوں کو آپ کی نبوت کی شہادت دیتے ہوئے سنا تھا اور پھر وہ مکے واپس ہوتے وقت راستے ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ پس یہ تمام باتیں اس کی تائید کرتی ہیں کہ بلاشبہ وہ مسلمان اور دین ابراہیمی پر تھیں۔

قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ وحضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما السلام نے کعبہ مقدسہ کی تعمیر کے وقت دعا کی تھی۔

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (بقرہ:128)

اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو (مسلمین لك) اپنا مطیع وفرماں بردار رکھ۔

اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت ایسی قائم رکھ جو (مُّسْلِمَةً لَّكَ) جو تیری مطیع وفرماں بردار ہو پھر عرض کیا (رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ) اور اسی جماعت (مسلمہ)

میں سے اس رسول کو مبعوث فرما۔ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا پوری ہوئی۔ معلوم ہوا کہ آپ جماعت مسلمہ میں سے ہوئے ہیں۔ چناں چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

لَم يَزَلِ اللهُ يُنْقِلنِيْ مِنَ الْاَصْلَابِ الطَّيِّبَةِ وَالْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ حَتّٰى اَخْرَجَنِيْ (زرقانی علی المواہب، ص 174 ج 1، خصائص کبریٰ، ص 39 ج 1، دلائل النبوت 24، سبل الہدیٰ، ص 237 ج 1، الشفاء، ص183 ج1، تاریخ الخمیس، ص21 ج1، سیرۃ حلبیہ، ص64 ج1، روح البیان، ص370، ج2)

اللہ تعالیٰ مجھے اصلاب طیبہ اور ارحام طاہرہ سے منتقل کرتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے (میرے والدین سے) نکالا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

مومن غلام بہتر ہے مشرک سے اور باندی مومنہ بہتر ہے مشرکہ سے۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ کافر و مشرک اگر چہ کیسا ہی شریف القوم ہو کسی غلام مومن یا باندی مومنہ سے بھی خیر و بہتر نہیں ہوسکتا، کیوں کہ قرآن کریم سے مشرکوں کا نجس ہونا صاف طور پر ثابت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کے والدین کریمین مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اور حسب و نسب کے بیان میں مذکور ہوا کہ خاندان بنی ہاشم اللہ کا چنا ہوا خاندان اور خاندانوں سے افضل ترین خاندان ہے اور اسی برگزیدہ خاندان کے برگزیدہ چشم و چراغ حضرت عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد ماجد ہیں۔ مشرک افضل ترین اور برگزیدۂ خدا کس طرح ہوسکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ آپ کے والدین کریمین ہرگز مشرک نہ تھے، بلکہ موحد و مسلمان تھے۔

نیز جس قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما ہیں وہ عرش معلی سے افضل ہے۔

غور کیجئے مٹی کے جس ٹکڑے کے اندر آپ ہوں، وہ تو عرش معلیٰ سے افضل ہو جائے

اور جس باپ کے صلب اور جس ماں کے شکم میں رہے ہوں اور جس ماں کا دودھ پیا ہو وہ جہنمی اور مشرکین ہی رہیں؟ معاذ اللہ!

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والدین کریمین تک وہ تمام افراد جن کے اصلاب وارحام میں آپ کا نور پاک جلوہ گر رہا ہے، مسلمان موحد ہوئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کا تذکرہ آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اولاد ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ (زخرف)

اور جب کہ ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے فرمایا میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے مگر وہ جس نے مجھے پیدا کیا وہ عنقریب مجھے راہ دے گا اور (ابراہیم نے) اپنے اس کلمہ (توحید) کو اپنے پیچھے (اپنی اولاد میں) باقی چھوڑا تا کہ وہ رجوع رہیں

امام عبد بن حمید اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس قول وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ کی تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بَاقِیَةٌ فِیْ عَقِبِ اِبْرٰهِیْمَ کہ وہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے جو ابراہیم کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا گیا۔ (الحاوی للفتاوی، ص421 ج2، التفسیر البسیط، ص31 ج20، الکشاف، ص264 ج4، تفسیر کبیر، ص629 ج27، درمنثور، ص373 ج7، الاسماء والصفات، ص234 ج1، روح البیان، ص363 ج8، تاریخ الخمیس، 236 ج1)

امام ابن جریر وابن المنذر نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے بھی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے، نیز امام عبد بن حمید اور امام عبدالرزاق اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں

بیان فرماتے ہیں کہ وہ کلمہ جو ان کی اولاد میں باقی رکھا گیا وہ شہادت اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْاِخْلَاصُ وَالتَّوْحِيْدُ لَا يَزَالُ فِىْ ذُرِّيَّتِهٖ مَنْ يَّقُوْلُهَا مِنْ بَعْدِهٖ۔ اس امر کی شہادت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اخلاص اور عقیدہ توحید ہے، جو ان کے بعد ان کی اولاد میں ہمیشہ رہے گا۔

(الحاوی للفتاوی، ص 421 ج 2، تفسیر کبیر، ص 629 ج 27، تاریخ الخمیس، ص 236 ج 1)

امام ابن منذر نے امام ابن جریج سے اس کی تفسیر بیان فرمائی کہ انہوں نے فرمایا:

فَلَمْ يَزَلْ نَاسٌ مِّنْ ذُرِّيَّتِهٖ عَلَى الْفِطْرَةِ يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ (الحاوی للفتاوی، ج 421، ج 2)

کہ ابراہیم کی اولاد میں کچھ لوگ ہمیشہ دین فطرت پر رہیں گے اور قیامت تک اللہ کی عبادت کریں گے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ (ابراہیم)

اور جب کہ ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امان والا کر دے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے ان بیٹوں کو خصوصاً بتوں کی پوجا سے بچایا جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد بننے کا شرف حاصل ہونا تھا۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ (ابراہیم: 40)

اے میرے رب مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا رکھ۔

امام ابن منذر حضرت جریج سے اس کی تفسیر بیان فرماتے ہیں:

فَلَنْ يَّزَالَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرَاهِيْمَ نَاسٌ عَلَى الْفِطْرَةِ يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ (الحاوی للفتاوی، ص 423 ج 2)

کچھ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ دین فطرت پر رہ کر اللہ کی عبادت کریں گے۔

وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ (شعراء)

اور پھرنا تمہارا ساجدوں میں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قِيْلَ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ كَانَ يَنْقُلُ نُوْرُهٗ مِنْ سَاجِدٍ اِلٰى سَاجِدٍ وَبِهٰذَا التَّقْدِيْرِ فَالْاٰيَةُ وَاَنَّهٗ عَلٰى اَنَّ جَمِيْعَ اٰبَآءِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ

(الحاوی للفتاوی، ص413 ج2، تفسیر کبیر، ص23 ج13، مواہب لدنیہ، ص104 ج1، سبل الہدی، ص256 ج1، زرقانی، ص327 ج1، تاریخ الخمیس، ص234 ج1)

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پاک ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اس تقدیر پر یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمیع آباء کرام مسلمان تھے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ مِنْهُ تَقَلُّبُكَ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ السَّاجِدِيْنَ لِلّٰهِ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ السَّاجِدَاتِ وَمِنْ اَرْحَامِ السَّاجِدَاتِ اِلٰى اَصْلَابِ الطّٰهِرِيْنَ اَىِ الْمُوَحِّدِيْنَ وَالْمُوَحِّدَاتِ حَتّٰى يَدُلَّ عَلٰى اَنَّ اٰبَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ

(تفسیر مظہری، ص89 ج7)

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کا نور طاہرین ساجدین للہ کے اصلاب سے طاہرات ساجدات کے ارحام کی طرف اور طاہرات کے ارحام سے طاہرین کے اصلاب کی طرف یعنی موحدین اور موحدات میں منتقل ہوتا رہا اور یہ اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبھی آباء کرام مومنین تھے۔

چند احادیث مبارکہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَزَلْ عَلٰى وَجْهِ الدَّهْرِ فِى الْاَرْضِ سَبْعَةٌ مُّسْلِمُوْنَ فَصَاعِدًا فَلَوْلَا ذٰلِكَ هَلَكَتِ الْاَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا (مصنف عبدالرزاق بسند صحیح:9099، اخبار مکۃ الارزقی، ص71

کہ روئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔

ج 1، الحاوی للفتاوی، ص 416 ج 2)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَاخَلَتِ الْاَرْضُ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ مِنْ سَبْعَةٍ يَدْفَعُ اللّٰهُ بِهِمْ عَنْ اَهْلِ الْاَرْضِ (احمد فی الزہد والخلال فی کرامات الاولیاء بسند صحیح، ص 4 ج 1، الحاوی للفتاوی، ص 416 ج 2، درمنثور، ص 567 ج 1، سبل الہدیٰ، ص 256 ج 1)

حضرت نوح کے بعد زمین کبھی سات بندگان خدا سے خالی نہ ہوئی جن کے سبب اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی پیغمبر کی والدہ کافرہ ومشرکہ نہیں ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیسے ہوسکتی ہے؟ اور اگر ہو تو یہ آپ کی شان و وقار کے خلاف ہے نیز حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی مائیں تو جنت میں رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ (معاذ اللہ) جہنم میں رہے، کیا رب تعالیٰ کو پسند ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (اسراء)

اور ہم عذاب نہیں کرتے جب تک کوئی رسول نہ بھیجیں۔

معلوم ہوا کہ مستحقِ عذاب وہ ہیں جن کو رسول اللہ کی دعوت پہنچے اور وہ اس کو قبول کرنے سے انکار کردیں۔ اور حضور کے والدین کو کسی رسول کی دعوت پہنچی ہی نہیں، لہٰذا وہ مستحق عذاب یا جہنمی کیسے ہوسکتے ہیں۔

اگرچہ ان کے مؤحد ومسلمان اور جنتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا اور یہ روشن دلائل کافی تھے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ وہ مجھ پر ایمان لاکر میری امت کے برگزیدہ لوگوں میں شمار ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی رضا کے مطابق کردیا۔ چناں چہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو ساتھ لے کر دور طویل راستے پر تشریف لے گئے، اس وقت آپ رو رہے تھے اور بہت ہی زیادہ غم گین

تھے۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر میں بھی رو پڑی۔ آپ مجھ کو اونٹ پر چھوڑ کر تشریف لے گئے اور کافی دیر تک وہاں ٹھہرے رہے، جب واپس آئے تو مسرور، خوش اور متبسم تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں۔ جب آپ گئے تھے تو بہت غم گین اور روتے ہوئے گئے تھے اور اب آپ مسرور متبسم واپس تشریف لائے ہیں، کیا بات تھی؟

فَقَالَ ذَهَبْتُ بِقَبْرِ اُمِّيْ فَسَاَلْتُ رَبِّيْ اَنْ يُّحْيِيَهَا فَاَحْيَاهَا فَاٰمَنَتْ بِيْ وَرَدَّهَا اللّٰهُ اِلَى الْمَوْتِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَ رَبَّهٗ اَنْ يُّحْيِيَ اَبَوَيْهِ فَاَحْيَاهُمَا فَاٰمَنَّا بِهٖ ثُمَّ اَمَاتَهُمَا

(زرقانی علی المواہب، ص168 ج1، الحاوی للفتاوی، ص440 ج2، سبل الہدیٰ والرشاد، ص259 ج1، ص122 ج2، سیرۃ حلبیہ، ص155 ج1، روح البیان، ص523 ج3)

فرمایا میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا اور میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ اس کو زندہ کر دے اللہ نے اس کو زندہ کر دیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر اللہ نے اس کو موت کی طرف لوٹا دیا اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے رب سے دونوں (والدین) کے زندہ ہونے کا سوال کیا، اللہ نے ان دونوں کو زندہ کر دیا تو وہ دونوں آپ پر ایمان لے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔

علامہ عبدالرحمٰن سہیلی رحمۃ اللہ علیہ، جن کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں، اپنی کتاب روض الانف میں اس حدیث کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ قَادِرٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّلَيْسَ تَعْجِزُ رَحْمَتُهٗ وَقُدْرَتُهٗ عَنْ شَيْءٍ وَّنَبِيُّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ اَنْ يَّخْتَصَّهٗ بِمَا شَآءَ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَنْعِمُ عَلَيْهِ بِمَا شَآءَ مِنْ كَرَامَتِهٖ

اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے اس کی رحمت وقدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جس چیز سے چاہے مختص فرمائے اور جو چاہے

ان پر انعام واکرام فرمائے۔ (زرقانی علی المواہب، ص168 ج1، الحاوی للفتاوی، ص440 ج1، سبل الہدی، ص259 ج1)

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ مورد الصادی بمولد الہادی میں فرماتے ہیں:

حَبَا اللّٰہُ النَّبِیَّ مَزِیْدَ فَضْلٍ عَلٰی فَضْلٍ وَکَانَ بِہٖ رَؤُ فَا

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضل پر مزید فضل عطا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ رافت فرماتا تھا۔

فَاَحْیَا اُمَّہٗ وَکَذَا اَبَاہٗ لِاِیْمَانٍ بِہٖ فَضْلًا لَطِیْفَا

اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ (آمنہ) اور آپ کے والد (عبداللہ) کو زندہ کیا، تاکہ وہ دونوں آپ پر ایمان لائیں، یہ زندہ کرنا اللہ کے فضل اور لطف عمیم سے تھا۔

فَسَلِّمْ فَالْقَدِیْمُ بِذَا قَدِیْرٌ وَاِنْ کَانَ الْحَدِیْثُ بِہٖ ضَعِیْفَا

اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا ہے۔تم اس بات کو تسلیم کرلو کیوں کہ وہ قدیم ہے اور اس زندہ کرنے پر ہر وقت قادر ہے اگرچہ اس بارے میں حدیثیں ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔ (مواہب لدنیہ، ص110 ج1، زرقانی، ص185 ج1، المقاصد الحسنہ: 37، روح البیان، ص217 ج1، سبل الہدی، ص259 ج1، الحاوی للفتاوی، ص279 ج2، تاریخ الخمیس، ص231 ج1، حلیۃ البشر، ص479 ج1، نہایۃ الایجاز، ص37 ج1)

امام المفسرین محمد بن احمد بن ابی بکر المعروف علامہ قرطبی کتاب التذکرہ بامور الآخرہ میں فرماتے ہیں:

بِاَنَّ فَضَائِلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخَصَائِصَہٗ لَمْ تَزَلْ تَتَوَالٰی وَتَتَتَابَعُ اِلٰی حِیْنِ مَمَاتِہٖ فَیَکُوْنُ ھٰذَا مِمَّا فَضَّلَہُ اللّٰہُ بِہٖ وَاَکْرَمَہٗ قَالَ وَلَیْسَ اِحْیَاؤُھُمَا

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و خصائص متواتر اور پے در پے آپ کی وفات تک بڑھتے اور زیادہ ہوتے رہے۔ اور آپ کے والدین کا زندہ ہوکر ایمان لانا یہ اسی

وَاِیْمَانُهُمَا بِمُمْتَنِعٍ عَقْلًا وَّشَرْعًا فَقَدْ وَرَدَ فِی الْکِتَابِ الْعَزِیْزِ اِحْیَآءُ قَتِیْلِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ وَاِخْبَارُهٗ بِقَاتِلِهٖ وَکَانَ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یُحْیِی الْمَوْتٰی وَکَذٰلِكَ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحْیَ اللّٰهُ عَلٰی یَدِهٖ جَمَاعَةً مِّنَ الْمَوْتٰی قَالَ وَاِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَمَا یَمْتَنِعُ اِیْمَانُهُمَا بَعْدَ اِحْیَائِهِمَا وَیَکُوْنُ ذَالِكَ زِیَادَةً فِیْ کَرَامَتِهٖ وَفَضِیْلَتِهٖ قَالَ فَقَوْلُهٗ مَنْ مَّاتَ کَافِرًا الخ کَلَامٌ مَّرْدُوْدٌ بِمَا رُوِیَ فِی الْخَبَرِ اِنَّ اللّٰهَ رَدَّ الشَّمْسَ عَلٰی نَبِیِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَغِیْبِهَا ذَکَرَهُ الطَّحَاوِیُّ وَقَالَ اِنَّهٗ حَدِیْثٌ ثَابِتٌ فَلَوْلَمْ یَکُنْ رَجُوْعُ الشَّمْسِ نَافِعًا وَاَنَّهٗ لَا یَتَجَدَّدُهٗ الْوَقْتُ لَمَا رَدَّهَا عَلَیْهِ فَکَذٰلِكَ یَکُوْنُ اِحْیَا اَبَوِی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَافِعًا لِاِیْمَانِهِمَا وَتَصْدِیْقِهِمَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (انتہی) (مواہب، ص103 ج1 وزرقانی، ص171 ج1، سبل الھدیٰ والرشاد، ص124 ج2، ص259 ج1، تاریخ الخمیس، ص231 ج1، الزواجر، ص54 ج 1، الحاوی للفتاوی، ص 8 7 2 ج 2، الفتح

فضل وکرم میں سے ہوگا جو اللہ نے آپ پر کیا ہے اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا نہ عقلاً ممتنع ہے اور نہ شرعاً، شرعاً ممتنع نہ ہونے کی مثال قرآن عزیز میں ہے کہ بنی اسرائیل کا مقتول زندہ کیا گیا جس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کی خبر دی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے۔ اور ایسے ہی اللہ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر بہت سے مُردوں کو زندہ کیا ہے۔ جب یہ ثابت ہے تو آپ کے والدین کا زندہ ہونے کے بعد ایمان لانا ممتنع نہ ہوگا بلکہ یہ امر آپ کی فضیلت و کرامت میں زیادتی کا باعث ہو گا اور یہ کہنا کہ جو شخص کافر مر گیا اس کو رجعت کے بعد ایمان نفع نہ دے گا، اس کا رد کیا گیا ہے اس حدیث کے ساتھ جس سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آفتاب کو اس کے غروب ہونے کے بعد لوٹا دیا (جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی (جیسا کہ امام) طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے (مشکل الآثار) میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے کہ یہ حدیث

الربانی، ص 169 ج 8)

ثابت ہے (یعنی صحیح ہے) اور اگر آفتاب کا پلٹ آنا نافع نہ ہوتا اور اس کے پلٹنے سے وقت کی تجدید نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو آپ پر واپس نہ لوٹاتا، پس اسی طرح آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا ان کے لئے یقینا نافع ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق ان کے لئے نافع ہوگی۔

رئیس الفقہاء والمحدثین علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَنَّ نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَکْرَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِحَیَاۃِ اَبَوَیْہِ لَہٗ حَتّٰی اٰمَنَا بِہٖ کَمَا فِیْ حَدِیْثٍ صَحَّحَہُ الْقُرْطَبِیُّ وَابْنُ نَاصِرِ الدِّیْنِ حَافِظِ الشَّامِ وَغَیْرِھِمَا فَانْتَفَعْنَا بِالْاِیْمَانِ بَعْدَ الْمَوْتِ عَلٰی خِلَافِ الْقَاعِدَۃِ اِکْرَامًا لِنَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (ردالمحتار علی الدرالمختار، ص 400 ج 3، الزواجر، ص 54 ج 1)

بلاشبہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے والدین کو ان کے لئے زندہ کر کے ان کا اکرام کیا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لائے جیسا کہ حدیث میں ہے اور علامہ قرطبی وابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرہما نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے پس آپ کے والدین کا وفات کے بعد خلاف قاعدہ ایمان سے منتفع ہونا صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعزاز و اکرام ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین، مومنین اور آپ کی امت کے برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں اور جنتی ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو محتاط رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی سے ڈرنا چاہیے، جو بلا سوچے سمجھے کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کافر تھے اور وہ دوزخی ہیں معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی والدین کا معاملہ ہے۔ کیا

ہمارے لئے یہ زیبا ہے اور کیا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت نہ ہوتی ہوگی؟

امام قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ جو ائمہ مالکیہ میں سے ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ جو یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین دوزخ میں ہیں۔

آپ نے فرمایا:

اِنَّهٗ مَلْعُوْنٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا وَلَا اَذٰى اَعْظَمُ مِنْ اَنْ يُّقَالَ اَبَوَيْهِ فِى النَّارِ (الحاوی للفتاویٰ ص 442 ج 2، مواہب وزرقانی، ص186 ج1، سبل الہدیٰ، ص260 ج1)

بلاشبہ وہ ملعون ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کیا ایذا ہوگی کہ کہا جائے کہ آپ کے والدین دوزخ میں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابولہب کی بیٹی (سبیعہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ!

اِنَّ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ اَنْتِ بِنْتُ حَطَبِ النَّارِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُؤْذُوْنَنِىْ فِىْ قَرَابَتِىْ وَمَنْ اٰذَانِىْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ (ابن منذر، مواہب و زرقانی، ص186 ج1، سبل الہدی، ص4 ج11، ذخائر العقبیٰ، ص7 ج1، تاریخ الخمیس، ص238 ج1، نہایۃ الایجاز، ص34 ج1)

لوگ کہتے ہیں کہ تو دوزخ کے ایندھن کی بیٹی ہے۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضب ناک ہوئے اور کھڑے ہو کر فرمایا، ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میری قرابت کے بارے میں مجھے ایذا پہنچاتے ہیں۔ یاد رکھو جس نے مجھ کو ایذا دی درحقیقت اس نے اللہ کو ایذا دی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابولہب دوزخی ہے، مگر جب اس کی بیٹی کو طنزاً یہ کہا گیا کہ تو

دوزخی کی بیٹی ہے، تو اس سے اس کو بہت اذیت ہوئی اور اس کی اذیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا باعث بنی۔ یہاں تک کہ آپ کو فرمانا پڑا کہ میری قرابت کے بارے میں اس قسم کی باتیں کر کے مجھے ایذا نہ پہنچاؤ۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ جو شخص آپ کے جنتی والدین کریمین کو دوزخی کہتا ہے، وہ کتنی بڑی گستاخی کرتا ہے اور آپ کو کتنی اذیت پہنچاتا ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از لطف رب

شبہ (۱): فقہ اکبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے متعلق لکھا ہے: مَاتَا عَلَے الْکُفْرِ کہ آپ کے والدین کفر پر مرے، نیز ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی شرح میں یہی ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین کفر پر مرے ہیں۔

جواب (۱): فقہ اکبر کے معتمد نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے، چناں چہ علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار پر فرماتے ہیں:

وَمَا فِی الْفِقْهِ الْاَکْبَرِ مِنْ اَنَّ وَالِدَیْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ فَمَدْسُوْسٌ عَلَی الْاِمَامِ وَیَدُلُّ عَلَیْهِ اَنَّ النُّسُخَ الْمُعْتَمَدَةَ لَیْسَ فِیْهَا شَیْءٌ مِنْ ذَالِكَ۔

یعنی فقہ اکبر میں جو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کفر پر مرے ہیں، یہ امام پر افترا ہے کیوں کہ معتمد نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے، لہٰذا یہ عبارت الحاقی ہوگی کہ کسی دشمن نے اپنی طرف سے بڑھا دی۔ اسی طرح بعض لوگوں نے فقہ اکبر کے اندر بحث استویٰ علی العرش میں بھی ایک عبارت اپنی طرف سے بڑھا دی تھی، جس کا علمائے حنفیہ نے سخت رد کیا ہے۔ دشمنان دین کی طرف سے اس قسم کی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں جس کی سیکڑوں نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں کہ انھوں نے بزرگان دین کے ناموں سے کس قدر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور ان کی طرف کیا کیا منسوب کر کے مسلمانوں کو مبتلائے فتنہ وفساد کیا۔ اور اس عبارت کا الحاقی ہونا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فقہ اکبر میں صرف ایسے مسائل اعتقادیہ لکھے گئے ہیں جو نہایت ہی اہم خیال کیے جاتے ہیں اور یہ مسئلہ اس قسم کا نہیں ہے جس پر اعتقاد واجب سمجھا جائے۔ اور اگر بالفرض والمحال فقہ اکبر میں ہو تو بھی اس

کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ آپ کے والدین کافر مرے معاذ اللہ کیوں کہ مَاتَا کَافِرَیْنِ نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہوگا کہ ان کی وفات زمانہ کفر میں قبل از اسلام ہوئی جیسا کہ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَعَلَى التَّسْلِيمِ اَنَّ الْاِمَامَ قَالَ ذَالِكَ فَمَعْنَاهُ اَنَّهُمَا مَاتَا عَلٰى زَمَنِ الْكُفْرِ وَهٰذَا لَا يَقْتَضِیْ اِتِّصَافَهُمَا بِهٖ۔ کہ اگر بالفرض اس کو امام کا قول تسلیم کر لیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ آپ کے والدین نے زمانہ کفر میں قبل اسلام وفات پائی اور یہ اس بات کو مقتضی نہیں ہے کہ وہ کفر سے متصف تھے۔

علامہ سید محمد البرزنجی المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں بڑی بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے اسلام کے قائل ہیں اور فقہ اکبر کی عبارت میں غالب احتمال یہ ہے کہ مَا مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ ہو۔ (کہ ان کی وفات کفر پر نہیں ہوئی) لیکن ''ما'' کا لفظ لکھنے والے سے سہواً رہ گیا ہو۔

جہاں تک ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے ان سے اس مسئلہ میں لغزش ہوئی ہے۔ چناں چہ فقیہ محمد مرعشی رحمۃ اللہ علیہ ملا علی قاری کے اس قول سے بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا:

اَلْعَجَبُ مِنْ عَلِیِّ الْقَارِی اَنَّهٗ صَنَّفَ فِیْ هٰذَا الْبَابِ رِسَالَةً وَّتَكَلَّفَ فِيْهَا وَاَتٰى بِاَسْجَاعِ حَمْلِهٖ فَلَعَلَّ الْبُرْدَةَ اَسَرَّتْ فِیْ رَأْسِهٖ فَاخْتَلَّ عَقْلُهٗ۔

تعجب ہے کہ ملا علی قاری نے اس باب میں رسالہ لکھ مارا ہے اور اس میں تکلف کیا اور وہ مسجع و مقفی عبارتیں لکھیں جو دل پر ناگوار گزریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، ملا علی قاری کے سر میں سردی اثر کر گئی، جس سے ان کی عقل میں خلل واقع ہو گیا تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر روح المعانی زیر آیت وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ (شعراء) فرماتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ بِالْاٰيَةِ عَلٰى اِيْمَانِ اَبَوَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ كَثِيْرٌ مِنْ اَجِلَّةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَاَنَا اَخْشَى الْكُفْرَ	اور اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین ایمان پر تھے جیسا کہ اہل سنت کے بڑے بڑے ائمہ

عَلٰی مَنْ یَّقُوْلُ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ عَلِیِّ الْقَارِیْ وَاُخَرَابِهٖ بِضِدِّ ذَالِكَ الا انی لا اقول بحجیة الآیه علی هذا المطلب

(روح المعانی،ص135،ج10)

زیادہ اسی مسلک پر ہیں۔اور میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے والدین کو کافر کہنے والا کہیں خود کافر نہ ہو جائے جیسا کہ ملا علی قاری اور ان کے ہم خیال جو اس پر بضد ہیں۔مگر میں نہیں کہتا کہ اس مطلب پر یہ آیت، حجت ہے۔

شبہ نمبر 2۔حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اے کاش کہ مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین کس حال میں ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ولا تسئل عن اصحب الجحیم۔معلوم ہوا کہ آپ کے والدین جہنمی ہیں۔(معاذ اللہ)

جواب نمبر 2: یہ آیت حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے متعلق نازل نہیں ہوئی بلکہ کفار اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی، چناں چہ رئیس الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَنَّ الْمُرَادَ بِاَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ کُفَّارُ اَهْلِ الْکِتَابِ (الحاوی للفتاوی،ص432ج2)

نیز جحیم، دوزخ کا سب سے زیادہ سخت مقام ہے تو یہ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے لئے کس طرح تصور کیا جاسکتا ہے جب کہ ابوطالب کے متعلق فرمایا:

اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْ طَالِبٍ (زرقانی، کنزالعمال:39512،مصنف ابن ابی شیبہ: 34135،مسلم:212،مسند:2636)

دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے حالاں کہ ابوطالب نے زمانہ اسلام پایا اور حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بار بار دعوت دینے پر بھی اسلام قبول نہ کیا۔اور والدین کریمین نے نہ زمانہ اسلام پایا نہ انہیں دعوت اسلام پہنچی تو پھر وہ کس طرح دوزخ کے سب سے زیادہ سخت مقام کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (بنی اسرائیل)

''ہم عذاب نہیں کرتے جب تک کہ رسول کو نہ بھیجیں۔

شبہ نمبر 3: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والدین کے لیے استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبٰى (توبہ:113)

جواب نمبر 3: یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ صحیحین اور اجماع مفسرین سے ثابت ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

شبہ نمبر 4: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والدین کے لئے استغفار کیا تو جبرئیل امین نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا لا تَسْتَغْفِرْ لِمَنْ مَّاتَ مُشْرِكًا۔ اس کے لئے استغفار مت کرو جو مشرک مرا ہے۔

جواب نمبر 4: یہ حدیث بے سند ہے۔ (دیکھو الحاوی للفتاوی، ص 431 ج 2)

شبہ نمبر 5: ملیکہ کے دو بیٹوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی والدہ کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا: أُمُّكُمَا فِي النَّارِ تمہاری والدہ دوزخ میں ہے، وہ رونے لگے تو فرمایا: إِنَّ أُمِّي مَعَ أُمِّكُمَا میری ماں بھی تمہاری ماں کے ساتھ ہے۔

جواب نمبر 5: یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کسی کو کافر اور دوزخی ثابت کرنا مناسب نہیں ہے۔

شبہ نمبر 6: ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے باپ کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ فرمایا! دوزخ میں! وہ سن کر چلا تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا: إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ کہ میرا اور تیرا باپ دوزخ میں ہے۔

جواب نمبر 6: اس کے متعلق عرض ہے کہ ''میرا اور تیرا باپ دوزخ میں ہے'' کے الفاظ اصل نہیں بلکہ اصل روایت میں یوں ہے کہ: اذا مررت بقبر کافر فبشرہ بالنار۔ جب تم کسی کافر کی قبر سے گزرو تو اسے جہنم کی بشارت دو۔ (طبرانی:326، فیض القدیر:3769، ابن ماجہ:1573، کنز العمال:17077، سبل الہدیٰ والرشاد، ص 247 ج 1، مسالک الحنفاء)، تاہم شبہ

میں پیش کی جانے والی عبارت کے جواب میں علامہ شہاب الدین خفاجی شافعی مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاكَ فِی النَّارِ، اَرَادَ بِاَبِیْهِ عَمَّهٗ اَبَا طَالِبٍ لِاَنَّ الْعَرَبَ تُسَمِّی الْعَمَّ اَبًا۔ (نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ میرا اور تیرا باپ دوزخ میں ہے تو باپ سے آپ کی مراد چچا ابو طالب ہے کیوں کہ عرب چچا کو باپ کہتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ایمان کے متعلق مذکورہ بالا چند سطور اہل ایمان وادب کے لئے کافی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (1)

☆......☆......☆......☆

1۔ اس موضوع پر مزید تحقیق اور تفصیل کے لیے میری کتاب ''والدین رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' ملاحظہ فرمائیں۔ (کوکب غفرلہ)

کفالت عبدالمطلب

حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ ام ایمن کے ہمراہ مکہ میں واپس آئے اور اپنے شفیق دادا حضرت عبدالمطلب کے پاس رہنے لگے حضرت عبدالمطلب آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور اپنی تمام اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے اور آپ کا اعزاز و اکرام کرتے۔

حضرت عبدالمطلب کے لئے جب دسترخوان بچھایا جاتا تو فرماتے عَلَیَّ بِابْنِیْ میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ جب تک آپ تشریف نہ لے آتے وہ کھانا نہ کھاتے۔

(طبقات ابن سعد، ص74 ج2، البدایہ والنہایہ، ص343 ج2)

حضرت عبدالمطلب کے لئے بیت اللہ شریف کے زیر سایہ فرش بچھایا جاتا اور وہ تشریف لا کر اس پر بیٹھتے۔ ان کے احترام اور عظمت کی وجہ سے ان کے فرزندوں میں سے کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ وہ ان کے ساتھ اس فرش پر بیٹھ جائیں۔ سب کے سب اس فرش کے اطراف بیٹھتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا کر بلا تکلف اس فرش پر اپنے دادا کے پاس بیٹھ جاتے۔ بعض مرتبہ آپ کے چچا آپ کو اس خیال سے پکڑ لیتے کہ آپ فرش پر نہ بیٹھیں، مگر حضرت عبدالمطلب فرماتے: دَعُوْا اِبْنِیْ فَوَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ شَانًا عَظِیْمًا۔ میرے بیٹے کو چھوڑ دو، خدا کی قسم اس کی بہت بڑی شان ہے۔ چناں چہ وہ آپ کو اپنے ساتھ بٹھا لیتے اور شفقت و محبت سے آپ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے۔ (سیرت ابن ہشام، ص178 ج1، ابن اسحٰق، ص66 ج1، سبل الہدیٰ، ص129 ج2، السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ص240 ج1)

ایک مرتبہ قبیلہ مدلج کے کچھ لوگوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا:

اِحْتَفِظْ بِہٖ فَاِنَّا لَمْ نَرَ قَدَمًا اَشْبَہَ بِالْقَدَمِ الَّتِیْ فِی الْمَقَامِ مِنْہُ۔

اس لڑکے کی حفاظت کرو کیوں کہ مقام ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو نشان قدم ہے اس کے ساتھ اس لڑکے کے قدموں سے زیادہ مشابہ ہم نے کسی کا قدم نہیں دیکھا۔

حضرت عبدالمطلب نے ابوطالب سے فرمایا، سن یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔
(طبقات ابن سعد، ص95 ج1، دلائل النبوۃ ابی نعیم :100، ابن عساکر، ص85 ج3، البدایہ والنہایہ، ص343 ج2، سبل الہدیٰ، ص129 ج2)

حضرت ام ایمن (برکت بی بی) جو ماؤں کی طرح آپ کو پیار و محبت سے پالتیں اور رکھتیں۔ ایک دن حضرت عبدالمطلب نے ان سے فرمایا:

یَا بَرَکَۃُ! لَا تَغْفَلِیْ عَنِ ابْنِیْ فَاِنِّیْ وَجَدْتُّہٗ مَعَ غِلْمَانٍ قَرِیْبًا مِّنَ السِّدْرَۃِ وَاِنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ یَزْعُمُوْنَ اَنَّ ابْنِیْ ھٰذَا نَبِیُّ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر، ص240 ج1، زرقانی، ص352 ج1، تفسیر مظہری، ص308 ج4، البدایہ والنہایہ، ص343 ج2، طبقات ابن سعد، ص118 ج1)

اے برکت! میرے بیٹے سے غافل مت ہوا کر، میں نے اسے چند لڑکوں کے ساتھ اکیلا بیری کے درخت کے پاس پایا ہے۔ حالاں کہ اہل کتاب یہ گمان کرتے ہیں کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا نبی ہے۔

ابھی آپ کو اپنے دادا کے پاس رہتے ہوئے دو ہی برس گزرے تھے اور آپ کی ظاہری عمر شریف آٹھ برس ہی کی ہوئی تھی تو حضرت عبدالمطلب باختلاف اقوال بیاسی یا ایک سو دس یا ایک سو بیس برس کی عمر پا کر انتقال فرما گئے۔

حضرت عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے مگر حضرت ابو طالب اور حضرت عبداللہ کی ایک ہی ماں تھی۔ اس لئے بوقت رحلت انہوں نے ابوطالب کو بلا کر آپ کی حفاظت اور آپ پر شفقت و محبت کرنے کی وصیت فرمائی۔ (طبقات ابن سعد صفحہ 118/1)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا، کیا آپ کو عبدالمطلب کی موت یاد ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں ان دنوں آٹھ برس کا تھا۔

ام ایمن کہتی ہیں میں نے اس روز دیکھا کہ آپ عبدالمطلب کے تابوت کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے جا رہے تھے۔
(طبقات ابن سعد، ص119 ج1، سبل الہدی، ص135 ج2، سیرۃ حلبیہ، ص165 ج1)

ابوطالب کی آغوش رافت

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ اپنے شفیق چچا حضرت ابوطالب کے پاس رہنے لگے۔ انہوں نے آپ کو بڑی شفقت و محبت سے رکھا۔ اپنی اولاد سے زیادہ بڑھ کر آپ کو چاہتے اور محبوب رکھتے تھے۔ آپ کے بغیر نہ کھانا کھاتے اور نہ استراحت فرماتے۔ کہیں باہر جاتے تو بھی آپ کو ہمراہ لے لیتے۔ کھانے کے وقت اہل و عیال سے فرماتے: کَمَا اَنْتُمْ حَتّٰی یَحْضُرَ ابْنِیْ۔ تم لوگ تو جیسے ہو، ظاہر ہے۔ ٹھہرو! میرے بیٹے کو آ جانے دو۔ جب آپ تشریف لے آتے تب کھانا کھاتے۔ آپ کی برکت سے سب سیر ہو جاتے اور کھانا بچ جاتا۔ اگر آپ کھانے میں شریک نہ ہوتے تو کسی کو سیری نہ ہوتی۔ اسی واسطے حضرت ابوطالب آپ سے فرمایا کرتے: اِنَّکَ لَمُبَارَکٌ بلاشبہ تم بہت مبارک ہو۔

(طبقات ابن سعد، ص119 ج1)

بظاہر آپ ان کی کفالت میں تھے، لیکن درحقیقت آپ کی برکت خود ابوطالب کی کفالت کرتی تھی اور پھر بھی اس احسان کے بدلے میں آپ نے ابوطالب کے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا تھا۔

حضرت ابوطالب کے سب لڑکے صبح کو اٹھتے تو ان کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں میں چیپڑے بھرے ہوتے مگر آپ کے بالوں میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگا ہوتا۔

(طبقات ابن سعد، ص120 ج1)

حضرت جہلمہ بن عرفطہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مکہ میں آیا اس وقت ساکنان مکہ قحط سالی کی سخت مصیبت میں گرفتار تھے۔ قریش مل کر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا اے ابوطالب لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہیں نکلو اور خدا سے مینہ مانگو!

فَخَرَجَ اَبُوْطَالِبٍ وَمَعَهٗ غُلَامٌ کَاَنَّهٗ پس ابوطالب نکلے اور ان کے ساتھ ایک
شَمْسُ دُجُنٍّ تَجَلَّتْ عَنْهُ سَحَابَتُهٗ ایسا نورانی لڑکا تھا کہ گویا آفتاب تھا جو

قَتْمَاءُ وَّحَوْلَهٗ اَغْلِمَةٌ فَاَخَذَهٗ اَبُوْطَالِبٍ فَاَلْصَقَ ظَهْرَهٗ بِالْكَعْبَةِ وَلَاذَ الْغُلَامُ بِاِصْبَعِهٖ وَمَا فِى السَّمَآءِ قَزَعَةٌ فَاَقْبَلَ السَّحَابُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا وَاَغْدَقَ وَ اغْدَوْدَقَ وَانْفَجَرَ لَهُ الْوَادِىْ وَاَخْصَبَ النَّادِىْ وَالبَادِىْ وَ فِىْ هٰذَا يَقُوْلُ اَبُوْ طَالِبٍ

کالے بادلوں سے نکلا ہوا اور اس کے گرد چند بچے اور بھی تھے، ابو طالب نے (بیت اللہ پہنچ کر) اس نورانی بچے کی پشت دیوار کعبہ سے لگا دی، اس نورانی بچہ نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا حالاں کہ اس وقت آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا تک نہ تھا مگر اس کے اشارہ سے چاروں طرف سے بادل آ گیا اور اتنا برسا کہ جنگل بہہ نکلے اور قحط سالی کی مصیبت دور ہوگئ

ابوطالب نے اپنے اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتٰمٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

وہ گورے رنگ والے کہ ان کے چہرہ انور کے صدقے میں ابر کا پانی مانگا جاتا ہے یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں یا مساکین کے نگہ بان۔

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِىْ نِعْمَةٍ وَّفَوَاصِلٍ

بنی ہاشم جیسے غیور لوگ ہلاکت وتباہی کے وقت ان سے التجا اور فریاد کرتے ہیں اور وہ آپ کے پاس آ کر عظیم نعمتیں اور برکتیں پاتے ہیں۔ (مواہب و زرقانی، ص190 ج1، خصائص کبریٰ، ص86 ج1، سبل الہدیٰ، ص137 ج2، تاریخ الخمیس، ص253 ج1، سیرۃ حلبیہ، ص169 ج1، المجالسۃ وجواہر العلم، ص185 ج6، بہجۃ المحافل، ص119 ج1)

☆......☆......☆......☆

سفر شام

جب آپ کی ظاہری عمر بارہ سال کی ہوئی تو حضرت ابوطالب حسب دستور سابق قریشی تاجروں کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام جانے کے لئے تیار ہوئے، ان کا خیال آپ کو ساتھ لے جانے کا نہیں تھا مگر آپ ان سے لپٹ گئے اور کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ حضرت ابوطالب کا دل بھر آیا، پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور فرمایا: خدا کی قسم میں تمہیں ضرور اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ چناں چہ انہوں نے آپ کو ساتھ لے لیا۔

جب یہ قافلہ سرزمین شام کے مقام بصریٰ میں پہنچا تو وہاں بحیرا نامی ایک راہب اپنے کنیسہ میں رہتا تھا جو توراۃ وانجیل اور کتب سماویہ کا بہت بڑا عالم تھا اور اسی کنیسہ میں اس کے اسلاف کی کتب تھیں جو نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی تھیں۔ وہ اچانک اپنے کنیسہ سے باہر نکلا اور اس آتے ہوئے قافلہ کو غور سے دیکھنے لگا، اس نے دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا برابر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کیے ہوئے آرہا تھا۔ قافلہ کے لوگ اس کے کنیسہ کے پاس آکر ایک درخت کے نیچے اترے۔ جب آپ اس درخت کے قریب آئے تو اس کی شاخیں آپ پر جھک پڑیں اور بادل کا ٹکڑا ٹھہر گیا۔

بحیرا نے کنیسہ کے خدام کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور قافلہ والوں کو پیغام بھیجا کہ آپ سب لوگ میرے یہاں کھانا کھا کر جائیں گے۔ قریشی تاجروں میں سے ایک نے کہا، ہم پہلے بھی کئی مرتبہ اسی راستے اور اسی کنیسے کے پاس سے گزرے ہیں، آپ نے کبھی ہماری دعوت نہیں کی، آج کیا بات ہے؟

بحیرا نے کہا تم لوگ مہمان ہو، میں نے چاہا کہ تمہاری عزت کروں اور کھانا کھلاؤں! سب لوگ اس حسن سلوک سے حیران تھے۔ کھانا تیار ہونے پر اس نے سب کو بلایا، سب کے سب اس کے پاس جمع ہوگئے لیکن نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم بسبب اونٹوں کی نگہ بانی

کے نہ گئے اور ان لوگوں کے کجاووں کے پاس بیٹھے رہے۔ جب بحیرا نے ان سب پر نظر ڈالی تو اس نے اس مقصود ذات کو نہ پایا، طفیلی ہی طفیلی نظر آئے، تو کہنے لگا! اے گروہ قریش کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اس کھانے سے پیچھے رہ جائے؟ انہوں نے کہا سوائے ایک کم سِن لڑکے کے کوئی پیچھے نہیں رہا، بحیرا نے کہا اس کو بھی بلا لو، حارث بن عبد المطلب آپ کو لانے کے لئے اٹھے اور بحیرا بھی نکل کر دیکھنے لگے۔ اس نے دیکھا کہ آپ آ رہے ہیں اور بادل کا ٹکڑا آپ پر سایہ کیے آ رہا ہے۔ آپ تشریف لے آئے اور سب لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ بحیرا آپ کو بہت ہی غور سے دیکھتا رہا اور آپ کے جسد مبارک کے خاص خاص مقامات کا معائنہ کرنے لگا۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہو کر منتشر ہوئے تو بحیرا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے میں تجھے لات وعزیٰ کی قسم دے کر چند باتیں پوچھتا ہوں مجھے جواب دے۔ (بحیرا نے لات وعزیٰ کی قسم اس لئے دی کہ اس نے آپ کی قوم قریش کو دوران گفتگو ان دونوں کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا تھا) آپ نے فرمایا:

لَا تَسْئَلْنِیْ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی فَوَ اللّٰهِ مَآ اَبْغَضْتُ شَیْئًا قَطُّ بُغْضَهُمَا وَلٰکِنِ اِسْئَلْنِیْ بِاللّٰهِ اُخْبِرْكَ قَالَ لَهٗ بُحَیْرًا فَبِاللّٰهِ اِلَّا مَا خَبَّرْتَنِیْ عَمَّآ اَسْئَلُكَ عَنْهُ قَالَ سَلْنِیْ بِذٰالِكَ۔

لات وعزیٰ کی قسم دے کر مجھ سے نہ پوچھ! خدا کی قسم مجھے جتنا ان دونوں سے بغض ہے اور کسی چیز سے نہیں، ہاں مجھ سے اللہ کی قسم دے کر پوچھ، میں بتاؤں گا۔ بحیرا نے کہا: اچھا میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر جو کچھ پوچھتا ہوں، وہ بتائیے! فرمایا! پوچھو میں بتاؤں گا۔

چناں چہ اس نے آپ سے آپ کے احوال کے متعلق چند باتیں پوچھیں، آپ نے جواب دیا پھر اس نے آپ سے آپ کی نیند کے متعلق پوچھا، فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ پھر اس نے آپ کی آنکھیں اور مہر نبوت کو دیکھا، غرض اس نے آپ کے تمام اوصاف کو کتب سماویہ کے بیان کے موافق پایا۔ آپ کے معاملے میں اس راہب

کی محویت اور غور وفکر کو قریشی تاجروں نے تشویش کی نگاہ سے دیکھا اور حضرت ابو طالب بہت خائف ہوئے۔ چناں چہ بحیرا نے حضرت ابو طالب کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا، آپ کا اس لڑکے کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میرا بیٹا ہے۔ اس نے کہا یہ تمہارا بیٹا نہیں، اس کا باپ تو زندہ نہیں ہونا چاہیے، فرمایا ٹھیک ہے، یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور اس کا باپ اس وقت انتقال کر گیا تھا جب کہ یہ شکم مادر میں تھا۔ اس نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو پھر اس نے کہا۔

ابو طالب! اس بچے کو لے کر واپس چلے جاؤ اور یہود سے اس کی حفاظت کرو! خدا کی قسم اگر انہوں نے اس کو دیکھ لیا اور اس کے متعلق جو کچھ میں نے جانا ہے، انہوں نے بھی جان لیا، تو وہ ضرور اس کو ضرر پہنچائیں گے اور ابو طالب یاد رکھنا ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں، اس کی بہت بڑی شان ہونے والی ہے۔ چناں چہ حضرت ابو طالب آپ کو لے کر وہیں سے مکہ واپس آ گئے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے ایک جماعت کے ساتھ آپ کو مکہ بھیج دیا اور خود شام کو روانہ ہوئے۔ (ملخصاً سیرت ابن ہشام، دلائل النبوت، ابونعیم، ص 125، ابن اثیر، ص 16 ج 2، خصائص کبریٰ، ص 84 ج 1، طبقات ابن سعد، ص 154 ج 1

کتب سیر میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ جب بحیرا آپ کے متعلق ابو طالب سے مصروف گفتگو تھا، تو روم کے سات آدمی جو آپ کے قتل کی غرض سے اپنے ملک سے نکلے تھے، آئے بحیرا نے ان سے آنے کی غرض وغایت دریافت کی۔ انہوں نے کہا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہ نبی اس مہینے میں اور اس راستہ سے سفر کرے گا، اس واسطے ہمارے بادشاہ نے تمام راستوں پر آدمی متعین کر دیئے تاکہ یہ کسی راستے نکل نہ جائے۔ اور ہمارے بادشاہ کا حکم ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے، اس راستے پر ہمارا تعین ہوا ہے اور ہم اس نبی کو قتل کرنے آئے ہیں۔

بحیرا نے کہا:

اَفَرَاَیْتُمْ اَمْرًا اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّقْضِیَہٗ ھَلْ یَسْتَطِیْعُ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ رَدَّہٗ؟ قَالُوْا لَا! قَالَ فَبَایَعُوْہُ وَاَقَامُوْا مَعَہٗ	کیا تم نے کوئی ایسا امر دیکھا ہے جس کو اللہ پورا کرنا چاہے اور آدمیوں میں سے کوئی اس کے پھیرنے کی طاقت رکھتا ہو؟

(دلائل النبوت صفحہ 130، سیرت ابن ہشام، ص194 ج1، ابن اثیر، ص16 ج2، مواہب اللدنیہ وزرقانی، ص195، سبل الہدی والرشاد، ص142 ج2، اعلام النبوۃ، ص176 ج1، ترمذی:3620، البزار:3096، تاریخ طبری، ص279 ج2، مستدرک:4229، تاریخ بغداد، ص252 ج10، الثقات لابن حبان، ص44 ج1، السیرۃ النبویہ و اخبار الخلفاء، ص60 ج1)

انہوں نے کہا نہیں! تو بحیرا نے کہا اس قتل کے ناپاک ارادے سے باز آ جاؤ۔ یعنی جب اللہ کی نصرت وحمایت ان کے ساتھ ہے اور اللہ اس امر کو پورا کرنا چاہتا ہے، تو تم کیا کر سکتے ہو۔ سارے دنیا کے لوگ بھی نکل کھڑے ہوں تب بھی امر الٰہی غالب رہے گا۔

بحیرا کی یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے بحیرا کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم اس نبی کو کسی قسم کی ایذا وغیرہ نہ دیں گے اور وہ واپسی کا ارادہ ترک کر کے بحیرا کے پاس ہی مقیم ہو گئے کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے اپنے بادشاہ کی حکم عدولی کی ہے، لہٰذا واپس جائیں گے تو جانوں کی خیر نہیں۔

اور بحیرا راہب کا واقعہ یوں بھی مذکور ہوا ہے، کہ جب یہ تجارتی قافلہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، شہر بصرہ میں اس کنیسہ کے پاس پہنچا تو وہ کنیسہ سے باہر نکلا اور قافلہ کو دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل سایہ کیے ہوئے آ رہا ہے۔ اس نے آپ کو علامات سے پہچان لیا اور آگے آ کر آپ کا دست مبارک اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔

هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ هٰذَا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ فَقَالَ لَهٗ اَشْيَاخُ قُرَيْشٍ مَا

یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں، یہ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ رحمت للعالمین بنا کر

عِلْمُكَ؟ قَالَ اِنَّكُمْ حِيْنَ اَشْرَفْتُمْ مِّنَ الْعَقَبَةِ لَمْ تَبْقَ شَجَرٌ وَّلَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَّلَا يَسْجُدُ اِلَّا لِنَبِيٍّ وَاِنِّي لَاَعْرِفُهٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ بِاَسْفَلِ مِنْ غَضْرُوْفِ كَتَفَيْهِ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ وَاِنَّا نَجِدُهٗ فِيْ كُتُبِنَا وَسَأَلَ اَبَا طَالِبٍ اَنْ يُّرُدَّهٗ خَوْفاً عَلَيْهِ مِنَ الْيَهُوْدِ (ابونعیم، 130، ابن ابی شیبہ:36541، حاکم:4229، بیہقی، ص24 ج2، مواہب وزرقانی، ص194 ج1، دلائل النبوت ابونعیم:109، ترمذی:3620، تاریخ بغداد: 5322، الثقات لابن حبان، ص43 ج1)

مبعوث کرے گا، تو قریشی تاجروں نے اس سے کہا تجھے کیوں کر معلوم ہوا کہنے لگا تم لوگ جب اس گھاٹی کے پیچھے سے نکلے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا نہیں رہا جو سجدہ میں نہ گرا ہو۔ اور یہ شجر و حجر نہیں سجدہ کرتے مگر نبی کو۔ اور میں نے ان کو مہر نبوت سے پہچان لیا ہے جو ان کے شانوں کے غضروف کے نیچے مثل سیب کے ہے اور ہم لوگ ان کو اپنی کتابوں میں نبی پاتے ہیں۔ پھر اس نے ابو طالب سے استدعا کی کہ آپ ان کو واپس لے جائیں، میں ان پر یہود سے خوف کھاتا ہوں وہ حسداً ان سے دشمنی کریں گے۔

تعجب ہے کہ بعض لوگوں نے بحیرا راہب کی ملاقات کے واقعات کو غلط بتایا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہودی لوگ قبل از بعثت آپ کے انتظار میں تھے اور آپ کی بعثت کو کفار کے مقابلے میں اپنی فتح و نصرت کا باعث سمجھتے تھے، لہٰذا اگر وہ بچپن میں آپ کو پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد کے موافق آپ کو اپنی فتح و نصرت کا دیوتا سمجھ کر نہایت خدمت گزاری کرتے، نہ کہ دشمنی کرتے۔ اس کے متعلق ہم صرف اتنا عرض کر دیتے ہیں کہ جن لوگوں نے ایسا لکھا ہے انہوں نے اصل بات کو سمجھا نہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے پہلے کفار کے مقابلہ میں آپ کے توسل سے فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ

کہ وہ یہود اس (نبی کے آنے) سے پہلے

كَفَرُوْا (بقرہ:89) (اس نبی کے وسیلے سے) کافروں پر فتح طلب کیا کرتے تھے۔

چناں چہ مفسرین ومحدثین نے اپنی اپنی کتب معتبرہ میں صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہود، عرب کے بت پرست قبائل کے ساتھ جب جنگ کرتے تو ہمیشہ مغلوب ہوتے تھے، انہوں نے اپنے علماء کی طرف رجوع کیا اور فتح کی تدبیر پوچھی، علماء نے بہت زیادہ غور وفکر کے بعد ان کو یہ دعا تعلیم کی:

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ صِفَتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ (تفسیر الجلالین، ص19 ج1، تفسیر النیسا پوری، ص332 ج1، تفسیر ثعلبی، ص234 ج1، تفسیر البسیط، ص140 ج3، تفسیر البغوی، ص142 ج1، الکشاف، ص 164 ج1، تفسیر الخازن، ص60 ج1، البحر المحیط، ص486 ج1)

اے اللہ ہمیں نبی آخر الزماں جس کی صفت کریمہ ہم توراۃ میں پاتے ہیں، اس کے وسیلہ سے فتح ونصرت عطا فرما!

چناں چہ ان کو آپ کے وسیلہ جلیلہ سے فتح ونصرت حاصل ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ (بقرہ)

تو جب وہ (نبی) آیا ان کے پاس جس کو انہوں نے پہچانا (اور پھر اس پہچاننے کے باوجود) اس کے ساتھ کفر کیا پس ایسے کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ (بقرہ)

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (نبی) کو پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے بیٹوں کو (بلا تردد) پہچانتے ہیں اور بلاشبہ ایک فرقہ ان میں ایسا ہے جو جانتے

ہوئے حق کو چھپاتا ہے۔

قرآن کریم کی ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ یہودی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلا شک و شبہ خوب پہچانتے تھے کہ یہ وہی نبی آخرالزمان ہیں جن کے اوصاف حمیدہ توارات میں ہیں اور جن کے وسیلہ سے ہم فتح یاب ہوتے تھے، مگر پھر بھی انہوں نے نہ مانا اور کافر ہی رہے، تو وہ کیوں، صرف اس لئے کہ آپ ان کی قوم بنی اسرائیل میں سے نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوئے تھے اور ان کو یہ گمان تھا کہ وہ نبی آخرالزمان بنی اسرائیل میں سے ہوں گے، صرف غیر قوم میں سے ہونے کی وجہ سے انہوں نے ازراہ تعصب وحسد جان بوجھ کر ماننے سے انکار کر دیا اور آپ کے اوصاف حمیدہ کو چھپایا۔ اور توراۃ میں تغیر وتبدل کر دیا کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ نبی صاحب کتاب اور آخری نبی ہے اور قیامت تک اسی کا دین رہے گا ہماری شریعت منسوخ ہو جائے گی اور سالہا سال سے جو ہمارا اقتدار چلا آرہا ہے وہ یک دم ختم ہو کر رہ جائے گا۔ ان وجوہات کی بنا پر وہ آپ کے دشمن ہو گئے تھے، لہٰذا اس کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ یہود اگر بچپن میں آپ کو پہچان لیتے تو نہایت خدمت گزاری کرتے، کیوں کہ یہاں بچپن یا جوانی یا زمانہ بعثت کا تو سوال ہی نہیں تھا، یہاں تو سوال قومیت اور اقتدار کا تھا۔ اسی واسطے یہودیوں کی طرف سے یہ ناپاک کوششیں ہوئیں کہ اس نبی کو بچپن میں ہی قتل کر دیں جیسا کہ مذکور ہو چکا۔ اور پھر وہ لوگ جو آپ کو قتل کرنے آئے تھے۔ بحیرا راہب کے سمجھانے سے باز آ گئے۔ بلکہ ان حقائق کے پیش نظر تو بحیرا راہب کے واقعات کی تائید ہوتی ہے کیوں کہ یہودی اپنے زعم باطل میں سمجھتے تھے کہ اس نبی کو بچپن میں قتل کرنا آسان ہے بہ نسبت زمانہ بعثت ونبوت کے۔ اور پھر قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بحیرا راہب کا گمان بالکل صحیح اور درست تھا کیوں کہ یہ وہی یہود تھے جنہوں نے خود اپنی قوم کے نبی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ مانا اور آیات الٰہیہ کی تکذیب کی۔ اور اپنی قوم بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی اور ان کی والدہ حضرت مریم پر تہمتیں لگائیں وغیرہ وغیرہ۔ ان یہود

سے واقعی نیک سلوک کی کیا توقع ہوسکتی تھی، لہٰذا بحیرا راہب کا ازراہ ہمدردی والفت ابو طالب کو کہنا کہ آپ ان کو واپس مکہ لے جائیں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہود ان کو ضرر نہ پہنچائیں، بالکل درست اور حق ہے۔

اسی واسطے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تجرید الصحابہ میں فرمایا ہے کہ بحیرا راہب نے آپ کو قبل از بعثت دیکھا ہے اور وہ آپ پر ایمان لایا ہے۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت کے سلسلے میں میسرہ کے ساتھ گئے تھے تو بحیرا راہب نے پھر آپ کی علامات اور مہر نبوت کو غور سے دیکھا اور کہا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ بَشَّرَ بِهٖ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ (زرقانی علی المواہب، ص 195 ج 1، سیرۃ حلبیہ، ص 194 ج 1، الاصابہ، ص 476 ج 1، سبل الہدیٰ، ص 159، 2)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول اور وہی نبی اِمی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے دی ہے۔

ابن منذر اور حافظ ابونعیم نے بحیرا کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (کذا فی المواہب، ص 195 ج 1)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ (بقرہ)

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے وہ اس پر ایمان بھی لاتے ہیں اور جو اس کے منکر ہو گئے ہیں وہ ہی خسارہ پانے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیہ کریمہ کے متعلق فرماتے ہیں:

نَزَلَتْ فِیْ اَھْلِ السَّفِیْنَۃِ الَّذِیْنَ قَدِمُوْا مَعَ جَعْفَرَ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَانُوْا اَرْبَعِیْنَ رَجُلًا اِثْنَانِ وَثَلَاثُوْنَ رَجُلًا مِّنَ الْحَبْشَۃِ وَثَمَانِیَۃٌ مِنْ رُھْبَانِ الشَّامِ مِنْھُمْ بُحَیْرًا رَاھِبٌ (تفسیر خازن، ص85 ج1، تفسیر الثعلبی، ص266 ج1، تفسیر البغوی، ص161 ج1، تفسیر مظہری، ص121، ج1)

یہ آیت اہل سفینہ کے حق میں نازل ہوئی جو حضرت جعفر بن ابو طالب کے ساتھ حاضر ہوئے (اور ایمان لائے) تھے ان کی تعداد چالیس تھی، بتیس اہل حبشہ اور آٹھ شام کے راہب تھے اور بحیرا راہب بھی ان میں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بچپن شریف میں بھی آپ کے دامن کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ومنزہ رکھا تھا، حسن وجمال کے اس پیکر میں تمام بھلائیوں اور خوبیوں کو جمع کر دیا تھا۔ آپ اخلاق و عادات میں سب سے اچھے، حسب ونسب میں سب سے اشرف، علم وحلم میں سب سے بڑھ کر بات چیت میں سب سے زیادہ سچے، امانت و دیانت میں سب سے بڑھ کر تھے۔ یہاں تک کہ اپنے اور پرائے سب آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے بچپن شریف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں قریش کے بچوں کے ساتھ اپنے کندھوں پر پتھر اٹھا رہا تھا۔ تمام لڑکوں نے اپنے تہہ بند اتار کر اپنی گردنوں پر رکھ لئے۔ تاکہ پتھر اس تہہ بند کے اوپر رکھ سکیں اور گردن کو تکلیف نہ ہو۔ میں نے بھی اس خیال سے تہہ بند اتارنا چاہا کہ اچانک کسی نے مجھ پر ہاتھ مارا اور کہا شُدَّ عَلَیْكَ اِزَارَكَ اپنا تہہ بند باندھے رکھو، تو میں نے اپنا تہبند باندھے رکھا اور اپنی گردن پر ہی پتھر اٹھاتا رہا۔ اس وقت میرے ساتھی سب برہنہ تھے۔ ایک میرا ہی تہہ بند بندھا ہوا تھا۔

(سیرت ابن ہشام، ص194 ج1، البدایہ والنہایہ، ص350 ج2، فتح الباری، ص146 ج7، سیر اعلام النبلاء، ص61 ج1، تاریخ اسلام ذہبی، ص506 ج1، عیون الاثر، ص55 ج1، الروض الانف، ص146 ج2)

☆......☆......☆......☆

گلّہ بانی

بکریاں چرانا کوئی معیوب کام نہیں ہے، عرب کے بڑے بڑے شرفا اور امراء کے بچے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ حضرت ابو طالب نے بھی آپ کو بکریاں چرانے پر لگا دیا۔

حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَقَدْ رَعَی الْغَنَمَ قَالُوْا وَ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ وَاَنَا

(کنز العمال: 9242، 35234، طبقات ابن سعد، ص 125 ج 1، ابن ماجہ: 2149، الاستذکار: 1815، الموطا: 3560، سیرۃ ابن اسحٰق، ص 124 ج 1، البدایہ والنہایہ، ص 318 ج 6، تاریخ اسلام ذہبی، ص 502 ج 1، ارشاد الساری: 3406، سیر اعلام النبلاء، ص 56 ج 1، ابن ہشام، ص 167 ج 1، تاریخ بغداد: 4757، الروض الانف، ص 116 ج 2، ابن کثیر، ص 416 ج 5، سبل الہدیٰ، ص 156 ج 2)

کوئی ایسا پیغمبر نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اور آپ نے بھی؟ فرمایا میں نے بھی!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بکریاں چرانے کا ذکر تو قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔ فرمایا:

هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ (طٰہٰ: 18)

یہ میرا عصا ہے اس پر میں تکیہ لگاتا ہوں اور اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں۔

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ''پیلو'' لے کر آپ کے پاس سے گزرے، تو آپ نے فرمایا کہ ان میں جو سیاہ ہو گیا ہو، وہ لینا چاہیے، وہ میٹھا اور مزے دار ہوتا ہے۔ میں جب بکریاں چرایا کرتا تھا تو ان کو چنا کرتا تھا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول

اللہ! آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا! ہاں! اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ (طبقات ابن سعد، ص125 ج1)

حرب فجار

جب آپ کی ظاہری عمر شریف بیس برس کی ہوئی تو قبیلہ ہوازن اور بنو کنانہ کے درمیان بڑے زور کی جنگ ہوئی۔ اس معرکہ کا نام حرب الفجار ہے، کیوں کہ یہ ان ایام میں ہوا جن میں لڑنا اہل عرب کے نزدیک حرام و ناجائز تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس جنگ میں شرکت فرمائی، چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

كُنْتُ أُنَبِّلَ عَلٰى اَعْمَامِيْ میں اپنے چچاؤں کو (ترکش سے) تیر نکال کر دیتا جاتا تھا۔

(ابن ہشام، ص186 ج1، سیرۃ حلبیہ، ص186 ج1، تاریخ الخمیس، ص259 ج1، الروض الانف، ص149 ج2، تاریخ اسلام ذہبی، ص506 ج1، البدایہ والنہایہ، ص354 ج2، سیر اعلام النبلاء، ص61 ج1)

اس لڑائی کا سبب یہ تھا کہ عرب کے مشہور ترین مقام بازار عکاظ میں ہر سال ایک بہت بڑا بھاری میلہ لگتا تھا جو بیس روز تک جاری رہتا۔ اس میں دور دور سے آ کر لوگ شریک ہوتے اور عرب کی صنعت و حرفت کی نمائش کی جاتی اور خوب خرید و فروخت ہوتی۔

نعمان بن منذر (والئ حیرہ) ہر سال اپنا مال تجارت بازار عکاظ میں فروختگی کے لئے بھیجا کرتا اور اشراف عرب میں سے کسی کو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنا دیتا، جس کی نگرانی میں وہ مال فروخت ہوتا۔

اس سال نعمان بن منذر کے مال کی حفاظت کا ذمہ عروۃ الرحال بن عتبہ نے کہا، میں لوں گا۔ عروہ قبیلہ ہوازن میں سے ایک سردار تھا یہ دیکھ کر بنو کنانہ میں سے ایک شخص براص بن قیس نے عروہ سے کہا کہ تو بنو کنانہ کے مقابلہ میں اس مال کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے؟ عروہ نے کہا بنو کنانہ کیا ہیں! میں تمام لوگوں کے مقابلہ میں اس مال کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔

براص بن قیس اپنے حریف عروہ کے اس جرأت مندانہ جواب سے بہت مشتعل ہوا، اس وقت تو وہ خاموش رہا مگر اس نے موقع پا کر عروہ کو قتل کر دیا۔

عروہ چوں کہ اپنی قوم ہوازن میں ایک سردار کی حیثیت رکھتا تھا، اس لئے اس قوم نے قصاص میں براص بن قیس کو قتل کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اپنے سردار کے قتل کے بدلہ میں بنو کنانہ میں سے کسی سردار کو قتل کریں گے۔ بنو کنانہ نے اس سے انکار کر دیا۔ عروہ کی قوم نے بدلہ لینے کے لئے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں، ادھر بنو کنانہ بھی مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ چناں چہ ایک سال تک تیاریاں ہوتی رہیں مکہ کے تمام سرداروں نے اس معرکہ کے لئے الگ الگ فوجیں تیار کیں، ان سرداروں میں سے کچھ ہوازن اور کچھ بنو کنانہ کے ساتھ ہو گئے۔ قریش سب بنو کنانہ کے ساتھ تھے۔ قبیلہ ہوازن کا سپہ سالار اعظم معوذ بن معتب الثقفی تھا۔ اور بنو کنانہ کے سب سرداروں کا سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا، جو ابو سفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا۔

قریش میں آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبدالمطلب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے اور آپ ان ہی کی صف میں تھے۔

الغرض یہ سب سردار اپنی اپنی فوجیں لے کر میدان کارزار میں آ گئے اور بڑے زور کی جنگ ہوئی اور کئی مرتبہ ہوئی، پہلے ہوازن اور پھر بنو کنانہ غالب آئے اور بالآخر آپس میں صلح ہو گئی۔ (ملخصاً سیرت ابن ہشام، ص 190 ج 1، طبقات ابن سعد، ص 126 ج 1)

حلف الفضول

جنگ فجار سے واپس آ کر زبیر بن عبدالمطلب نے (جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور سردار خاندان بنو ہاشم تھے)، عبداللہ بن جدعان کے گھر کھانے کا انتظام کر کے مختلف خاندانوں اور سرداروں کی دعوت کی، جب کھانے سے فارغ ہوئے تو زبیر بن عبدالمطلب اور دیگر آپ کے چند ساتھیوں نے، جو اس تحریک کے محرک تھے، لوگوں کو اچھے اخلاق اور اعمال پیدا کرنے کی ترغیب دی، سب لوگ اس سے متاثر ہوئے۔ کیوں کہ وہ پے در پے لڑائیوں

سے بہت نقصان اٹھا چکے تھے، چناں چہ سب نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر یہ معاہدہ کیا:

''ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور اس کا حق اس کو دلوائے گا اور ایک دوسرے کے ساتھ صلح و محبت سے رہے گا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس معاہدہ میں شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے مقابلہ میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اس کو نہ توڑتا اور اب بھی اگر کوئی مجھے ایسے معاہدہ کے لئے بلائے تو میں اس کی دعوت قبول کروں گا۔

(طبقات ابن سعد، ص129 ج1)

ف: اس معاہدہ کا نام حلف الفضول اس لئے ہوا کہ جو لوگ اس کے محرک تھے، ان سب کے ناموں کا مادہ ''فضیلت'' تھا، یعنی فضیل بن حارث جرہمی، فضیل بن وداعہ قطوری اور مفضل بن فضالہ جرہمی وغیرہ۔

عمرو بن عوف نے اسی بارے میں کہا:

اِنَّ الْفُضُوْلَ تَحَالَفُوْا وَتَعَاقَدُوْا اَنْ لَّا یَقِرَّ بِبَطْنِ مَکَّةَ ظَالِمٗ

بلاشبہ وہ فضول ان لوگوں نے جن کے نام (میں) فضل (کا مادہ) ہے آپس میں حلف اٹھایا اور معاہدہ کیا ہے کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ رہنے پائے۔

اَمْرٌ عَلَیْہِ تَعَاھَدُوْا وَ تَوَاثَقُوْا فَالْجَارُ وَ الْمُعْتَرُّ فِیْھِمْ سَالِمٗ

یہ بہت بڑی اور اچھی بات ہے جس پر انہوں نے پکا عہد و پیمان کیا ہے، اب ان لوگوں کے درمیان پناہ گیر اور کم زور لوگ سلامتی سے رہیں گے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر، ص19 ج2، الروض الانف، ص47 ج2، اخبار مکہ للفاکہی، ص172 ج5)

☆......☆......☆......☆

شام کا دوسرا سفر

جب آپ کی ظاہری عمر بیس سال سے کچھ زائد ہوگئی تو آپ کے چچا حضرت ابوطالب نے جو تجارت پیشہ تھے آپ کو اپنے ساتھ تجارت میں لگا لیا۔ اس وقت وہاں کا دستور تھا کہ مال دار لوگ کسی تجربہ کار اور دیانت دار آدمی کو اپنا سرمایہ دے کر تجارت میں لگا دیتے اور منافع میں اس کا حصہ مقرر کر دیتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس قسم کی شراکت خوشی کے ساتھ قبول فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے چوں کہ آپ کو سراپا صدق پیدا فرمایا تھا اور آپ کی ذات اقدس میں بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں کو جمع فرما دیا تھا، اس لئے آپ بڑی ہوشیاری اور نہایت ایمان داری و دیانت داری سے کام کرتے۔ جس کا سابقہ بھی آپ سے پڑا اس نے آپ کو ہر معاملہ میں صادق اور امین پایا۔ آپ کے اخلاق کی پاکیزگی، کردار کی بلندی، معاملہ کی صفائی اور صداقت کا شہرہ ہوا۔ یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ کو صادق اور امین کا لقب دے دیا۔ چناں چہ کتب سیر واحادیث میں آپ کی صفائی معاملات کے واقعات مذکور ہیں۔

تجارت میں صداقت و دیانت کا ہونا بہت بڑی چیز ہے، اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان راست گو اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:23089، دارمی:2581، ابن ماجہ:2139، ترمذی: 1209، معجم اوسط:7394، مستدرک:2142، مصابیح السنۃ:2039) اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ جھوٹ بول کر مال فروخت کرتے اور ناجائز طور سے کماتے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ ان پر نظر رحمت فرمائے گا اور دنیا میں نہ ان کی دعاء قبول ہے نہ صدقہ اور جو کچھ وہ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، جن کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے، ایک معزز خاتون، نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق اور بہت

ہی زیادہ مال دار تھیں، زمانہ جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ اور سیدۃ نساء قریش (طبرانی: 1103) کہہ کر پکارتے تھے۔ (زرقانی علی المواہب، ص199 ج1، ابن ہشام، ص171 ج1)

اکثر لوگ ان کے مال سے تجارت کرتے اور وہ منافع میں سے مقرر کیا ہوا حصہ ان کو دیتیں، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت و صداقت اور شرافت و پاکیزگی کی خبریں ان کو پہنچیں، تو انہوں نے آپ کو بلا کر کہا: کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں میں جتنا حصہ اوروں کو دیتی ہوں آپ کو ان سے دوگنا دوں گی۔ آپ نے قبول فرمایا اور شام جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ کے ہم راہ بھیجا۔ آپ حضرت خدیجہ کا مال لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کو روانہ ہوئے جب بصریٰ میں پہنچے تو ایک کلیسا کے قریب ایک درخت کے نیچے اترے، کلیسا میں نسطورا نامی ایک راہب تھا جو کلیسا سے باہر نکلا اور آ کر میسرہ سے کہنے لگا، اے میسرہ اس درخت کے نیچے یہ شخص کون ہے؟ میسرہ نے کہا یہ قریش حرم میں سے ہے۔

فَقَالَ الرَّاهِبُ مَا نَزَلَ تَحْتَ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا نَبِيٌّ

تو راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کوئی نہیں اترا ہے۔

(ابن اسحٰق، ص81 ج1، الاصابہ، ص397 ج6، اسد الغابہ: 6874، دلائل النبوۃ ابونعیم: 110، دلائل النبوۃ بیہقی، ص66 ج2، تاریخ کامل، ص640 ج1، تاریخ طبری، ص280 ج2، سیر اعلام النبلاء، ص171 ج1، البدایہ والنہایہ، ص358 ج2، سیرۃ حلبیہ، ص193 ج1، تفسیر مظہری، ص530 ج6، تاریخ اسلام ذہبی، ص506 ج1، شرف المصطفیٰ، ص81 ج3، ابن عساکر، ص315 ج3، ص316، ج61، الثقات لابن حبان، ص45 ج1)

پھر اس نے کہا کیا اس کی آنکھوں میں سرخی ہے؟ میسرہ نے کہا ہاں اور وہ ہمیشہ رہتی ہے کبھی جدا نہیں ہوتی! راہب نے کہا یہ تو خاتم الانبیاء ہے۔

(سیرت ابن ہشام، زرقانی علی المواہب، ص198 ج1، طبقات ابن سعد، ص156 ج1)

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ ابوسعد سے نقل فرماتے ہیں:

اَنَّ الرَّاهِبَ دَنَا اِلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَبَّلَ رَأْسَهٗ وَ قَدَمَيْهِ وَقَالَ اٰمَنْتُ بِكَ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ فِي التَّوْرَاةِ فَلَمَّا رَاَى الْخَاتَمَ قَبَّلَهٗ وَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ الَّذِيْ بَشَّرَ بِكَ عِيْسٰى فَاِنَّهٗ قَالَ لَا يَنْزِلُ بَعْدِيْ تَحْتَ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ الْهَاشِمِيُّ الْعَرَبِيُّ الْمَكِّيُّ صَاحِبُ الْحَوْضِ وَالشَّفَاعَةِ وَلِوَاءِ الْحَمْدِ

(زرقانی علی المواہب، ص198 ج1، تفسیر مظہری، ص530 ج6، سبل الہدی، ص159 ج2)

کہ راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو کر آپ کے سر اور قدموں کو چوما اور کہا میں آپ پر ایمان لایا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ وہی ہیں جن کا ذکر اللہ نے تورات میں کیا ہے۔ پھر اس نے آپ کی مہر نبوت کو دیکھا تو کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے نبیِ امی ہیں اور آپ وہی ہیں جن کی بشارت دیتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرے بعد اس درخت کے نیچے سوائے اس نبی الامی الہاشمی العربی المکی صاحب کوثر و شفاعت ولواء الحمد کے اور کوئی نہیں اترے گا۔

وہاں سے فارغ ہو کر آپ بازار بصریٰ میں گئے اور جس قدر مال تجارت لے کر گئے تھے وہ سب آپ نے فروخت کر دیا اور اس میں بہت نفع ہوا۔ اور جس مال کو خریدنا چاہا وہ خریدا اور مکہ واپس ہوئے۔ میسرہ جاتے اور آتے ہوئے دیکھتا رہا کہ دھوپ میں دو فرشتے پرندوں کی صورت میں برابر آپ پر سایہ کیے ہوئے ساتھ ساتھ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور فرشتوں کا برابر سایہ کر کے آپ کو دھوپ سے بچانا اور پھر راہب کا آپ کے

نبی ورسول ہونے کی خبریں دینا، اس سے میسرہ بہت متاثر ہوا۔ اس کے دل میں اللہ نے آپ کی بہت زیادہ محبت پیدا کردی اوروہ آپ کا غلام بن گیا۔

(طبقات ابن سعد، ص 130 ص 1، سیرت ابن ہشام، ص 200، ج 1)

جب آپ مکہ واپس آئے تو دوپہر کا وقت تھا، حسن اتفاق سے اس وقت حضرت خدیجہ اپنے مکان کے بالا خانے میں چند عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے آپ کو اس شان سے واپس آتے ہوئے دیکھا کہ آپ اونٹ پر سوار تھے اور دوفرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے آپ کو دھوپ سے بچاتے ہوئے آ رہے تھے۔ حضرت خدیجہ نے یہ نظارہ ان عورتوں کو بھی دکھایا تو وہ دیکھ کر بہت متعجب ہوئیں۔

(طبقات ابن سعد، ص 130 ج 1، الشفاء، ص 368 ج 1)

آپ جس مال کو وہاں سے خرید کر لائے تھے اس کو مکہ میں آ کر فروخت کیا تو دوگنے یا اس کے قریب قریب پھر ہو گئے۔ غرضیکہ بہت ہی زیادہ نفع ہوا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں اور پہلے تو آپ کو لوگوں سے دوگنا دینے کا وعدہ کیا تھا، اب چوگنا دیا۔

(طبقات ابن سعد، ص 131 ج 1، سیرت ابن ہشام، ص 200 ج 1)

☆......☆......☆......☆

حضرت خدیجہ بنت خُوَیلد سے نکاح

حضرت خدیجہ نے آپ کے آنے کے وقت فرشتوں کا سایہ کرتے ہوئے آنا جو دیکھا تھا، وہ میسرہ سے بیان کیا تو میسرہ نے کہا: میں تو ان فرشتوں کو شام سے اسی طرح دیکھتا آرہا ہوں اور ''نسطورا'' راہب کی ملاقات کے واقعات اور سفر شام کے تفصیلی حالات و واقعات سنائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان واقعات کا ذکر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے کیا، جو عیسائی مذہب کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے کہا اے خدیجہ اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس امت کے نبی ہیں اور مجھ کو کتب سماویہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس نبی کا ظہور اسی زمانے میں ہونے والا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حسب ونسب، صورت وسیرت، مال و دولت، پاکیزگی و شرافت اور عقل مندی میں سب عورتوں سے بڑھ کر تھیں، قوم کے بڑے بڑے امراء لوگ، ان کی طرف رجوع کر کے مایوس ہو چکے تھے۔ حالاں کہ وہ بہت سے مال وزر کی پیش کش بھی کر چکے تھے، مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سب کی درخواستوں کو رد کر دیا تھا کیوں کہ ان کا ارادہ اب شادی کرنے کا قطعی نہ تھا۔ لیکن آپ کے حسن و جمال اور پاکیزہ اخلاق اور میسرہ کے سنائے ہوئے حالات و واقعات اور ورقہ بن نوفل کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئیں۔ اور حقیقت میں چوں کہ ازل ہی سے سعادت مندیاں اور سرفرازیاں ان کے لئے مقدر ہو چکی تھیں اور ان کو سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی والدہ اور ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہونا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یک دم آپ کی بہت ہی زیادہ محبت پیدا فرمادی اور وہ آپ کی طرف مائل ہوئیں۔

چناں چہ انہوں نے نفیسہ بنت منبہ کو اپنی قلبی کیفیتوں سے آگاہ کر کے آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ نفیسہ فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور میں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نکاح کیوں نہیں کرتے؟

فرمایا: میرے پاس نکاح کے لئے ساز وسامان نہیں ہے۔

نفیسہ: اگر ساز وسامان ہو جائے اور آپ کو حسن و جمال، مال و دولت اور شرافت و پاکیزگی کی طرف دعوت دی جائے تو کیا قبول فرمائیں گے؟

فرمایا: کیوں نہیں، مگر وہ ہے کون؟

نفیسہ: خدیجہ!

فرمایا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

نفیسہ: یہ میرا ذمہ ہے۔

فرمایا: مجھے منظور ہے۔

نفیسہ کہتی ہیں میں نے آ کر خدیجہ کو اطلاع دی تو وہ بہت مسرور ہوئیں اور انہوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ فلاں دن فلاں وقت آپ نکاح کے لئے آ جائیں۔

حضرت خدیجہ کے والد خویلد ''حرب فجار'' سے پہلے انتقال کر چکے تھے، انہوں نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بلایا کہ وہ آ کر نکاح کر دیں۔ (طبقات ابن سعد، ص 131 ج 1، دلائل النبوۃ بیہقی، مقدمہ ص 19، سیرۃ حلبیہ، ص 199 ج 1، تاریخ الخمیس، ص 264 ج 1)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور ان کو یہ ماجرا سنایا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اپنے بھائیوں کو بلا کر یہ مژدہ سنایا۔

تاریخ معین پر آپ اپنے چچوں اور رؤسائے خاندان کے ساتھ حضرت خدیجہ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا، وہ یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرَاهِیْمَ وَ زَرْعِ اِسْمٰعِیْلَ وَضِئْضِئِ مَعَدٍّ وَ عُنْصُرِ مُضَرَ وَجَعَلَنَا حَضَنَةَ بَیْتِهٖ وَسُوَّاسَ حَرَمِهٖ وَجَعَلَ لَنَا بَیْتًا مَحْجُوْجًا وَحَرَمًا اٰمِنًا وَجَعَلَنَا الْحُکَّامَ	سب تعریف اللہ کے واسطے ہے جس نے ہمیں حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کی اولاد میں سے کیا اور معد کی اصل اور مضر کے عنصر سے بنایا اور اپنے گھر کعبہ شریف کا خادم اور اپنے حرم شریف کا مدبر بنایا اور

عَلَى النَّاسِ ثُمَّ اِنَّ ابْنَ اَخِيْ هٰذَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللهِ لَا يُوْزَنُ بِرَجُلٍ اِلَّا رَجَحَ بِهٖ فَاِنْ كَانَ فِي الْمَالِ قَلَّ فَاِنَّ الْمَالَ ظِلٌّ زَائِلٌ وَّاَمْرٌ حَائِلٌ وَ مُحَمَّدٌ مِمَّنْ قَدْ عَرَفْتُمْ قَرَابَتَهٗ وَقَدْ خَطَبَ خَدِيْجَةَ بِنْتَ خُوَيْلِدٍ وَّ بَذَلَ لَهَا مَا آجِلَه وَعَاجِلَه مِنْ مَّالِيْ كَذَا وَهُوَ وَاللهِ بَعْدَ هٰذَا لَهٗ بِنَاءٌ عَظِيْمٌ وَخَطَرٌ جَلِيْلٌ جَسِيْمٌ فَزَوَّجَهَا (مواہب و زرقانی، ص201 ج1، المنتظم، ص315 ج2، شرف المصطفیٰ، ص82 ج3، خلاصہ سیر سید البشر، ص38 ج1، تاریخ الخمیس، ص264 ج1)

ہمارے واسطے وہ گھر بنایا جو حج کرنے کی جگہ ہے اور ہمارے لئے وہ حرم بنایا جو امن کی جگہ ہے اور ہمیں دوسرے لوگوں پر حاکم یعنی سردار بنایا۔ حمد و ثنا کے بعد بے شک یہ میرے بھائی کا بیٹا محمد بن عبداللہ جو شرافت و عظمت میں سب سے بڑھ کر ہے، اگرچہ اس کے پاس مال دنیا قلیل ہے (مگر مال دنیا کی حقیقت ہی کیا ہے) وہ تو ایک سائے کی طرح ہے (کہ ایک سے دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے، اس کو بقا نہیں) اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان لوگوں میں سے ہیں جن کو قرابت کے سبب تم جانتے ہو (کہ مال دنیا ان کی عظمت و شان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا) اور تحقیق محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرنے آئے ہیں اور خدیجہ کے لئے میرے مال سے وہ مال لائے ہیں جو آجل و عاجل ہے۔ اور خدا کی قسم اس کے بعد ان کی جو شان ہونے والی ہے وہ خبر عظیم ہے (جس کو تم نہیں جانتے ہو) پھر حضرت خدیجہ کے ساتھ تزویج کر دی۔

اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کا مہر چالیس جوان اونٹنیاں قرار پایا۔ (ابن ہشام)

شادی کے وقت آپ کی ظاہری عمر شریف پچیس سال اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دو شادیاں اس سے پیش تر ہو چکی تھیں۔ پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی ان سے دو لڑکے ہندا اور ہالہ پیدا ہوئے، ابو ہالہ زمانہ جاہلیت میں وفات پا گئے تھے۔ ہندا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کے صحابہ میں داخل ہوئے، بڑے فصیح و بلیغ تھے خصوصاً آپ کے اوصاف کریمہ بیان کرنے میں مانے ہوئے تھے۔ فرمایا کرتے تھے:

اَنَا اَکۡرَمُ النَّاسِ اَبًا وَاُمًّا وَاخًا وَ اُخۡتًا اَبِیۡ رَسُوۡلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَاَخِی الۡقَاسِمُ وَاُخۡتِیۡ فَاطِمَةُ وَاُمِّیۡ خَدِیۡجَةُ رَضِیَ اللهُ عَنۡهُمۡ (زرقانی علی المواہب، ص199 ج1، اکمال تہذیب الکمال، ص170 ج12، سبل الہدی، ص159 ج11، المجالسۃ و جواہر العلم، ص2026 ج2، تاریخ الخمیس، ص263 ج1، سیرۃ حلبیہ، ص204 ج1، نزہۃ المجالس، ص431 ج2، شرف المصطفیٰ، ص130 ج3)

میں لوگوں سے مکرم و معظم ہوں بہ لحاظ ماں باپ اور بہن بھائی کے، میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، میرے بھائی قاسم، بہن فاطمہ اور ماں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

اور ہالہ نے بھی آپ کی صحبت اختیار کی، چناں چہ طبرانی نے خود ان سے روایت کی ہے:

اَنَّهٗ دَخَلَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاقِدٌ فَاسۡتَیۡقَظَ فَضَمَّ هَالَةَ اِلٰی صَدۡرِهٖ وَقَالَ هَالَةَ هَالَةَ هَالَةَ (زرقانی و مواہب، ص199 ج1، طبرانی صغیر: 537، اسد الغابہ: 5329، الاصابہ: 8935)

کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ اس وقت سو رہے تھے جب آپ جاگے تو آپ نے ہالہ کو اپنے سینہ سے لگایا اور تین مرتبہ (پیار سے) فرمایا ہالہ، ہالہ، ہالہ۔

ابو ہالہ کے مرنے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دوسری شادی عتیق بن عابد مخزومی

سے کی، ان سے ایک لڑکی ہندا پیدا ہوئی جو مشرف با سلام ہوئی لیکن اس سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔(زرقانی علی المواہب، ص200ج1)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ تیسری شادی تھی جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوئی، اس کے بعد جو ان سے اولاد ہوئی اس کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد امجاد کے بیان میں آئے گا۔

☆......☆......☆......☆

تعمیر کعبہ

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد بنی عمالقہ اور بنی جرہم اور قصئی نے اپنے اپنے وقت میں کعبہ کی عمارت کی تجدید کی تھی۔ تجدید عمارت کی ضرورت مرور زمانہ کے اثر یا صدمۂ سیلاب کی وجہ سے پیدا ہو جاتی تھی۔ کیوں کہ یہ عمارت نشیب میں واقع ہوئی تھی اور سیلاب کا پانی وہاں آ جاتا تھا اگرچہ اس کی روک تھام کے لئے بالائی حصہ پر ایک بند بھی بنا دیا گیا تھا مگر وہ بھی ٹوٹ جاتا اور پانی حرم شریف میں داخل ہو جاتا۔ ایک دفعہ زور کا سیلاب آیا جس سے کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ اتفاق سے ان ہی دونوں میں بعض لوگوں نے کعبہ شریف سے کچھ مال چرا لیا۔ جس میں ایک سونے کا بنا ہوا ہرن بھی تھا جو موتی اور جواہرات سے مرصع تھا۔ اس چوری کی تہمت عامر بن حارث، ابو ہارب بن عزیز ابولہب بن عبدالمطلب پر لگی، مگر چوری کا مال ''دویک'' نامی شخص، جو ملیح بن عمرو خزاعی کا غلام تھا، اس کے پاس پایا گیا۔ چناں چہ قریش نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ (زرقانی مواہب صفحہ 203/1)

ان حالات کے پیش نظر قریش نے از سر نو تعمیر کعبہ اور اس کو مسقّف کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سے پہلے کعبہ کی چھت نہیں تھی۔

اتفاق سے انہی دنوں میں ایک رومی تاجر کا جہاز ساحل جدہ پر کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کو جب اس کی خبر ہوئی تو ولید بن مغیرہ چند قریشوں کو ساتھ لے کر وہاں پہنچا اور کعبہ کی چھت کے لئے اس شکستہ جہاز کے تختے خرید لئے۔ جہاز میں ایک شخص باقوم نامی معمار و نجار بھی تھا۔ ولید نے اس کے ساتھ گفتگو کی اور اس کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔

(طبقات ابن سعد ص 145 ج 1، ابن اثیر، ص 19 ج 2، زرقانی علی المواہب، ص 254 ج 1، اخبار مکہ للازرقی، ص 157 ج 1)

کعبہ شریف کے اندر ایک چوب چا تھا جس میں قربانیاں اور وہ تمام چیزیں رکھی جاتیں جو روزانہ بطور نذرانہ آتی تھی۔ اسی چوبچے میں سے ایک سانپ نکلا کرتا تھا جو کعبہ کی

دیواروں پر آ کر بیٹھ جاتا تھا۔ جب کوئی اس کے نزدیک جاتا تو وہ سر اٹھا کر مونھ کھولتا اور پھنکاریں مارتا۔ لوگ اس سے ڈرتے تھے۔

جس روز قریش نے کعبہ کی دیواروں کو توڑنا شروع کیا، وہی سانپ نکل کر ان پر حملہ آور ہوا تو وہ لوگ رک گئے اور انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ ولید نے کہا کیا تم کعبہ کی درستگی اور اصلاح نہیں چاہتے ہو؟ سب نے کہا، کیوں نہیں۔ تو ولید نے کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کعبہ کی درستگی کرنے والوں کو ہلاک نہیں کرے گا۔ لیکن یہ بات تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم لوگ کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں جو مال بھی دو، وہ حلال اور طیب ہو وہ مال ہرگز نہ دو جو غصب کیا ہوا یا ظلم وزیادتی سے حاصل کیا، یا حرام و ناجائز طریقہ سے کمایا ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ طیب اور پاک ہے اور وہ طیب و پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔

اور بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ یہ بات ابولہب بن عمر مخزومی نے، جو نہایت شریف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کے ماموں تھے، کہی اور ساتھ ہی یہ دعا بھی کی:

اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ لَکَ فِیْ ھَدْمِھَا رِضًا فَاَتِمَّہٗ وَاَشْغِلْ عَنَّا ھٰذَا الثُّعْبَانَ فَاَقْبَلَ طَائِرٌ مِنْ جَوِّ السَّمَآءِ کَھَیْئَۃِ الْعُقَابِ ظَھْرُہٗ اَسْوَدُ وَبَطْنُہٗ اَبْیَضُ وَرِجْلَاہُ صَفْرَاوَانِ وَالْحَیَّۃُ عَلٰی جِدَارِ الْبَیْتِ فَاَخَذَھَا ثُمَّ طَارَبِھَا فَقَالَتْ قُرَیْشٌ اِنَّا لَنَرْجُوْا اَنَّ اللہَ قَبِلَ عَمَلَکُمْ وَنَفَقَتَکُمْ

(زرقانی علی المواہب، ص204 ج1، تاریخ الخمیس، ص 211 ج 1، اخبار مکہ للازرقی، ص162 ج1، الموسوعۃ فی صحیح السیرۃ النبویہ، ص127 ج1)

اے اللہ اگر کعبے کے گرانے (اور پھر اس کو بنانے) میں تیری خوش نودی ہے تو اس کو پورا کر اور اس سانپ کو ہم سے غافل کر پس (انکا یہ کہنا تھا کہ) ایک پرندہ جو عقاب کی مانند تھا آسمان کی طرف سے آیا، اس کی پیٹھ سیاہ تھی اور پیٹ سفید اور دونوں پاؤں زرد تھے، اس وقت سانپ کعبہ کی دیوار پر ہی تھا تو اس نے اس کو پکڑا اور لے کر اڑ گیا (یہ دیکھ کر) قریش نے کہا اب ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ نے تمہارے اس عمل اور قربانی کو قبول فرمالیا ہے۔

باوجود اس کے عقاب سانپ کو اٹھا کر لے گیا تھا، پھر بھی لوگ کعبہ کو ڈھانے کے سلسلے میں بہت ڈرتے تھے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا اگر تم ڈرتے ہو تو اس کی ابتداء میں کرتا ہوں۔ چناں چہ وہ کدال لے کر آگے بڑھا اور ضرب لگاتے ہوئے بولا، اے اللہ! ہم نے ٹیڑھی راہ اختیار نہیں کی اور ہم سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ اس نے لوگوں کے دیکھتے دیکھتے کچھ حصہ گرا دیا۔ لوگوں نے آپس میں کہا کہ ہم رات بھر انتظار کریں گے کہ، اس پر کوئی آفت ومصیبت وغیرہ آتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی آفت ومصیبت وغیرہ آئی تو ہم کعبہ کو نہیں گرائیں گے ورنہ بصورت دیگر ہم یہ سمجھیں گے کہ اللہ اس کے گرانے اور تعمیر کرنے میں راضی ہے۔ چناں چہ جب اس پر کوئی مصیبت وغیرہ نہ آئی تو صبح کو سب اس کے ساتھ ہو کر گرانے لگے یہاں تک کہ وہ اساسِ ابراہیم تک پہنچ گئے۔ اساس ابراہیمی پر پہنچ کر انہوں نے سبز رنگ کے پتھروں کو دیکھا جو ایک دوسرے کی گرفت کیے ہوئے تھے۔ قریش کے ایک شخص نے ان پتھروں کے درمیان کدال ڈال کر ایک پتھر کو اکھیڑ کر نکالنا چاہا۔ جب اس نے زور لگایا تو ایک ہول ناک آواز آئی اور اس پتھر کے ہلنے سے سارا مکہ ہل گیا اور اس پتھر کے نیچے سے ایک بجلی سی چمکی، جس سے قریب تھا کہ اس کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہتی، یہ دیکھ کر وہ سب اساس ابراہیمی کے ڈھانے سے رک گئے۔

(زرقانی علی المواہب، ص 204 ج 1، سیرت ابن ہشام، ص 207 ج 1)

پھر انہوں نے یہ طے کیا کہ کعبہ کے چند حصے مقرر کر کے ان کو بذریعہ قرعہ اندازی قبائل میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر قبیلہ اپنے حصے کی تعمیر کرے تا کہ سب کو کعبہ کی تعمیر کا شرف حاصل ہو۔

چناں چہ ہر قبیلہ نے پتھر جمع کر کے اپنے اپنے حصے کی تعمیر شروع کر دی۔ نبی اکرم ﷺ کی ظاہری عمر شریف اس وقت پینتیس سال کی تھی۔ آپ بھی اپنے چچا عباس اور ابو طالب کے ساتھ اس تعمیر میں شریک تھے اور پتھروں کو اٹھانے کی وجہ سے آپ کے شانے چھل گئے تھے۔

تعمیر کرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے جہاں حجر اسود نصب کرنا تھا تو ہر قبیلہ نے اپنا استحقاق ظاہر کیا اور ہر ایک نے یہی چاہا کہ حجر اسود کے نصب کرنے کا شرف سوائے اس کے کسی اور کو حاصل نہ ہو۔ اس سے سخت اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو گیا یہاں تک کہ سب جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور بعض قبائل نے دستور عرب کے مطابق خون کا پیالہ بھرا اور اس میں انگلیاں ڈبو کر عہد کیا کہ ہم مرتے دم تک لڑیں گے۔

چار روز تک یہ کش مکش برابر جاری رہی، پانچویں روز مسجد حرام میں اس خیال سے سب جمع ہوئے کہ شاید صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ ابوامیہ بن مغیرہ جو سب سے زیادہ عمر کا تھا، اس نے رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے مسجد میں داخل ہو، وہی حکم قرار دے دیا جائے اور اس کا فیصلہ تسلیم کر لیا جائے۔ سب نے اس رائے کو منظور کر لیا اور دوسرے روز ہر قبیلہ کے معزز آدمی موقع پر پہنچ کر دیکھنے لگے۔

خدا کی قدرت کہ سب سے پہلے مسجد میں داخل ہونے والے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے جب ان کی نظریں آپ کے چہرہ انور پر پڑیں تو سب کے سب پکار اٹھے۔

هٰذَا مُحَمَّدٌ هٰذَا الْاَمِيْنُ قَدْ رَضِيْنَا بِهٖ

یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، یہ تو امین ہیں (ان کے فیصلے پر) ہم سب راضی ہیں۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، ص 171 ج 2، شفا شریف، ص78 ج1، مستدرک:1683، ابن اسحٰق، ص 108 ج 1، ابن ہشام، ص 197 ج1، طبقات، ص116 ج1، تاریخ طبری، ص290 ج2، اعلام النبوۃ، ص213 ج1، تفسیر ابن کثیر، ص312 ج1، دلائل النبوۃ للبیہقی، ص62 ج2)

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالات کا جائزہ لے کر ایسی بہترین تدبیر فرمائی کہ سب کے سب خوش بھی ہو گئے اور ایک بہت بڑے جھگڑے کا خاتمہ ہو گیا۔ چناں چہ آپ نے فرمایا کہ تمام قبائل اپنا اپنا ایک سردار منتخب کر لیں۔ جب انہوں نے انتخاب کر لیا تو آپ نے

ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اٹھا کر اس میں رکھ دیا اور ان منتخب سرداروں سے فرمایا کہ چاروں طرف سے چادر کے کونے اور کنارے تھام کر اوپر اٹھائیں، جب چادر مقامِ نصب کے برابر آ گئی، تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا اور پھر تعمیر ہونے لگی۔ (زرقانی علی المواہب، ص205 ج1، طبقات، ص116 ج1)

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ جب تمام لوگوں نے آپ پر اظہار رضامندی کیا، تو شیطان جو کہ شیخِ نجدی کی صورت میں ان لوگوں کے ساتھ تھا، چلایا اور بولا، اے قریشیو! کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر راضی ہو گئے جو ایک غلام اور یتیم ہے کہ وہ اس پتھر کو رکھے، حالاں کہ تمہارے بڑے لوگ اس کام کے مستحق موجود ہیں۔ قریب تھا کہ اس شرارت سے شور وغل ہو جاتا۔ مگر وہ خاموش رہے۔ (زرقانی علی المواہب، ص205 ج1، طبقات ابن سعد، ص146 ج1)

حجر اسود کے نصب اور تعمیر کے بعد کعبہ پندرہ شہتیر ڈال کر مسقّف کر دیا گیا۔ چوں کہ نفقۂ حلال کا سامان تعمیر کافی نہ تھا۔ اس لئے کعبہ کی حدود میں اختصار کرتے ہوئے غربی جانب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا اور بنیادیں قائم کر کے چار دیواری کھینچ دی گئی کہ اس کو پھر حسب موقع کعبہ کے اندر لے لیا جائے گا۔ اسی حصے کو حطیم کہتے ہیں۔ اور یہ حطیم کعبے ہی کا ایک جزو ہے۔

اس تعمیر سے پہلے کعبے کا ارتفاع نو ذراع [1] اور دروازہ سطح زمین کے برابر تھا۔ مگر اب قریش نے ارتفاع اٹھارہ ذراع اور دروازہ زمین سے اونچا کر دیا تھا۔ عہد نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ ہوا کہ بنائے ابراہیمی کے مطابق حطیم کو کعبے کے اندر داخل کر دیا جائے مگر چوں کہ ادخال حطیم، انہدام کعبہ کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال سے کہ کفار کے ہاتھ ایک بات آ جائے گی کہ دیکھو اچھے نبی ہیں جنہوں نے کعبہ منہدم کر دیا۔ اور نئے نئے مسلمان ہیں۔ انہدام کعبہ سے متاثر ہو کر کہیں بدگمان نہ ہو جائیں، اس ارادہ کو چھوڑ دیا۔ اللہ نے بھی ادخال حطیم کی اجازت نہ دی یعنی آپ کے خیال کے مطابق معاملہ رہنے دیا۔

---

[1]۔ کہنی سے لے کر بیچ کی انگلی کے سرے تک جو ہاتھ کا حصہ ہے وہ ذراع کہلاتا ہے۔

عہد یزید میں جب یزیدی لشکر نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے محاصرہ کے وقت منجنیق سے پتھر برسائے تھے اس وقت پتھروں کے شراروں سے کعبہ مکرمہ کے غلاف کو آگ لگ گئی تھی جس سے کعبہ کی چھت وغیرہ جل گئی تھی اور عمارت کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔

یزید پلید کے مرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے عہد خلافت میں کعبہ کو حضرت ابراہیم کی بنیادوں کے مطابق تعمیر کر کے دوسرا دروازہ بھی بنا دیا اور انہوں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھ ہاتھ اور زمین داخل کرنے کی خواہش تھی چناں چہ انہوں نے آپ کی خواہش کے مطابق زمین وہ بھی داخل کر دی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد حجاج نے عبدالملک بن مروان سے مشورہ کر کے عبداللہ بن زبیر کی بنائی ہوئی عمارت کو، یا اس حصے کو جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق زیادہ کیا تھا، گرا کر از سر نو تعمیر کیا اور دوسرا دروازہ جو انہوں نے بنایا تھا وہ بھی بند کر دیا۔

علامہ فاکہی نے ذکر کیا ہے کہ بعد میں عبدالملک بہت نادم ہوا کہ اس نے حجاج کو کعبہ کے گرانے اور بنانے کی کیوں اجازت دی تھی بلکہ اس نے حجاج پر لعنت بھی کی۔

اس کے بعد ہارون الرشید یا اس کے باپ نے ارادہ کیا کہ کعبہ کو گرا کر پھر از سر نو عبداللہ بن زبیر کے مطابق بنا دے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا: کہ خدارا اب اس کو نہ گراؤ اور اسی طرح رہنے دو کیوں کہ اب اس کو اگر تم نے پھر گرایا تو میں ڈرتا ہوں کہ یہ کہیں بادشاہوں کا کھلونا ہی نہ بن جائے۔ چناں چہ اس نے اپنے ارادے کو ترک کر دیا۔

اس کے بعد کسی خلیفہ کو اس کے گرانے وغیرہ کا اتفاق نہیں ہوا۔ ہاں میزاب، دروازہ، دہلیز، چھت اور سیڑھیوں میں ترامیم اور تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

(زرقانی علی المواہب، ص206 ج1، تاریخ الخلفاء، ص82)

بعثت سے پہلے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

(آل عمران)

اور یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جو میں نے تمہیں کتاب و حکمت سے دیا، پھر تمہارے پاس تشریف لائے گا ایک (بڑی شان والا) رسول تصدیق کرتا ہوا اس کی جو تمہارے ساتھ ہے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس (عہد) پر میرا بھاری ذمہ لیتے ہو؟ سب نے عرض کیا ہم اقرار کرتے ہیں، فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اس عہد و پیمان کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی امتوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے اور اپنی امتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی تائید و امداد کرنے کا عہد لیتے رہے، یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ کہتے ہوئے تشریف لائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ تورات وانجیل میں بھی بیان فرمائے تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم اور بنی اسرائیل کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا و آخرت کی بھلائی میں ان

لوگوں کے لئے لکھ دوں گا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (اعراف: 157)

جو پیروی کریں گے اس رسول نبی امی کی جس کو لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس تورات وانجیل میں۔

نیز فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ (فتح: 29)

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور وہ جو ان کے ساتھی (صحابہ) ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں تو انہیں دیکھے گا رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے (اور) اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہوئے ان کی علامت (نورانیت ہے جو) ان کے چہروں میں سجدہ کے اثر سے ہے یہی ان کی صفت توراۃ میں اور یہی انجیل میں ہے۔

فائدہ: ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے اوصاف توراۃ وانجیل میں بھی تھے۔

حضرت عطا ابن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جو توراۃ میں ہیں دریافت کیے تو انہوں نے فرمایا خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوصاف جو قرآن میں آئے ہیں، ان ہی میں سے بعض توارۃ میں بھی مذکور ہوئے ہیں۔ پھر انہوں نے پڑھنا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّحِرْزًا لِلْاُمِّيِّيْنَ اَنْتَ

اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی)

عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ سَمَّیْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا سَخَابٍ فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِیْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَّعْفُوا وَيَصْفَحُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَآءَ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيَفْتَحُ بِهٖ اَعْيُنًا عُمْيًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَ قُلُوْبًا وَغُلُفًا (بخاری شریف: 2125، خصائص کبریٰ، ص10 ج1، طبقات، ص270 ج 1، مسند احمد: 6622، شعب الایمان: 1345، شرح السنۃ: 3627، عیون الاثر، ص73 ج1، مشکوٰۃ:5752

ہم نے تمہیں بھیجا شاہد و مبشر اور نذیر اور امیوں کا نگہ بان بنا کر، تم میرے بندے اور میرے رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے اور وہ نبی نہ بدخلق ہے نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں آواز بلند کرنے والے نہ برائی کو برائی سے دفع کرنے والے بلکہ خطا کاروں کو معاف فرمانے والے اور احسان کرنے والے ہیں، اور اللہ انہیں نہیں اٹھائے گا جب تک کہ ان کی برکت سے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کردے گا یہاں تک کہ لوگ صدق ویقین کے ساتھ کہنے لگیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور ان کے سبب اندھی آنکھیں بینا اور بہرے کان شنوا اور پردوں میں لپٹے ہوئے دل کشادہ ہوجائیں۔

اسی مضمون کی حدیثیں ابن عساکر، ابن سعد، دارمی، بیہقی، حاکم اور ابونعیم رحمہم اللہ نے بھی بیان فرمائی ہیں لیکن دارمی نے اپنی مسند میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت کعب احبار سے اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَبْدِی الْمُخْتَارُ مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَهِجْرَتُهٗ بِطَيْبَةَ اُمَّتُهُ الْحَمَّادُوْنَ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَفِیْ كُلِّ مَنْزِلٍ وَيُكَبِّرُوْنَهٗ عَلٰى

محمد رسول اللہ میرے عبد مختار ہیں ان کی جائے ولادت مکہ اور مقام ہجرت طیبہ ہے، ان کے امتی حمد کرنے والے ہیں وہ خوشی ومصیبت اور ہر حال میں اللہ کی حمد

كُلِّ شَرَفٍ رُعَاةِ الشَّمْسِ يُصَلُّوْنَ الصَّلٰوةَ اِذَا جَآءَ وَقْتُهَا وَلَوْ كَانُوْا عَلٰى رَأْسِ كُنَاسَةٍ وَيَاتَزِرُوْنَ عَلٰى اَوْسَاطِهِمْ وَيُوْضِئُوْنَ اَطْرَافَهُمْ وَاَصْوَاتُهُمْ بِاللَّيْلِ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ كَاَصْوَاتِ النَّحْلِ

(خصائص کبریٰ، ص10 ج1، دارمی: 7، ابن عساکر: ص 187 ج 1، درمنثور، ص 576 ج3، دلائل النبوۃ اسمٰعیل اصبہانی: 163، بغیۃ الطلب، ص339 ج1)

کریں گے اور ہر بلندی کے مقام پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے اور نماز کو اس کے وقت پر ادا کرتے رہیں گے خواہ کوڑے کرکٹ کی جگہ پر کیوں نہ ہوں اور اپنے وسطوں پر ازار بند باندھیں گے اور اپنے اطراف کو روشن ومنور دیکھیں گے اور رات کو ان کی دھیمی دھیمی ذکر واذکار کی آوازوں سے فضائے آسمانی معمور ہوگی۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیا علیہ السلام کو وحی فرمائی:

اِنِّيْ بَاعِثٌ نَبِيًّا اُمِّيًّا اَفْتَحُ بِهٖ اٰذَانًا صُمًّا وَقُلُوْبًا غُلْفًا وَاَعْيُنًا عُمْيًا مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَمُهَاجِرُهٗ بِطَيْبَةَ (اِلٰى اَنْ قَالَ) لِكُلِّ جَمِيْلٍ وَاهِبٌ لَهٗ كُلَّ خُلُقٍ كَرِيْمٍ اَجْعَلُ السَّكِيْنَةَ لِبَاسَهٗ وَالْبِرَّ شِعَارَهٗ وَالتَّقْوٰى ضَمِيْرَهٗ وَالْحِكْمَةَ مَعْقُوْلَهٗ وَالصِّدْقَ وَالْوَفَاءَ طَبِيْعَتَهٗ وَالْعَفْوَ وَالْمَغْفِرَةَ وَالْمَعْرُوْفَ خُلُقَهٗ وَالْعَدْلَ سِيْرَتَهٗ وَالْحَقَّ شَرِيْعَتَهٗ وَالْهُدٰى اِمَامَهٗ وَالْاِسْلَامَ مِلَّتَهٗ وَاَحْمَدُ اِسْمُهٗ اَهْدِيْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الضَّلَالَةِ وَاُعَلِّمُ بِهٖ بَعْدَ الْجِهَالَةِ وَاَرْفَعُ بِهٖ بَعْدَ الْحَمَالَةِ

کہ بلا شبہ میں ایک نبیِ اُمی کو بھیجنے والا ہوں جس کے ذریعہ سے بہرے کان اور غلاف چڑھے دل اور اندھی آنکھیں کھول دوں گا، اس نبی کا مقام ولادت مکہ اور جائے ہجرت طیبہ ہوگا میں انہیں ہر خوبی اور ہر خلق کریم عطا کروں گا، اطمینان قلب اور وقار کو ان کا لباس عادات و احسان کو ان کا شعار تقویٰ کو ان کا ضمیر حکمت کو ان کا راز، صدق و وفا کو ان کی طبیعت اور عفو وکرم کو ان کی عادت عدل کو ان کی سیرت، اظہار حق کو ان کی شریعت، ہدایت کو ان کا امام اور سلام کو ان کی ملت

وَاسْمِيْ بِهٖ بَعْدَ النَّكِرَةِ وَاُكَثِّرُ بِهٖ بَعْدَ الْقِلَّةِ وَاُغْنِيْ بِهٖ بَعْدَ الْعَيْلَةِ وَاَجْمَعُ بِهٖ بَعْدَ الْفُرْقَةِ وَاُؤَلِّفُ بِهٖ بَيْنَ قُلُوْبٍ وَاَهْوَاءٍ مُتَشَتِّتَةٍ وَاُمَمٍ مُخْتَلِفَةٍ وَاَجْعَلُ اُمَّتَهٗ خَيْرَ اُمَّةٍ (ابن ابی حاتم، ابونعیم، خصائص کبری، ص13 ج1، مواہب لدنیہ، ص404 ج2، سبل الہدی، ص101 ج1، درمنثور، ص580 ج3، الموسوعۃ فی صحیح السیرۃ، ص76 ج1)

بناؤں گا۔ ان کا نام احمد ہے اور خلق کو ان کے صدقے میں گم راہی کے بعد ہدایت، جہالت کے بعد علم ومعرفت، گم نامی کے بعد رفعت ومنزلت عطا کروں گا اور انہیں کی برکت سے قلت کے بعد کثرت، فقر کے بعد دولت تفرقہ کے بعد محبت عنایت کروں گا اور انہیں کی بدولت مختلف قبائل غیر مجتمع خواہشوں اور اختلاف رکھنے والے دلوں میں الفت پیدا کروں گا اور ان کی ساری امت کو تمام امتوں سے بہتر کروں گا۔

بخوف طوالت ان تین حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ کتب احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب الٰہیہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف جمیلہ سے بھری پڑی ہیں، مگر علماء یہود ونصاریٰ نے از راہ حسد وعناد، ان میں تبدیلیاں کیں، اور آپ کے اوصاف جمیلہ کو چھپایا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مختصراً مذکور ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ (بقرہ)

اور ایمان لاؤ اس کلام پر جو میں نے نازل کیا ہے تصدیق کرتا ہوا اس کی جو تمہارے پاس ہے اور سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے عوض مت بدلو اور مجھ سے ڈرو اور حق کے ساتھ باطل کو نہ ملاؤ اور حق (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف) نہ چھپاؤ اور تم تو (حقیقت حال) جاننے والے ہو۔

نیز فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

(بقرہ)

وہ (علمائے یہود و نصاریٰ) جن کو ہم نے کتاب دی ہے اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو (بلا تردد) پہچانتے ہیں اور بلاشبہ ان میں سے ایک گروہ ہے جو حق (یعنی آپ کے اوصاف حمیدہ) کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے حالاں کہ وہ (حقیقت کو خوب) جانتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ علمائے یہود و نصاری نے دیدہ و دانستہ تورات و انجیل میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کو چھپایا، کہ کہیں جہلاء آپ کے اوصاف پر مطلع ہو کر آپ پر ایمان نہ لے آئیں۔ اور ہم نے ان کے مالوں اور پھلوں وغیرہ میں جو اپنے حق اور سالانے وغیرہ متعین کیے ہوئے ہیں وہ بند نہ ہو جائیں۔

اس پر انہیں فرمایا گیا کہ تم پر تو یہ لازم تھا کہ تم سب سے پہلے ان پر ایمان لا کر دوسروں کی ہدایت کا سبب بنتے اور بے شمار رحمتوں اور برکتوں کے مستحق بنتے، کیوں کہ تم اہل علم ہو اور اس نبی امی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کے اوصاف جمیلہ سے خوب پہچانتے ہو مگر تم پر افسوس کہ تم نے بجائے سب سے پہلے ایمان لانے کے، سب سے پہلے کفر کیا اور ان کے اوصاف حمیدہ چھپا کر دوسروں کے لئے بھی رشد و ہدایت کا دروازہ بند کیا اور ان سب کے کفر کا وبال بھی اپنے اوپر لیا۔

ان آیات و احادیث سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ کتب سابقہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے اوصاف جمیلہ مذکور تھے اور ان اوصاف کو تمام وہ لوگ جانتے تھے، جو ان کتابوں کو پڑھنے اور سننے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جب آپ کو دیکھتے تو علامات سے فوراً پہچان لیتے کہ یہی وہ ذات گرامی ہے جس کا ذکر مبارک ہماری آسمانی

کتابوں میں موجود ہے۔

مگر بعض علمائے یہود و نصاریٰ نے محض اپنے ذاتی مفاد و اقتدار کی خاطر کتب الٰہیہ میں تغیر و تبدل کیا، تاکہ لوگوں پر آپ کا حال مشتبہ ہو جائے اور لوگ آپ پر ایمان نہ لائیں اور ہمارا اقتدار وغیرہ برقرار رہے۔

چناں چہ حضرت عاصم بن قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ جس چیز نے ہمیں اسلام و ایمان کی طرف متوجہ کیا، وہ یہ تھی کہ ہم بُت پرست اور مشرک لوگ تھے، اہل کتاب یہودیوں سے ہماری اکثر لڑائیاں ہوتی رہتیں۔ جب ہم غالب ہو کر ان کے مالوں پر قبضہ کرتے تو وہ کہتے کہ ایک نبی کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے، جب وہ معبوث ہوں گے تو ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں اس طرح قتل کریں گے جس طرح قوم عاد و ارم کو قتل کیا گیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معبوث ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی بعثت کی خبر یہود ہمیں دیا کرتے تھے، چناں چہ آپ نے ہمیں دعوت ایمان دی تو ہم ایمان لے آئے اور یہود منکر ہو گئے۔ ان کے بارے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ (بقرہ)

وہ یہود اس (نبی کے آنے) سے پہلے (اس نبی کے وسیلے سے) کافروں پر فتح طلب کیا کرتے تھے تو جب وہ آیا تو انہوں نے نہ پہچانا تو اس کے ساتھ کفر کیا تو ایسے کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

حضرت نملہ بن ابی نملہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ یہود بنی قریظہ اپنی کتابوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام، آپ کے اوصاف حمیدہ اور آپ کے ہجرت کر کے تشریف لانے کا ذکر اپنے بچوں کو سنایا کرتے تھے مگر جب تشریف لائے تو انہوں نے حسد و بغاوت کرتے ہوئے کہہ دیا کہ یہ وہ نہیں ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ص 160 ج 1)

حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود بنی عبد اشہل میں سے ایک یہودی

ہمارا پڑوسی تھا، ایک روز وہ ہمارے گھر آیا جب کہ وہاں کافی لوگ موجود تھے۔ میں اس وقت ان سب میں چھوٹی عمر کا تھا۔ اثنائے گفتگو میں اس نے قیامت حساب وکتاب اور جنت ودوزخ وغیرہ کا ذکر کیا، وہاں جتنے لوگ تھے وہ سب بت پرست اوران چیزوں کے منکر تھے چناں چہ انہوں نے اس کی تکذیب کی تو اس نے کہا اس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے یہ سب کچھ حق ہے اوران کا منکر دوزخ میں جائے گا اوراس وقت وہ کہے گا کہ اس دوزخ کی آگ کی بجائے اگر مجھے دنیا کی آگ کے تنور میں ڈال کراوپر سے بند کر دیا جاتا تو وہ اس قدر تکلیف دہ نہ ہوتا، جس قدر یہ دوزخ تکلیف دہ ہے۔ لوگ اس کی باتوں سے سخت حیران تھے اوراس پر افسوس کررہے تھے، پھراس نے کہا مکہ سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، لوگوں نے کہا کب؟ تو اس نے میری طرف دیکھا اور اشارہ کرتے ہوئے کہا، اگراس لڑکے کی عمر ہوئی تو یہ اس کو پالے گا۔

حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کومبعوث فرمایا، ہم آپ پر ایمان لے آئے مگر وہ بہ سبب حسد وغرور منکر ہی رہا۔ ایک دن ہم نے اس سے کہا: اے فلاں تجھ پر افسوس ہے تو نے ہی تو ہم کواس نبی کی آمد کی بشارت سنائی تھی اور تو خود ہی منکر ہو گیا ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے مگر یہ وہ نہیں ہیں۔

(سیرت ابن ہشام، ص226 ج1)

حضرت عاصم بن قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنوقریظہ کے ایک بوڑھے آدمی نے مجھ سے کہا، کیا جانتے ہو کہ ثعلبہ بن سعید، اسید بن سعید، اسد بن عبید اور بنی ہزل کی ایک جماعت کے اسلام قبول کرنے کا سبب کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں، اس نے کہا وہ یہ تھا کہ شام کے یہود میں سے ابوعمیر ابن الہیبان ایک شخص تھا، زمانہ اسلام سے کچھ عرصہ پہلے وہ آیا اور ہمارے پاس آکر ٹھہرا۔ اس کی نیکی، پرہیزگاری اور بزرگی کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی بارش نہ ہوتی تو ہم سب مل کراس سے کہتے۔ اے ابن الہیبان باہر چلو اور ہمارے لئے بارش کی دعا کرو۔ وہ کہتا خدا کی قسم! میں اس وقت تک دعا نہیں کروں گا۔ جب تک کہ تم لوگ صدقہ نہیں کرو

گے! ہم کہتے کتنا صدقہ! وہ کہتا ایک صاع کھجور یا دو مد جو! ہم صدقہ کر دیتے تو وہ ہمیں ساتھ لے کر باہر نکلتا اور ہمارے لئے بارش کی دعا کرتا۔ خدا کی قسم ابھی وہ اس جگہ سے نہیں ہٹتا تھا کہ بادل آجاتے اور بارش شروع ہو جاتی۔ اور ایک دو ہی مرتبہ نہیں، بلکہ کئی مرتبہ ایسا ہوا، وہ ہمارے پاس ہی رہا۔ یہاں تک کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا، اے گروہ یہود کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے شراب وخمیر والی سرزمین سے، تکلیف وبھوک والی زمین کی طرف کون سی چیز لائی تھی؟ ہم نے کہا تم ہی خوب جانتے ہو اس نے کہا میں اس شہر میں صرف اس لئے آیا تھا کہ یہ شہر اس نبی آخرالزمان کی ہجرت گاہ ہے جو عنقریب ظہور فرمانے والے ہیں، مجھے امید تھی کہ شاید وہ میری زندگی میں ہی مبعوث ہو جائیں گے تو میں ان پر ایمان لا کر ان کی پیروی کروں گا مگر ایسا نہ ہوا۔ اب تمہارے لئے وہ موقع آئے گا۔ دیکھنا ان پر ایمان لانے میں کوئی تم سے سبقت نہ لے جائے؟ بلاشبہ ان کو اپنے دشمنوں سے جنگ بھی کرنا پڑے گی اور ان کو عورتوں اور بچوں کو قید بھی کرنا پڑے گا مگر ان کا یہ برتاؤ تمہیں ان پر ایمان لانے سے نہ روک دے۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور وہ وقت آیا کہ آپ نے بنی قریظہ کا محاصرہ فرمایا، تو ثعلبہ واسید بن سعید، واسد بن عبید نے کہا اے بنی قریظہ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کے اوصاف ابن الہیبان نے تمہیں بتائے تھے اور تم سب سے عہد لیا تھا کہ تم ان پر ایمان لاؤ گے۔ لہٰذا خدا سے ڈرو اور ان کی پیروی کرو! قوم نے کہا یہ وہ نہیں ہیں، انہوں نے کہا خدا کی قسم بلاشبہ یہ وہی ہیں، یہ کہہ کر وہ اپنی قوم سے نکلے اور مسلمان ہو گئے اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کی حفاظت کرنے لگے، مگر قوم نے نہ مانا۔

(سیرت ابن ہشام، ص 227 ج 1، طبقات ابن سعد، ص 160 ج 1)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم اولاد اسماعیل کی شاخ بنی عبدالمطلب سے ایک نبی کے منتظر ہیں، مگر مجھے امید نہیں کہ میں ان کے زمانے تک زندہ رہوں گا، میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی

تصدیق کرتا ہوں کہ بلاشبہ وہ نبی ہیں۔ پھر مجھ سے کہا اے ابن ربیعہ اگر تمہاری عمر دراز ہو اور تم انہیں پالو تو میرا اسلام ان سے کہہ دینا اور میں تمہیں ان کے اوصاف بھی بتا تا ہوں تا کہ ان کا حال مشتبہ نہ رہے۔ میں نے کہا بتاؤ! اس نے کہا وہ نہ تو بلند قامت ہوں گے اور نہ پست، ان کے جسم پر بال نہ زیادہ ہوں گے نہ کم، ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخی رہے گی جو کبھی جدا نہیں ہوگی۔ ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اور ان کا نام احمد ہو گا، اسی شہر میں ان کی ولادت و بعثت ہوگی، لوگ ان کی نبوت ورسالت اور ان کی تعلیمات کی تکذیب ومخالفت کریں گے یہاں تک کہ ان کو ہجرت کرنی پڑے گی اور مکہ سے یثرب (مدینہ منورہ) چلے جائیں گے۔ وہاں ان کا بول بالا ہوگا اور آخر ان کو غلبہ حاصل ہوگا۔ دیکھنا کہیں لوگوں کے بہکانے میں نہ آجانا۔ میں دین ابراہیمی کی تلاش میں سارے ملکوں اور شہروں میں پھرا ہوں۔ جس یہودی نصرانی اور مجوسی سے بھی ملا۔ اس نے یہی کہا کہ یہ دین تمہارے اسی شہر مکہ ہی سے ظاہر ہوگا۔ جب کہ نبی آخر الزمان حضرت احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہوں گے پھر آپ کے وہ اوصاف جو میں نے تجھے سنائے ہیں وہ مجھے سناتے اور کہتے کہ ان کے سوا کوئی نبی باقی نہیں رہا۔

حضرت عامر فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں زید بن عمرو کا سلام پہنچایا اور اس کے حالات واقوال سنائے تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کے لئے دعائے رحمت فرمائی اور فرمایا کہ میں نے اس کو جنت میں ناز کے ساتھ ٹہلتے ہوئے دیکھا ہے۔

(کنز العمال:34073، طبقات ابن سعد، ص161 ج1، تاریخ کامل ابن اثیر، ص20 ج2)

☆......☆......☆......☆

بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابھی آپ کی ظاہری عمر مبارک چالیس برس کی نہیں ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوشہ نشینی اور خلوت گزینی محبوب ومرغوب فرما دی چناں چہ آپ سال میں ایک دو مرتبہ کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے، غار حرا سے بیت اللہ شریف برابر نظر آتا، وہاں آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت یعنی ذکر وفکر اور مراقبہ فرماتے اور ذات حق میں مستغرق رہتے اور جب چاہتے نظر مبارک اٹھا کر بیت اللہ شریف کا جمال مبارک بھی کرتے۔

جوں جوں ایام وحی قریب آ رہے تھے، کثرت عبادت کا ذوق وشوق اور غار حرا کی گوشہ نشینی محبوب تر ہوتی جا رہی تھی۔ چناں چہ آپ مہینوں قیام فرمانے لگے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا، گھر تشریف لاتے اور پھر واپس جا کر مشغول ہو جاتے۔

حضرت برہ بنت ابی نجراۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت واکرام کے ظہور کا ارادہ فرمایا تو آپ جب کسی حاجت کے لئے باہر تشریف لے جاتے۔

فَلَا يَمُرُّ بِحَجَرٍ وَّلَا شَجَرٍ اِلَّاقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَكَانَ يَلْتَفِتُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ شِمَالِهٖ وَخَلْفِهٖ فَلَا يَرٰى اَحَدًا (وَفِيْ رِوَايَةٍ) كَانَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ (سیرت ابن ہشام، ص250 ج1، طبقات ابن سعد، ص102 ج1، خصائص کبری، ص98 ج1، زرقانی علی المواہب، ص219 ج1، سبل الہدی والرشاد، ص228 ج2، ابن اسحق، ص120 ج1، اخبار مکہ فاکہی:2902، اسد الغابہ، ص 5 2 ج 1، الروض الانف،

تو جس پتھر اور جس درخت کے پاس سے گزرتے تو وہ کہتا السلام علیك یا رسول اللہ! آپ سلام کا جواب دیتے اور دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتے تو سوائے پتھروں کے اور درختوں کے کوئی چیز نظر نہ آتی۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سلام کا جواب بھی ارشاد فرماتے وعلیك السلام)

ص379 ج2، شرف المصطفیٰ، ص92 ج3،
البدایہ والنہایہ، ص17 ج3، السیرۃ النبویہ لابن
کثیر، ص402 ج1، ص411 ج1، مستدرک:
6942، سیرت حلبیہ، ص320 ج1)

چناں چہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَکَّۃَ کَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُہُ الْاٰنَ۔ (مسلم کتاب الفضائل 2-2277)

بلاشبہ میں اس وقت بھی اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ معظّمہ میں قبل از بعثت مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔

ابتدائے وحی

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اَوَّلُ مَا بُدِئَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَاءِ الصَّالِحَۃُ فِی النَّوْمِ فَکَانَ لَایَرٰی اِلَّاجَآءَ مِثْلُ فَلَقِ الصُّبْحِ (بخاری کتاب التعبیر :3)

کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتدا رویائے صالحہ سے ہوئی جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہٖ وہ صبح کی روشنی کی طرح ظہور میں آجاتا۔

چناں چہ جب آپ کی عمر ظاہری شریف چالیس سال اور چالیس روز یا دس روز کی ہوئی تو حسب معمول ایک روز آپ غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے پاس جبریل امین بشری صورت میں آ گئے اور آ کر کہا: اِقْرَاْ (پڑھیے) آپ نے فرمایا: مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھنے والا نہیں)۔ آپ فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کر اپنے ساتھ لگا یا اور اتنے زور سے دبایا کہ وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچ گئے اور پھر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے، میں نے کہا، میں پڑھنے والا نہیں ہوں! انہوں نے پھر مجھ کو اسی طرح زور سے دبایا پھر چھوڑ کر کہا، پڑھیے میں نے وہی جواب دیا۔ انہوں نے تیسری مرتبہ پھر دبایا اور کہا پڑھیے۔ فرماتے ہیں میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ (اقراء)

پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے (آپ کو) پیدا کیا ہے (اور جس نے بنایا ہے) انسان کو خون کی پھٹکی سے، پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے سکھایا اور سکھایا انسان کو جو کچھ کہ وہ نہ جانتا تھا

چناں چہ جب آپ نے اپنے رب کا نام سنا تو فوراً قرأت فرما دی۔ سبحان اللہ۔ جبرئیل امین جب تک صرف اِقۡرَأ اِقۡرَأ کہتے رہے، آپ نے قرأت نہیں فرمائی اور جب انہوں نے اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ کہا تو آپ نے فوراً قرأت فرما دی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی دکھانا تھا کہ اے جبرئیل، پہلے فقط اقراء کہنا اور پورا زور لگا کر دیکھ لینا، مگر میرا حبیب نہیں پڑھے گا، جب تک میرے نام سے شروع نہیں کرو گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ میرا حبیب پہلے سے ہی علم وعرفان سے متصف ہے اور اس سلسلہ میں تمہارا محتاج نہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جبرئیل ومیکائیل نے پہلے آپ کا سینہ اقدس چاک کیا، پھر سینہ اقدس اور قلب اطہر کو شق کر کے دھویا۔ پھر اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ پڑھا۔ (مسند ابوداؤد طیالسی: 1643، مسند حارث، بیہقی وابونعیم فی دلائل النبوۃ زرقانی علی المواہب، ص245 ج1)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر جبرئیل میرے پاس سے چلے گئے اور کیفیت یہ تھی کہ وہ آیتیں گویا میرے دل پر لکھی گئی ہیں۔ اس وقت میں غار سے باہر نکلا تو میں نے سنا کوئی کہہ رہا ہے: یَا مُحَمَّدُ اِنَّکَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ وَاَنَا جِبۡرِیۡلُ۔ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔

میں نے دیکھنے کے لئے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آسمان کے کنارے پر جبرئیل امین آدمی کی شکل پر ہیں اور فرما رہے ہیں: یَا مُحَمَّدُ اِنَّکَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ

وَاَنَا جِبْرِیْلُ۔ (سیرت ابن ہشام)

فرماتے ہیں اسی کیفیت میں میں گھر کی طرف چلا۔ راستے میں جو بھی پتھر اور درخت ملتا بلند آواز سے کہتا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

(بزار: 140، ابونعیم، خصائص کبریٰ، ص 97 ج 1)

غرض آپ جلال الٰہی اور ہیبت حق سے لبریز عجیب و غریب کیفیتیں لئے گھر تشریف لائے۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے خندہ پیشانی کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا: زَمِّلُوْنِی! زَمِّلُوْنِی! مجھے کمبل اڑھاؤ! مجھے کمبل اڑھاؤ! آپ نے اپنا سر مبارک ان کی آغوش محبت میں رکھ دیا۔ جب آپ کو سکون ہوا تو آپ نے فرمایا۔ خدیجہ! میرا کیا حال ہے! انہوں نے پوچھا، کیا ہوا؟ آپ نے ان کو ساری کیفیت سنائی اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ یہ نبوت و رسالت کے بارگراں کی عظمت کا تخیل تھا۔ انہوں نے کہا ایسا ہرگز نہ کہیے، آپ کو کسی قسم کا خوف نہیں۔ میں آپ کو بشارت دیتی ہوں، خدا کی قسم آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا و غمگین نہیں کرے گا۔ کیوں کہ آپ صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کے ساتھ احسان فرماتے ہیں۔ ضعیفوں، یتیموں، فقیروں اور اہل و عیال کے حوائج پورے کرتے ہیں اور ان لوگوں کو عطا فرماتے ہیں جن کو آپ کے سوا کسی اور سے عطا کی امید نہیں ہوتی اور آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، امانت دار اور مہمان نواز ہیں، خوش خلق، خوش گفتار اور عالی کردار ہیں۔ یعنی آپ کی ذات اقدس میں مکارم اخلاق اور محاسن شمائل مجتمع ہیں، لہٰذا آپ کو امر مکروہ نہ پہنچے گا۔

حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے اقوال مبارکہ سے ان کی کمال فراست و معرفت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور اوصاف جمیلہ کا خوب پتا چلتا ہے۔

اس کے بعد وہ آپ کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل، عہد جاہلیت میں رسوم جاہلانہ اور بتوں کی عبادت مشرکانہ وغیرہ ترک کر کے نصرانی راہب ہو گئے تھے۔ توراۃ و انجیل کے بہت بڑے ماہر تھے اور انجیل کے مضامین عربی اور عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے، بہت بوڑھے تھے اور بڑھاپے کے

سبب نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبری نے ان سے کہا: اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھائی کے بیٹے محمد بن عبد اللہ سے سنو! ورقہ نے کہا اے ابن اخی آپ کیا دیکھتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام واقعہ سنایا۔ ورقہ نے سن کر کہا یہ وہی ناموسِ اکبر ہے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت زندہ اور جوان ہوتا۔ جب کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے باہر نکال دے گی؟ آپ نے فرمایا کیا میری قوم مجھ کو مکہ سے باہر نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا۔ ہاں! فرمایا کیوں؟ ورقہ نے کہا۔ ایسا ہی ہوتا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر نہیں آیا جس کی مخالفت نہ ہوئی ہو۔ یعنی کفار ہمیشہ پیغمبروں کے دشمن رہے ہیں۔ اگر میں زندہ رہا تو آپ کی پوری پوری حمایت کروں گا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر تشریف لا کر جب حضرت خدیجہ کو سارا واقعہ سنایا تو حضرت خدیجہ نے کہا: اے ابن عم میں آپ کو بشارت دیتی ہوں اور قوی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔ پھر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور ان کو سارے واقعات سنائے۔

فَقَالَ اِنْ كُنْتِ صَدَقْتِنِیْ اَنَّهٗ لَنَبِیُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاَنَّهٗ لَیَاتِیْهِ النَّامُوْسُ الْاَكْبَرُ الَّذِیْ كَانَ یَاتِیْ مُوْسٰی (خصائص کبریٰ، ص 95 ج 1، ابن اسحٰق، ص 122 ج 1، ابن ہشام، ص 238 ج 1، اخبار مکہ فاکہی، ص 54 ج 4، تاریخ طبری، ص 302 ج 2، دلائل النبوۃ بیہقی: 22 (مقدمہ)

تو ورقہ نے کہا، اے خدیجہ اگر یہ صحیح ہے جو تو کہتی ہے تو بلاشبہ وہ اس امت کے نبی ہیں اور ان کے پاس وہی ناموسِ اکبر آیا ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آتا تھا۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل بیت اللہ شریف میں آپ سے ملا تو اس نے آپ سے خود سارے حالات سن کر کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آپ اس امت کے نبی ہیں۔ آگے وہی کہا جو مذکور ہو چکا ہے۔ (سیرت ابن ہشام، ص 254 ج 1)

اس کے بعد ورقہ بن نوفل نے وفات پائی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم

نے ورقہ کو ریشمی لباس پہنے ہوئے جنت میں دیکھا ہے کیوں کہ وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس نے میری تصدیق کی تھی، اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے ورقہ کو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر دیکھا ہے۔ (سبل الہدی والرشاد، ص243 ج2، کنز العمال:34076,34082، بیہقی، ابونعیم، ابن عدی، ابن السکن، زرقانی علی المواہب، ص242 ج1)

حضرت ام سلمہ حضرت خدیجہ سے روایت فرماتی ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا اے میرے چچا کے بیٹے کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ جب تیرے پاس جبرئیل آئے تو تو مجھے بتلا دے آپ نے فرمایا۔ ہاں! جب جبرئیل امین آئے تو آپ نے فرمایا:

اے خدیجہ! یہ جبرئیل امین آ گئے ہیں! انہوں نے کہا۔ کیا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا ہاں! انہوں نے کہا۔ آپ میرے دائیں طرف میرے پاس آ کر بیٹھ جائیں! آپ تشریف لا کر ان کے دائیں طرف بیٹھ گئے، انہوں نے کہا اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں فرمایا ہاں! انہوں نے کہا آپ میرے بائیں طرف میرے پاس آ کر بیٹھ جائیں! آپ بائیں طرف آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا، اب بھی دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا ہاں! انہوں نے کہا۔ آپ میری آغوش میں بیٹھ جائیں! آپ ان کی آغوش میں آ کر بیٹھ گئے، انہوں نے کہا۔ اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا ہاں! انہوں نے اپنے سر سے اوڑھنی اتار کر ایک طرف رکھ دی اور اپنے سینہ سے کپڑا ہٹا دیا۔ اس وقت آپ ان کی آغوش میں ہی تھے، تو انہوں نے کہا اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا نہیں!

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اب انہوں نے اعراض کر لیا ہے، تو حضرت خدیجہ نے کہا اے ابن عم!

أُبَشِّرُ فَاِنَّهُ مَلَكٌ كَرِيمٌ لَوْ كَانَ شَيْطَانًا مَّا اسْتَحْيٰى (الاستیعاب، ص740 ج2، خصائص کبریٰ، ص95 ج1، الموسوعۃ فی صحیح السیرۃ، ص241 ج1، امتاع الاسماع، ص22 ج3، دلائل النبوۃ ابونعیم:165)

میں آپ کو بشارت دیتی ہوں کہ بلاشبہ وہ مکرم فرشتہ ہے، اگر شیطان ہوتا تو وہ حیا نہ کرتا۔

ابتدائے نماز

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرمہ کی کسی بلند جگہ پر جلوہ افروز تھے کہ آپ کے پاس حضرت جبرئیل امین، احسن صورت اور اطیب خوش بو کے ساتھ حاضر ہوئے۔

فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللہَ یُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ لَكَ اَنْتَ رَسُوْلِیْ اِلَی الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فَادْعُهُمْ اِلٰی قَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ

اور کہا، اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ جن وانس کی طرف میرے رسول ہیں۔ پس آپ ان کو کلمہ توحید کی طرف بلائیے۔

پھر جبرئیل امین نے زمین پر اپنا پاؤں مارا تو وہاں سے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا۔ اس چشمہ سے جبرئیل نے وضو کیا، پھر آپ کو بھی وضو کرنے کے لئے عرض کیا۔ جب آپ وضو فرما چکے تو جبرئیل نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور آپ کو اپنے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے عرض کیا۔ آپ نے ان کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر جبرئیل امین آسمان کی طرف چلے گئے اور آپ اپنے گھر کی طرف چل پڑے، راستے میں جس درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے وہ کہتا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ!

آپ گھر تشریف لائے تو سارا واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سن کر فرط مسرت سے بے ہوش ہو گئیں جب ہوش میں آئیں تو عرض کیا مجھے بھی وہ چشمہ دکھائیے آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسی چشمہ پر لے آئے پھر آپ نے وضو کیا اور ان کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے ان کو ساتھ لے کر دو رکعتیں پڑھیں، جس طرح جبرئیل نے آپ کو ساتھ لے کر پڑھی تھیں۔ جب حضرت خدیجہ نماز سے فارغ ہوئیں تو کہا:

اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللہِ! (زرقانی علی المواہب، ص 234 ج 1، ابونعیم فی دلائل النبوت، ص 175 ج 1، سیرۃ ابن ہشام، مواہب لدنیہ، ص 129 ج 1)

میں گواہی دیتی ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

نزول وحی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کس دن اور کس تاریخ کو وحی نازل ہوئی؟

ابن سعد نے ابوجعفر کی روایت سے سترہ رمضان المبارک بتائی ہے!

علامہ ابن عبدالبر اور مسعودی فرماتے ہیں کہ آٹھ ربیع الاول کو بعثت مبارکہ ہوئی۔ (زرقانی)

ابن قیم نے آٹھ ربیع الاول کے قول کو اکثرین کی طرف منسوب کیا ہے (زادالمعاد)

بعض روایات میں تین ربیع الاول کے اقوال بھی ہیں۔ (زادالمعاد، مدارج النبوۃ)

امام احمد وابن جریر وطبرانی وبیہقی نے حضرت واثلہ بن الاسقع سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یکم رمضان المبارک کو صحیفے نازل کیے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چھ رمضان المبارک کو تورات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تیرہ رمضان کو انجیل اور حضرت داؤد علیہ السلام پر اٹھارہ رمضان المبارک کو زبور نازل کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے سید العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چوبیس رمضان کو قرآن نازل فرمایا۔ (مسند احمد: 16984، طبرانی کبیر: 185، بیہقی: 18649)

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ وہ رمضان المبارک کا مہینا ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ کہ ہم نے اس (قرآن مجید) کو شب قدر میں اتارا۔

اور احتمال یہ ہے کہ اس سال شب قدر چوبیس رمضان کو ہوگی تو اس رات میں اللہ تعالیٰ نے سارا قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اتارا اور پھر صبح کے وقت آپ کے پاس حضرت جبرئیل امین علیہ السلام: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ لے کر آئے۔

(زرقانی علی المواہب، ص 208 ج 1، الاتقان فی علوم القرآن، ص 42 ج 2)

تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ ربیع الاول میں رویائے صالحہ سے آپ کی نبوت کے ظہور کی ابتداء اور رمضان المبارک میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی۔

فترۃ وحی

سورہ اقراء کی پانچ ابتدائی آیتوں کے نزول کے بعد کچھ عرصہ کے لئے وحی کا آنا بند ہو گیا۔ اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت افسردہ وغم گین رہتے تھے۔ بعض اوقات کسی کنوئیں پر، اور بعض اوقات پہاڑوں پر تشریف لے جاتے تاکہ اپنے آپ کو گرا دیں، یہ اضطراب اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ کو اپنی نبوت کے معاملہ میں کوئی شک وشبہ پیدا ہو گیا تھا (معاذ اللہ!) بلکہ وحی الٰہی کی لذت خاص سے مہجور ہونا شاق ہو گیا تھا۔ دراصل یہ بھی حسن ازل کی ایک ادا تھی کہ طالب صادق کے اضطراب محبت، درد ہجر اور شوق وصل کا نظارہ کرے۔

زمانہ فترۃ وحی میں بھی آپ برابر غار میں جاتے رہے۔ ایک دن غار سے تشریف لا رہے تھے کہ ناگاہ آسمان سے ایک آواز آئی۔ آپ نے دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں آپ کے پاس آیا تھا، زمین وآسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا کہہ رہا ہے: ''اے محمد آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں، اچانک حضرت جبرئیل کو اس شکل میں دیکھ کر (بتقاضائے بشریت) آپ قدرے مرعوب ہو گئے اور اسی حالت میں واپس گھر پہنچ کر حضرت خدیجہ سے فرمایا ''مجھے کپڑا اڑھا دو'' انہوں نے اڑھا دیا۔ آپ کپڑا اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ جبریل امین پیغام احکم الحاکمین لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا:

يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ (مدثر)

اے کپڑا اوڑھنے والے (محبوب) اٹھو اور لوگوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بولو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور (ہر قسم) کی نجاست سے دور رہو۔

اس آیہ کریمہ کے نزول کے بعد خفیہ خفیہ آپ نے توحید ورسالت کی تبلیغ اور عذاب الٰہی سے ڈرانا شروع فرمایا اور تین سال تک نہایت راز داری کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہا وہ لوگ جو پہلے ہی آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق جمیلہ کا مشاہدہ کرتے چلے آ رہے تھے،

انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور دارین میں کامیاب ہوئے۔

اقسام وحی

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بڑی بڑی خصوصیات عطا فرمائی ہیں من جملہ ان کے ایک خصوصیت مکالمہ الٰہی اور وحی الٰہی ہے۔ مکالمہ و وحی الٰہی کی متعدد قسمیں اور صورتیں ہیں۔

علمائے لغت فرماتے ہیں:

اَلْوَحْیُ الْاِشَارَةُ وَالْكِتَابَةُ وَالرِّسَالَةُ وَالْاِلْهَامُ وَالْكَلَامُ الْخَفِيُّ وَكُلُّ مَا اَلْقَيْتَهُ اِلٰى غَيْرِكَ

(مختار الصحاح، ص240، المنجد، تفسیر القرطبی، ص85 ج4، عمدۃ القاری، ص14 ج1، لسان العرب، ص 379 ج 15، القاموس المحیط، ص1342 ج1)

وحی کے معنی ہیں اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام بھیجنا یا پہنچانا، دل میں ڈالنا دوسروں سے چھپا کر بات کہنا اور جو کچھ بھی تم دوسرے کے خیال میں ڈالو۔

وحی کی ان تمام قسموں کا ذکر قرآن مجید اور کتب احادیث و تفاسیر میں موجود و مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (بقرہ:253)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے، ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کے درجے بلند فرمائے۔

اس آیہ کریمہ سے صراحتاً ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام سے کلام فرمایا۔ مگر اس میں یہ تصریح نہیں کہ کون کون سے پیغمبر کلام الٰہی سے مشرف ہوئے، ہاں دوسری آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تصریح ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ چناں چہ انہوں نے وادی سینا میں ایک درخت سے آواز ربانی کو بھی

سنا۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (شوریٰ:51)

کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے ذریعے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیجے جو اس کے حکم سے وحی کرے

اس آیہ کریمہ میں مکالمہ الٰہی کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں، وحی کے ذریعہ سے، بلاواسطہ پردہ کے پیچھے سے، قاصد و فرشتہ کے واسطے سے، پہلی صورت اِلَّا وَحْيًا میں بلاواسطہ دل میں القا فرمانا یا خواب و بیداری میں وحی و الہام فرمانا داخل ہے، مختصر طور پر تشریح ہدیہ ناظرین ہے۔

(ا) رویائے صادقہ (سچے خواب دیکھنا)

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے۔ چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۰۲ (صافات)

اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ عرض کیا اے میرے باپ جس کام کا آپ کو حکم ہوا ہے کر دیجئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔

اس آیہ کریمہ میں غور فرمایئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ وہ کام کر دیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ کم سنی میں بھی اسمٰعیل علیہ السلام اس حقیقت کو جانتے تھے کہ پیغمبر کا خواب بھی حکم الٰہی ہوتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس کے حکم الٰہی ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کو

اپنے دل میں جگہ نہیں دی بلکہ اس کی تعمیل اسی طرح ضروری سمجھی جس طرح اس حکم کی سمجھتے جو بیداری کے عالم میں انہیں خدا کی طرف سے ملنا تھا۔ یہی حال دوسرے انبیائے علیہم السلام کا ہے، اسی واسطے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

رُؤْيَا الْأَنْبِيَآءِ وَحْيٌ (ترمذی شریف: 3689) انبیائے کرام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں خواب کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ رؤیا اور حُلم۔ حلم کی جمع احلام ہے، رؤیا، وہ خواب ہے جس میں انسان کسی حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے اور حلم وہ خواب ہے جس میں انسان اپنے وہم اور پریشان خیالات کو دیکھتا ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلرُّؤْيَا مِنَ اللهِ وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ (مسلم، کتاب الرؤیا، 1-2261، ترمذی: 2277) کہ رؤیا اللہ کی طرف سے اور حُلم شیطان کی طرف سے ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَالرُّؤْيَا ثَلٰثَةٌ فَرُؤْيَا الصَّالِحَةُ بُشْرٰى مِنَ اللهِ وَرُؤْيَا تَحْزِيْنٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ وَرُؤْيَا مِمَّا يُحَدِّثُ الْمَرْءُ نَفْسَهٗ (مسلم شریف، کتاب الرؤیا، 6-2263، ترمذی: 2280) خواب تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک رؤیا صالحہ، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے۔ دوسرا خواب غم پیدا کرنے والا، یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور تیسرا خواب وہ ہوتا ہے جو انسان کے اپنے دل کی باتیں اور خیالات ہوتے ہیں۔

ان ہی سے روایت کہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَصْدَقُكُمْ رُؤْيَا اَصْدَقُكُمْ حَدِيْثًا (مسلم شریف: 6-2263، ترمذی: 2270) تم میں زیادہ سچا خواب دیکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہے

چوں کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر سچ بولنے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ان پر شیطان وغیرہ کا کوئی اثر ہوتا ہے، لہٰذا ان کا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے

اور وہ خواب وحی الٰہی ہوتا ہے۔ چناں چہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا آغاز بھی رویاء صالحہ ہی سے ہوا کہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا۔
اس مختصر سی بحث سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ پردہ کے پیچھے سے وحی فرمانا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (نساء:164)

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام فرمایا

چناں چہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس مصر تشریف لا رہے تھے تب وادی طور میں اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی فرمائی۔ ارشاد ہوا:

اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ (طٰہٰ)

میں تمہارا رب ہوں، اپنی جوتیاں اتار دو کیوں کہ تم ایک مقدس وادی میں ہو اور میں نے تمہیں چن لیا ہے، تو سنو جو وحی ہوتی ہے، بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میری بندگی کرو، میری یاد کے لئے نماز قائم رکھو!

اس وقت حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوت سامعہ سے کلام الٰہی تو سنتے اور لذت اندوز ہوتے تھے مگر آپ کی آنکھیں دیدار الٰہی کی دولت سے متمتع نہیں ہوتی تھیں۔

(۳) فرشتے کا اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہونا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرائیل امین کو ان کی اصلی شکل میں دیکھتے تھے جس میں وہ پیدا کیے گئے ہیں وہ آپ پر وحی لاتے تھے جو اللہ تعالیٰ چاہتا تھا۔ ان کی اصلی صورت میں ان کے چھ سو پر ہیں، دو مرتبہ آپ نے ان کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے، ایک مرتبہ زمانہ

بعثت میں فترت وحی کے بعد اور دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرہ کے پاس۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَرَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيْلَ فِيْ صُوْرَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ اِلَّا مَرَّتَيْنِ اِمَّا وَاحِدًا فَاِنَّهٗ سَأَلَهٗ اَنْ تُرِيَهٗ نَفْسَهٗ فَاَرَاهُ نَفْسَهٗ فَسَدَّ الْاُفُقَ وَاَمَّا الْاُخْرٰى فَلَيْلَةُ الْاِسْرٰى عِنْدَ السِّدْرَةِ (احمد:3864، ابن ابی حاتم، زرقانی علے المواہب، ص230، تفسیر کبیر، ص210 ج20، روح المعانی، ص337 ج11، مرقاۃ، ص3609 ج9، خصائص کبریٰ، ص200 ج1، سیرۃ حلبیہ، ص368 ج1)

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں دو ہی بار دیکھا ہے ایک بار اس وقت جب کہ آپ نے خود ان سے دکھانے کو کہا۔ انہوں نے دکھایا تو آسمان کے کنارے ان سے بھر گئے اور دوسری بار شب معراج میں سدرہ کے پاس۔

بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جبرئیل امین کی دو صورتیں ہیں، ایک حقیقی، دوسری مثالی، حقیقی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور کا دیکھنا ثابت نہیں ہوا۔ اور مثالی صورت کو دیگر انبیاء کرام نے بلکہ بعض صحابہ عظام نے بھی دیکھا ہے۔ (زرقانی علی المواہب، ص234 ج1)

(۴) تمثل (فرشتے کا کسی شکل میں متشکل ہو کر آنا)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ (مریم)

تو ہم نے جبرئیل امین کو (مریم علیہا السلام) کی طرف بھیجا۔ تو وہ تندرست بشر کی صورت میں متمثل ہو کر اس کے پاس آیا۔

اس آیہ کریمہ سے ثابت ہوا کہ جبرئیل امین، آدمی کی شکل میں متشکل ہو کر مریم علیہا السلام کے پاس آئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر تھے، کہ اچانک ایک شخص آیا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال

نہایت سیاہ تھے، اس پر سفر وغیرہ کا کوئی اثر نمایاں نہ تھا۔ ہم میں سے کسی نے اس کو نہ پہچانا۔ یہاں تک کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے دوزانو ہوکر بیٹھ گیا اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم مجھے خبر دیجئے کہ اسلام کیا ہے؟

قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْئَلُهٗ وَ يُصَدِّقُهٗ ثُمَّ قَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَآءَ الشَّاةِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِيْ مَنِ السَّآئِلُ؟ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ

آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے اور حج کرے اگر وہاں جانے کی قدرت ہو۔ اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا، تو ہم نے تعجب کیا کہ یہ شخص خود ہی سائل اور خود ہی مصدق ہے پھر اس نے کہا مجھے بتائیے ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر اور اس پر کہ اچھی اور بری تقدیر کا خالق اللہ ہے، ایمان رکھے۔ اس نے کہا، آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس نے کہا، مجھے بتائیے احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اس کو نہیں دیکھ سکتا ہے تو (یوں عبادت

(مسلم شریف، 1-8، دارقطنی:2708، مسند الرویانی:1425، ابن حبان:168، ترمذی: 2610، ابوداؤد:4695، مسند احمد: 192، ابن ماجہ:63،مصنف ابن ابی شیبہ:30429)

کرے) کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے، پھر اس نے کہا، مجھے بتایئے قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا مسئول عنہا سائل سے اعلم نہیں ہے۔ پھر اس نے کہا، مجھے بتایئے اس کی نشانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور تو برہنہ پا، برہنہ جسم مفلس وفقیر اور بکریاں چرانے والے لوگوں کو عالی شان عمارتوں میں فخر کرتے ہوئے دیکھے گا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا گیا۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا تو آپ نے مجھے فرمایا اے عمر! اس سائل کو تم جانتے ہو؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ يَوْمَ أُحُدٍ عَنْ يَمِيْنِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَسَارِهِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا ثِيَابٌ بِيضٌ يُقَاتِلَانِ عَنْهُ كَأَشَدِّ الْقِتَالِ مَا رَأَيْتُهُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ يَعْنِيْ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ

(کنز العمال:30068،مصنف ابن ابی شیبہ:

کہ میں نے غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں اور بائیں طرف دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو آپ کی طرف سے سخت جان بازی سے لڑ رہے تھے اور میں نے ان کو نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد دیکھا وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت

32153، مسند احمد:1468، تفسیر ابن کثیر، ص123 ج2، الریاض النضرہ، ص 326 ج 4، امتاع الاسماع، ص 328 ج 3، مسلم: 2306-48، بخاری:4054، تفسیر البغوی: 434، سیر اعلام النبلاء، ص 107 ج 1، المسند الشاشی:133، شرح السنۃ للبغوی: 3088، الانوار فی شمائل النبی المختار:61)

میکائیل علیہ السلام تھے۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نہایت حسین وجمیل صحابی تھے۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اکثر ان ہی کی شکل میں متشکل ہو کر آیا کرتے اور صحابہ ان کو دیکھتے۔ اسی واسطے حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشَبِّهُ دِحْيَةَ الْكَلْبِيَّ لِجِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (الاستیعاب، ص167، طبقات، ص 189 ج4، مصنف ابن ابی شیبہ: 32325، جامع الاحادیث: 12260، تاریخ کبیر للبخاری:689، درمنثور، ص53 ج7، مرویات امام الزہری، ص531 ج1، تفسیر ابن کثیر، ص 358 ج6، سیر اعلام النبلاء، ص 551 ج2، دلائل النبوۃ بیہقی، ص12 ج4، ابن عساکر، ص 207 ج17، البدایہ والنہایہ، ص136 ج4)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دحیہ کلبی کو حضرت جبریل علیہ السلام سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔

(۵) صلصلۃ الجرس (گھنٹی کی مثل آواز آنا)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)!

كَيْفَ يَأْتِيْكَ الْوَحْيُ؟ فَقَالَ صَلَّى اللهُ

آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْيَانًا يَاْتِيْنِیْ مِثْلُ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّهٗ عَلَیَّ فَيَفْصِمُ عَنِّیْ وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ

(بخاری شریف:2، نسائی:1008، مسند احمد: 26198، مستدرک:5213، موطا:7)

نے فرمایا، کبھی کبھی میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح وحی آتی ہے اور وہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے پھر وہ مجھ سے جدا ہو جاتی ہے درآں حالے کہ میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نزول وحی کی کیفیت جب ختم ہو جاتی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ آجاتا۔ (بخاری شریف:2، ترمذی:3634، احمد:26198)

کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس حال میں وحی آئی کہ میرا زانو آپ کے زانوئے مبارک کے نیچے تھا۔ پس مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا زانو ٹوٹ جائے گا۔ (بخاری شریف:370، ترمذی:3033، نسائی:4292)

اگر سواری کی حالت میں وحی آجاتی تو سواری کا اونٹ بیٹھ جاتا اور گردن زمین کے ساتھ لگا دیتا۔ (زرقانی علی المواہب، ص229 ج1، روح البیان، ص208 ج10)

امام المفسرین حضرت علامہ ابن المنیر الجروی الاسکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وحی کی صورتوں میں اختلاف اقتضائے وحی کے مطابق ہوتا تھا۔ مثلاً اگر وحی، وعدۂ خیر اور بشارت میں نازل ہوتی تو فرشتہ آدمی کی صورت میں آتا، اور اگر وحی، وعید شر اور کسی امر سے ڈرانے میں نازل ہوتی تب صلصلۃ الجرس کی مثل ہوتی۔ (زرقانی علی المواہب، ص234 ج1)

(٦) القاء فی القلب (دل میں ڈالنا)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ (شعراء)

نازل کیا ہے اس کو روح الامین نے آپ کے دل پر۔

اور فرمایا

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

بلاشبہ جبرئیل نے اس کو نازل کیا ہے آپ

کے دل پر اللہ کے حکم سے (بقرہ:97)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلَا یَحْمِلَنَّ اَحَدَکُمْ اِسْتِبْطَآءُ الرِّزْقِ اَنْ یَّطْلُبَهٗ بِمَعْصِیَةِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَنَالُ مَا عِنْدَهٗ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ

(کنز العمال: 9312، 9290، طبرانی کبیر: 7694، المتفق والمتفرق: 1572، مجمع الزوائد: 6293خ فیض القدیر: 2273، مرقاۃ: 5300، جامع معمر بن راشد: 20100، حلیۃ الاولیاء، ص 26ج10)

بلاشبہ جبریل نے میرے دل میں ڈالا ہے کہ کوئی نفس اس وقت نہیں مرے گا جب تک وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے، تو لوگو اللہ سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقہ اختیار کرو اور رزق میں تاخیر تم میں سے کسی ایک کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ وہ گناہ کے ذریعے سے تلاش کرے۔ بے شک جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس کی بندگی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

وحی کی قسم تمثیل اور القاء فی القلب میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ تمثیل میں فرشتہ کو ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرشتہ کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھتے اور ان ظاہری کانوں سے اس کی آواز سنتے تھے۔ اور القاء فی القب میں آپ کو بشریت سے انخلاع وانسلاخ فرما کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا، یعنی اس وقت آلات جسمانیہ کو بالکل معطل فرما کر صرف قوائے روحانی اور حواس قلبی سے کام لیتے تھے، اس وقت آپ دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور دل کے کانوں سے اس کی آواز سنتے تھے کیوں کہ افادہ واستفادہ کے لئے مناسبت شرط ہے۔

(اتقان فی علوم القرآن، ص44 ج1)

(۷) اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ و بلا حجاب وحی فرمانا

حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک بہت بڑی خصوصیت

یہ بھی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا، اور بلاواسطہ کلام فرمایا۔ چناں چہ عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رَأَیۡتُ رَبِّیۡ عَزَّوَجَلَّ فِیۡ اَحۡسَنِ صُوۡرَۃٍ قَالَ فِیۡمَ یُخۡتَصِمُ الۡمَلَاءُ الۡاَعۡلٰی قُلۡتُ اَنۡتَ اَعۡلَمُ قَالَ فَوَضَعَ کَفَّہٗ بَیۡنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدۡتُّ بَرۡدَھَا بَیۡنَ ثَدۡیَیَّ فَعَلِمۡتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ

(ترمذی: 3235، مشکوٰۃ: 725، دارمی: 2195)

میں نے اپنے رب عزّوجل کو احسن صورت میں دیکھا، رب نے مجھ سے فرمایا کہ ملائکہ مقربین کس بات میں جھگڑا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی مولا تو ہی خوب جانتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ پھر میرے رب نے اپنی رحمت کا (بے مثل) ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا میں نے اس کے وصول فیض کی سردی اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی۔ پس مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہو گیا جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

رَأٰی رَبَّہٗ مَرَّتَیۡنِ مَرَّۃً بِبَصَرِہٖ وَمَرَّۃً بِفُؤَادِہٖ (طبرانی فی الاوسط بسند صحیح: 5761، خصائص کبریٰ، ص 161 ج 1، فتح الباری، ص 607 ج 8، عمدۃ القاری، ص 198 ج 19، ارشاد الساری، ص 359 ج 7، مرقاۃ: 5660، ترمذی: 3279، الاحادیث المختارہ: 325، السنۃ لابن ابی عاصم: 437، الاسماء والصفات للبیہقی: 935، مظہری، ص 170 ج 9، درمنثور، ص 648 ج 7، ابن کثیر، ص 416 ج 7)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے

کسی شخص نے ان سے کہا کہ دعویٰ رویت قرآن کریم کی اس آیت لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ کے خلاف ہے۔ تو فرمایا! وَیْحَكَ ذَالِكَ اِذَا تَجَلّٰی بِنُوْرِهِ الَّذِیْ هُوَ نُوْرُهٗ۔

(زرقانی علی المواہب، ص111 ج6)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے (مصنف عبدالرزاق، شفا شریف صفحہ 120/1)

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام ابوالحسن اشعری اور صحابہ کرام کی ایک جماعت (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں:

اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی اللّٰهَ تَعَالٰی بِبَصَرِهٖ وَعَیْنَیْ رَاْسِهٖ (شفا شریف، ص121، ج1، زرقانی علی المواہب، ص116 ج6، تفسیر القرطبی، ص56 ج7، عمدۃ القاری، ص144 ج15، تاریخ الخمیس، ص314 ج1، امتاع الاسماع، ص205 ج8، شرف المصطفیٰ، ص146 ج3)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ان سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلرَّاجِحُ عِنْدَ اَکْثَرِ الْعُلَمَآءِ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَبَّهٗ بِعَیْنِ رَاْسِهٖ (زرقانی علی المواہب، ص116 ج6، مرقاۃ، ص3605 ج9، روح البیان، ص222 ج9، العقد الثمین، ص378 ج1، تاریخ الخمیس، ص307 ج1، سیرۃ حلبیہ، ص576 ج1، اشرف الوسائل، ص46 ج1، فتح البیان، ص250 ج13)

کہ اکثر علماء کے نزدیک ترجیح اسی کو ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج میں اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

شب معراج میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرب کے اس مقام پر پہنچے کہ جبرئیل امین تو کیا، وہاں کسی مخلوق کی بھی رسائی نہیں ہو سکی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک کے درمیان کوئی واسطہ و حجاب نہ تھا۔ جہاں زمان و مکان قاصد و پیام بر کی شرکت بھی مخل تنہائی تھی اس وقت:

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ⑩ (النجم) — پھر اس نے اپنے بندۂ خاص کو وحی کی جو کی۔

کون بتائے اور کیا بتائے کہ وہاں طالب و مطلوب، محب و محبوب کے درمیان راز و نیاز کی کیا کیا باتیں ہوئیں؟

محدث و فقیہ علامہ قاضی ابو عبداللہ حسین بن حسین حلیم الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْوَحْیَ کَانَ یَاْتِیْهِ عَلٰی سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِیْنَ نَوْعًا (زرقانی علی المواہب، ص233 ج1، فیض القدیر: 4392، الجامع الصحیح للسیرۃ النبویہ، ص 586 ج 3، فتح الباری، ص 20 ج 1، زرقانی علی الموطا، ص14 ج2) — کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس چھیالیس نوع پر وحی آتی تھی۔

انہوں نے ان چھیالیس انواع کو ذکر بھی کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ادراک و احساس کی ظاہری و باطنی قوتوں کو عام انسانوں کی قوتوں سے اس قدر بلند کیا ہے کہ عام انسان ان کے ہمسر و برابر نہیں ہیں۔ عام انسان ان اشیاء کو نہیں دیکھ سکتے جن کو وہ دیکھتے ہیں اور ان اشیاء کی آوازوں کو نہیں سن سکتے جن کو وہ سنتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے سونے جاگنے کا ایک ہی عالم ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سید الانبیاء اور افضل المرسلین ہیں، آپ انبیائے کرام میں بھی ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ مراتب و درجات عطا فرمائے ہیں کہ کوئی بشر آپ کا شریک و سہیم نہیں۔

آپ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں فنا کا وہ اعلیٰ مقام رکھتے ہیں کہ آپ ہی کی شان

میں وارد ہوا ہے:

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ﴿۳﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ﴿۴﴾ (النجم)
کہ وہ خواہش نفس سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو ان کو کی جاتی ہے۔

ثابت ہوا کہ آپ کا کلام وحی الٰہی ہوتا تھا اور حقیقی طور پر آپ ہی جانتے ہیں کہ وحی کتنی صورتوں میں آپ کے پاس آتی تھی۔ اور اس کی کتنی انواع واقسام ہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے جیسے قرآن، اسے متلو کہتے ہیں اور وہ وحی جو تلاوت نہیں کی جاتی جیسے احادیث صحیحہ، اسے غیر متلو کہتے ہیں۔ پہلی وحی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف تواتر روایت سے ثابت ہے اور وہ اپنے الفاظ و معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کا کلام ہے۔

دوسری قسم تواتر سے بہت کم مروی ہے، وہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے۔ (سیرۃ النبی، شبلی)

علامہ ابن عادل اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام پر بارہ مرتبہ وحی نازل ہوئی اور نوح علیہ السلام پر پچاس مرتبہ، ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس مرتبہ، ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ موسیٰ علیہ السلام پر چار سو مرتبہ، عیسیٰ علیہ السلام پر دس مرتبہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چوبیس ہزار مرتبہ وحی نازل ہوئی۔ (زرقانی علی المواہب، ص 234، ص 1)

یہ بھی یاد رہے کہ ایک وحی غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوتی ہے۔ جیسا فرمایا:

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡهِ (القصص:7)
اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اس بچہ کو دودھ پلاؤ۔

وَ اِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَ بِرَسُوۡلِیۡ (مائدہ:11)
اور جب کہ میں نے حواریوں کو وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ

اس وحی کو عام طور پر الہام کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ دل میں بات ڈال دیتا ہے۔ فرمایا:

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ (نحل:68)
اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی

کی۔

فرمایا:

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿﴾ (زلزال:5) بلا شبہ تمہارے پروردگار نے زمین کو وحی کی۔

اس وحی کو عام طور پر فطری حکم کہا جاتا ہے۔

مگر حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (نساء:163) ہم نے تمہاری طرف اس طرح وحی کی ہے جس طرح کہ نوح اور اس کے بعد دوسرے انبیاء کی طرف وحی کی تھی۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف جو وحی ہوئی تھی وہ ایک خاص نوعیت کی ہوتی تھی، اور وہ ان ہی کا حصہ ہے جس میں غیر شریک نہیں ہیں۔

اول من آمن

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے کون ایمان لایا؟ اس میں اختلاف ہے چناں چہ ابن عباس، عروہ، قتادہ، زہری، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابن اسحاق اور ایک جماعت کہتی ہے۔

اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا (الاستیعاب، ص739 ج2، سبل الہدی، ص 300 ج 2، فضائل الصحابہ الاحمد:272) کہ تمام مردوں اور عورتوں سے پہلے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والی خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہے۔

امام ثعلبی، علامہ سہیلی اور ابن اثیر نے اس پر اتفاق و اجماع نقل کیا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ محققین کے نزدیک یہی متحقق ہے۔ (زرقانی صفحہ 237/1)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ اَبُوْبَکْرٍ (ابن عساکر، ص33 ج42، تاریخ الخلفا، ص13، مسند احمد: 19306، السنۃ لابی بکر بن الخلال: 523، ترمذی: 3734، الذریۃ الطاہرہ دولابی: 31، الثقات لابن حبان: 12577، تاریخ طبری، ص314 ج2)

کہ مردوں میں سب سے پہلے (حضرت) ابوبکر اسلام لائے۔

حضرت ابواروی الدوسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ اَبُوْبَکْرِ نِ الصِّدِیْق (طبقات ابن سعد، ص128 ج3)

کہ سب سے پہلے (حضرت) ابوبکر صدیق اسلام لائے۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا:

اَیُّ النَّاسِ کَانَ اَوَّلُ اِسْلَامًا قَالَ اَبُوْبَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ اَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ حَسَّانٍ

کہ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟ فرمایا ابوبکر صدیق کیا تو نے حسان (بن ثابت) کا کہنا نہیں سنا۔

پھر آپ نے حضرت حسان کے وہ اشعار پڑھے، جن میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کا اول ایمان لانا اور دیگر فضائل بیان کیے۔ (الاستیعاب، ص330 ج1، تاریخ الخلفا، ص13، سبل الہدی والرشاد، ص303 ج2، ابن عساکر، ص40 ج30، الصواعق المحرقہ، ص218 ج1)

اور سہیلی نے کہا ہے کہ حضرت حسان نے حضرت سیدنا ابوبکر کی مدح میں جو اشعار کہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود سماعت فرمائے اور انکار نہیں فرمایا (سبل الہدی والرشاد، ص302 ج2)۔ فرات بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت میمون بن مہران (تابعی) سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک حضرت علی افضل ہیں یا حضرت ابوبکر؟ یہ سنتے ہی آپ کانپ اٹھے یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ سے عصا گر گیا اور سخت ناراض ہو کر فرمایا: مجھے یہ گمان نہ تھا کہ میں ایسے وقت تک زندہ رہوں گا جس میں ان دونوں کا موازنہ کیا جائے گا۔

وہ دونوں ہی سردارِ اسلام تھے۔

قُلْتُ فَاَبُوْبَکْرٍ کَانَ اَوَّلَ اِسْلَامًا اَمْ عَلِیٌّ قَالَ وَاللہِ لَقَدْ اٰمَنَ اَبُوْبَکْرٍ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَمَنَ بُحَیْرَا الرَّاھِبِ حِیْنَ مَرَّ بِہٖ (حلیۃ الاولیاء، ص92ج4، تاریخ الخلفاء، ص13، ابن عساکر، ص43 ج 30، البدایہ والنہایہ، ص348 ج9، الاعلام للزرکلی، ص 102 ج 4، الصواعق المحرقہ، ص 216ج1)

میں نے کہا کیا حضرت ابوبکر پہلے اسلام لائے یا حضرت علی؟ فرمایا، خدا کی قسم! ابوبکر تو بحیرا راہب کے زمانے ہی میں ایمان لا چکے تھے جب کہ اس پر گزرے تھے (حالاں کہ حضرت علی اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے)

علامہ قسطلانی حضرت میمون بن مہران کے اس قول کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بحیرا راہب کے زمانے میں ایمان لا چکے تھے کے متعلق فرماتے ہیں:

فَالْمُرَادُ بِھٰذَا الْاِیْمَانِ الْیَقِیْنُ بِصِدْقِہٖ وَھُوَمَا وَقَّرَ فِیْ قَلْبِہٖ (مواہب اللدنیہ، ص 331 ج 1، الریاض النضرہ، ص87 ج1، زرقانی، ص456 ج1)

پس ایمان سے مراد اس (نبی) کے صدق کا یقین ہے، جو ان کے قلب میں ثابت ہو گیا تھا۔

علامہ سہیلی روض الانف میں فرماتے ہیں کہ توفیق الٰہی کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک چاند مکہ میں اترا اس کی روشنی مکہ کی ہر منزل اور ہر گھر میں پہنچی اور وہ آپ کی گود میں آ گیا۔ آپ نے اس خواب کو بعض اہل کتاب علماء کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے یہ تعبیر دی:

اِنَّ النَّبِیَّ الْمُنْتَظَرَ الَّذِیْ قَدْ اَظَلَّ زَمَانُہٗ یَتَّبِعُہٗ وَیَکُوْنُ اَسْعَدَ النَّاسِ بِہٖ فَلَمَّا دَعَاہُ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْاِسْلَامِ لَمْ یَتَوَقَّفْ

بلاشبہ وہ نبی جن کا انتظار ہے ان کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اور آپ ان کی پیروی کر کے تمام لوگوں سے زیادہ سعادت حاصل کریں گے، تو جب حضور اکرم

(زرقانی علی المواہب، ص 240 ج 1، سبل الہدی والرشاد، ص 303 ج 2، سیرۃ حلبیہ، ص 391 ج 1، خاتم النبیین، ص 296 ج 1)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دعوت اسلام دی تو آپ نے بلاتوقف قبول کی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ میں نے جس کسی کو بھی دعوت اسلام دی، اس نے اس کے قبول کرنے میں کچھ تاخیر اور سوچ بچار ضرور کیا، ایک ابوبکر صدیق ہیں جنہوں نے بلا تاخیر وتوقف کے میری دعوت کو قبول کیا۔ (سیرت ابن ہشام)

چناں چہ حضرت حسان بن ثابت، اخنس، ابراہیم نخعی، ابن ماجشون اور محمد بن منکدر بھی یہی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں:

وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ فِیْ قَوْلِ طَائِفَةٍ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالسِّیَرِ وَالْخَبَرِ (الاستیعاب، ص 229 ج 1، الوافی بالوفیات، ص 164 ج 17)

کہ سیر واحادیث کا علم رکھنے والے ایک اہل علم گروہ کے قول کے مطابق وہ (ابوبکر) ہی تمام مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

حضرت ابن شہاب عبد اللہ بن محمد بن عقیل، قتادہ اور ابواسحق فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالَ عَلِیٌّ (الاستیعاب، ص 471 ج 1، مصنف عبد الرزاق: 9719، ابن ہشام، ص 245 ج 1)

کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام لائے

حضرت محمد بن کعب قرظی سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر ایمان لائے یا حضرت علی؟ فرمایا بلاشبہ ہمارے نزدیک حضرت علی سب سے پہلے ایمان لائے مگر لوگوں میں اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہوا۔

اِنَّ عَلِیًّا اَخْفٰی اِسْلَامَهٗ مِنْ اَبِیْ طَالِبٍ وَ اَسْلَمَ اَبُوْبَکْرٍ فَاَظْهَرَ اِسْلَامَهٗ

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کو اپنے باپ ابو طالب سے چھپایا اور

(الاستیعاب، ص 1 7 4 ج 2، اسد الغابہ: 3789، تہذیب الکمال، ص 481 ج 20، تاریخ الخمیس، ص 286 ج 1، زرقانی ص 449 ج 1، العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین، ص 270 ج 5)

حضرت ابوکر رضی اللہ عنہ نے اسلام لاتے ہی ظاہر فرما دیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، اے امیر المومنین! مہاجر وانصار نے کس طرح حضرت ابوبکر کی بیعت پر سبقت کی، حالاں کہ آپ کو اولیت اسلام حاصل ہے؟

فرمایا:

وَيۡلَكَ اَنَّ اَبَابَكۡرٍ سَبَقَنِىۡ اِلٰى اَرۡبَعٍ لَمۡ اُوۡتَهُنَّ سَبَقَنِىۡ اِلٰى اِفۡشَآءِ الۡاِسۡلَامِ وَقَدَّمِ الۡهِجۡرَةِ وَمُصَاحَبَتِهٖ فِى الۡغَارِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاَنَا يَوۡمَئِذٍ بِالشِّعۡبِ يُظۡهِرُ اِسۡلَامَهٗ وَاُخۡفِيۡهِ (زرقانی علی المواہب، ص 244 ج 1، سبل الہدی، ص 303، ج 2، کنز العمال: 36150، الریاض النضرہ، ص 89 ج 1

تیرا برا ہو، بلاشبہ ابوبکر چار باتوں میں مجھ سے آگے بڑھ گئے ہیں جو مجھ کو نہیں دی گئیں۔ (ایک تو) انہوں نے مجھ سے پہلے اظہار اسلام کیا (دوسرے) ہجرت میں مجھ سے مقدم رہے (تیسرے) غار ثور میں (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) مصاحبت حاصل کی (چوتھے) نماز قائم کی جب کہ میں شعب (بنی ہاشم) میں تھا وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے تھے اور میں (اپنا اسلام) چھپاتا تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ نے حضرت امیر معاویہ کو ایک مکتوب میں چند اشعار لکھے، ان میں سے ایک یہ ہے:

سَبَقۡتُكُمۡ اِلَى الۡاِسلَامِ طُرًّا صَغِيۡرًا مَّا بَلَغۡتُ اَوَ انَ حُلۡمِىۡ

میں نے اسلام کی طرف تم لوگوں سے سبقت کی تھی۔ حالاں کہ میں اس وقت کم سن تھا

اور بلوغ کو نہیں پہنچا تھا (زرقانی علے المواہب، ص 241 ج 1، سبل الہدی، ص 301 ج 11، البدایہ والنہایہ، ص 10 ج 8، الوافی بالوفیات، ص 184 ج 21، کنز العمال: 36366، ابن عساکر، ص 521 ج 42، معجم الادباء ارشاد الاریب، ص 1812 ج 4، اکمل تہذیب الکمال، ص 339 ج 9، سبل الہدی، ص 30 ج 11، الصواعق المحرقہ، ص 387 ج 2، تفسیر مظہری، ص 166 ج 9، ص 286 ج 4)

چناں چہ حضرت سلمان فارسی، ابوذر، مقداد، خباب، جابر، ابوسعید خدری اور زید بن ارقم یہ سب کے سب فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ وَفَضَّلَہٗ ھٰؤُلَآءِ عَلٰی غَیْرِہٖ۔ (استیعاب، ص 47 ج 1، اسد الغابہ: 3789، تہذیب الکمال، ص 480 ج 20)

بلاشبہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے اور ان سب نے آپ کو اسی وجہ سے دوسروں پر فضیلت دی ہے۔

امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تطبیق فرمائی ہے:

اَنَّ اَبَابَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ وَعَلِیٌّ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الصِّبْیَانِ وَ خَدِیْجَۃَ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَتْ مِنَ النِّسَآءِ (تاریخ الخلفاء، ص 13، تفسیر القرطبی، ص 237 ج 8، تفسیر مظہری، ص 286 ج 4، تفسیر ثعلبی، ص 85 ج 5، تفسیر البغوی، ص 381 ج 2، تفسیر کبیر، ص 128 ج 6، تفسیر خازن، ص 399 ج 2، السراج المنیر، ص 465 ج 1، فتح البیان، ص 384 ج 5، اکمال تہذیب الکمال، ص 341 ج 9، اللباب، ص 186 ج 10، الاصابہ، ص 84 ج 1، تہذیب الاسماء واللغات، ص 185 ج 1، مواہب لدنیہ، ص 132 ج 1، کنوز الذہب، ص 84 ج 2، فتح الرحمٰن،

کہ مردوں میں سب سے اول ابوبکر صدیق، لڑکوں میں سے اول علی المرتضیٰ اور عورتوں میں سب سے اول خدیجۃ الکبریٰ ایمان لائیں۔ رضی اللہ عنہم

ص 218 ج 3، الصواعق المحرقہ، ص 234
ج 1، العقد الثمین، ص 270 ج 5، شرف
المصطفیٰ، ص 25 ج 1، منتھی السئول، ص 497
ج 1، نہایۃ الایجاز، ص 104 ج 1، نزہۃ
المجالس، ص 147 ج 2، بہجۃ المحافل، ص 74
ج 1، سلم الوصول، ص 477 ج 5، الاساس فی
السنۃ وفقھا: 1518،62)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قبول اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی فطرۃً نہایت پاکیزہ اخلاق بلند کردار اور عالی مرتبت تھے، آپ کا شمار رؤسائے قریش میں ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاص دوستوں میں سے تھے اور بچپن ہی سے شریک صحبت رہے۔

اسی طرح حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں، زمانہ جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ پندرہ برس سے بحیثیت حرم محترم شریک صحبت تھیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جن کو بچپن ہی سے آپ اپنے پاس لے آئے تھے اور اپنی آغوش تربیت میں پالا تھا۔

حضرت صدیق اکبر اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا دونوں ایک طویل عرصہ شریک صحبت رہ کر جوانی کی پُر بہار زندگی کے ہر گوشہ کا گہری نظر سے مطالعہ کر چکے تھے۔ بلاشبہ قریبی دوست اور رفیقہ حیات سے عیب وصواب نہیں چھپ سکتا۔

ان دونوں کا آپ کے پاکیزہ اخلاق بلند کردار کی شہادت دیتے ہوئے بلا تاخیر و توقف ایمان لانا آپ کی عظمت وشان اور صداقت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

حضرت علی کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما ایمان لائے، ان کو زمانہ جاہلیت میں حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے چار سو درہم کے عوض خرید کر حضرت خدیجہ کو دے دیا تھا۔ حضرت خدیجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہبہ کر دیا آپ نے ان کو آزاد کر کے

متبنّٰی بنالیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام لاتے ہی اپنے حلقہ اثر میں تبلیغ اسلام شروع کر دی۔ آپ کی ترغیب و ہدایت سے حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن العوام عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ جیسے جلیل القدر حضرات ایمان لائے۔ اس کے بعد چپکے چپکے یہ چرچا اور لوگوں میں بھی پھیلا اور حضرت سعید بن زید، ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراح، ابوذر غفاری، ابوسلمہ بن عبداللہ، ارقم بن ابی ارقم، عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی قدامہ و عبداللہ، عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود، خباب بن الارت، خالد بن سعید، صہیب رومی اور عامر بن فہیرہ اسلام لاکر سابقین اولین کے زمرے میں شامل ہوئے۔ رضی اللہ عنہم۔

اَلذِّکْرُ الْحَسِیْنُ فِیْ سِیْرَۃِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)

کا حصہ اول ختم ہوا۔ سیرت طیبہ کا بقیہ مضمون حصے وار ان شاء اللہ تعالیٰ پیش کیا جائے گا۔ ناظرین کرام سے التماس ہے کہ وہ اس ناچیز کے لئے دعائے خیر فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو توفیق عطا فرمائے کہ میں اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَآ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ رَحْمَۃٍ لِّلْعَالَمِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ۔

ناچیز محمد شفیع الخطیب عفی اللہ عنہ اوکاڑوی

حال کراچی پاکستان

فہرست مضامین حصہ دوم

اہل عرب 267
شرک وبُت پرستی 268
بُت پرستی کی ابتدا 274
بتوں کا حصہ 279
اللہ کے لیے اولاد 280
اللہ کے سسرال 282
فرشتوں کی پوجا 283
چاند سورج کی پرستش 284
ستارہ پرستی 284
حیات دنیا وآخرت 286
انکار حیات وآخرت 288
جزا وسزا 293
مومنین صالحین 304
عالم برزخ 311
ثبوت برزخ 311
شبہات اور جوابات 332
اوہام پرستی 340
ازلام 342
غول 344
طلب بارش 344
سانپ نہ مارنا 345
سفری گرہ 345
رسوم بد 346
زنا 348
حائضہ 350
تعدد نکاح 351
تعدد ازواج 352
بیوہ عورتیں 355
موطوأۃ الاب سے نکاح 356
جمع بین الاختین 357
نکاح شغار 357
طریقہ عدت 358
لونڈیوں کی کمائی 359
طریقہ نکاح 360

دیوث	360
متعہ	360
ماتم	362
برے نام رکھنا	365
جنگ وجدل	365
حرب الفجار	365
بازار عکاظ	366
غرور وتکبر	374
متکبرین کا انجام	377
شراب وجوا	381
شراب کیا ہے	382
کیا شراب حرام ہے	383
احادیث مبارکہ	389

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جس دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی وہ دور انتہائی تاریک دور تھا۔ کفر و شرک، ظلم وستم، جبر واستبداد، وحشت و بربریت، بداخلاقی و بدنظمی کے تاریک بادل دنیائے انسانیت پر کچھ اس طرح غالب و مسلط ہو گئے تھے کہ پوری دنیا کی دنیا ایمان وتوحید، عدل و انصاف، اخوت ومساوات، رشد وہدایت، پاکبازی و پارسائی کے نور سے محروم ہوگئی تھی۔

ملت ابراہیمی تعلیم ابراہیمی کو بھلا چکی تھی۔ وہ افراد جن کو بت شکنی کا سبق دیا گیا تھا بت فروش اور بت پرست بن چکے تھے۔ یہود و نصاریٰ تورات وانجیل کے احکام میں تحریف و تغیر کر کے اہوائے نفسانی کا شکار ہو چکے تھے۔ غرض ہر جگہ ظلم وستم، کشت وخون، حرص وطمع، بدکرداری و بداخلاقی کی گرم بازاری تھی۔ گویا یہ دنیا انسانوں کی بجائے درندوں کا بھٹ بن چکی تھی۔ اگر کہیں کسی کے دل میں طلب حق کا جذبہ اور تڑپ تھی بھی تو وہ اپنے اس حصول مقصد میں حیران وسرگردان تھا مگر اس کو کہیں حقانیت کا نور نظر نہیں آتا تھا۔

اہل عرب

اس میں شبہ نہیں کہ اہل عرب عرصہ دراز سے ایک خدائے برتر پر یقین وایمان رکھتے چلے آرہے تھے اور وہ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ ساری کائنات کا خالق وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چناں چہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ (عنکبوت:61)

اور اگر تم ان (کافروں) سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا اور چاند اور سورج کو کس نے مطیع کر رکھا ہے؟ تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔

قُلۡ مَنۡۢ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ یُجِیۡرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیۡہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ

فرما دیجئے بھلا وہ کون ہے جس کے قبضہ و قدرت میں ہر چیز ہے جو پناہ دیتا ہے اور

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۸﴾ سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ (مومنون)

پناہ نہیں دیا جاتا اگر تم جانتے ہو؟ تو کہیں گے اللہ ہی ہے!

قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اَمَّنۡ یَّمۡلِکُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ مَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ یُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَ مَنۡ یُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ اللّٰہُ

(یونس:31)

فرما دیجئے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے یا وہ کون ہے جس کی ملک میں سمع و بصارت ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ تو کہیں گے اللہ!

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِہَا لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ (عنکبوت:63)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ وہ کون ہے جو آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ساتھ زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے؟ تو کہیں گے اللہ!

شرک و بت پرستی

لیکن بد قسمتی سے ان کا یہ عقیدہ توحید خالص نہ رہ سکا۔ اس میں شرک داخل ہو گیا اور انہوں نے ہزاروں اور خدا بنا لئے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ان تمام خداؤں کو وہ چھوٹے خدا اور اللہ تعالیٰ کو بڑا خدا قرار دیتے تھے اور ان چھوٹے خداؤں کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ و وسیلہ سمجھتے تھے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی

(زمر:3)

او وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے مقابل بتوں کو (اپنا) والی و (معبود) بنا رکھا ہے (وہ کہتے ہیں) ہم تو ان کو اس واسطے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔(1)

1۔ اس آیت کے لفظ نَعۡبُدُہُمۡ سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ وہ ان بتوں کو صرف ذریعہ و وسیلہ ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ معبود بھی سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود سمجھنا صریحاً شرک ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلۡ اَوَ لَوۡ كَانُوۡا لَا يَمۡلِكُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ (زمر)

کیا انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ کے مقابل کچھ سفارشی؟ تم ان سے فرماؤ اگرچہ وہ کسی چیز کے بھی مالک نہ ہوں اور نہ انہیں عقل ہو؟

وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ (یونس:18)

اور وہ لوگ اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔

یعنی جو لا یعقل بے اختیار پتھروں کے بت ہیں وہ شفیع کیسے ہو سکتے ہیں؟ شفیع تو وہ ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو۔ پھر وہ شفاعت بھی ایمان والوں کی کرے گا۔ تو نہ بتوں کو اذن شفاعت اور نہ تم مومن! پھر وہ تمہارے شفیع کیسے؟
لیکن رفتہ رفتہ ان چھوٹے خداؤں کی عقیدت و محبت اس قدر ان پر غالب ہوگئی کہ پھر چھوٹے بڑے کا امتیاز بھی ختم ہو کر رہ گیا اور انہوں نے ان چھوٹوں کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر و شریک ٹھہرا دیا چناں چہ قیامت کے دن کفار انہی بتوں سے کہیں گے:

تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍۙ ﴿۹۷﴾ اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۹۸﴾ (شعراء)

خدا کی قسم اس وقت ہم کھلی گمراہی میں تھے جب کہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے۔

اب ان کی توہین ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کی توہین سے کم نہ تھی اور وہ کسی حال میں بھی ان کے حق میں گستاخی کا کلمہ سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ بے حد ان کا ادب کرتے،

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) ف ''بعض لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے ان مسلمانوں کو بھی مشرک بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو انبیاء اولیاء کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور یہ سراسر غلط ہے کیوں کہ کوئی مسلمان انبیاء اولیاء کو معبود نہیں سمجھتا افسوس کہ وہ لوگ نَعۡبُدُهُمۡ کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے اور یہ کیوں نہیں سوچتے کہ بتوں کا ذریعہ و وسیلہ ہونا بے دلیل و بے سند ہے اور ان میں ذریعہ و وسیلہ ہونے کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے انبیاء اولیاء کا ذریعہ ہونا بادلیل و باسند ہے اور انہیں اس کی صلاحتیں ودیعت فرمائی جاتی ہیں۔

ان کو نفع و نقصان کے مالک اور اپنی تمام حاجتوں کے حاجت روا سمجھتے اور ان کے لئے سجدے، نذر و نیاز اور قربانیاں وغیرہ کرتے غرض کہ پوجا و پرستش کے جتنے بھی طریقے اللہ تعالیٰ کے لئے خاص تھے وہ ان خود ساختہ معبودوں کے لئے مخصوص ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ اب ایک خدا تبارک و تعالیٰ کا ذکر تک سننا ان کو گوارا نہ تھا۔

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ (زمر)

اور جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل تنگ ہوتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب اللہ کے سوا ان کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں

وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ (الاسراء)

اور جب تم اپنے رب کا ذکر کرتے ہو قرآن میں (کہ وہ) اکیلا ہے تو کفار اپنی پیٹھ پھیر کر بدکتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان کے عقائد و خیالات باطلہ کا ذکر اور رد فرمایا چناں چہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ (حج)

بے شک وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے اگرچہ سب کے سب اکٹھے ہو جائیں اور اگر خود مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے کس قدر کمزور ہے طالب اور مطلوب!

مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے تو جن کے عجز کا یہ حال ہے کہ سب کے سب مل کر ایک مکھی تک نہ بنا سکیں بلکہ خود مکھی اگر ان کے چڑھاوے وغیرہ سے کچھ لے جائے تو وہ

چھڑا نہ سکیں تو ایسوں کو معبود سمجھنا اور خدا تعالیٰ جو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے کے برابر سمجھنا کس قدر حماقت ہے۔

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ (فرقان)

اور لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود ٹھہرا لئے ہیں (حالاں کہ) وہ کچھ بھی نہ بنا سکتے اور وہ تو خود بنائے گئے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے نفع ونقصان کے مالک ہیں اور نہ ہی وہ موت وحیات اور نشور کے مالک۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ ﴿۲۲﴾ (سبا)

فرما دیجئے! پکارو ان کو جن کو تم اللہ کے سوا (اپنا معبود) سمجھے بیٹھے ہو وہ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں اور نہ ان کا ان دونوں (کی بناوٹ وغیرہ) میں کوئی حصہ ہے اور نہ اس کا ان میں سے کوئی مددگار۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ (احقاف:4)

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو وہ جن کو تم اللہ کے مقابل پوجتے ہو مجھے دکھاؤ تو انہوں نے زمین میں کیا بنایا؟ یا آسمانوں (کی بناوٹ) میں ان کا کوئی حصہ ہے؟

کس قدر حیرت وتعجب کا مقام ہے کہ ایسے عاجز وبے قدرت جن کا وجود خود گھڑ کر بنایا گیا ہے اور جو نہ تو ایک ذرہ کے پیدا کرنے پر قادر ہیں اور نہ مالک اور نہ کسی کو نفع ونقصان پہنچا سکیں، نہ مارنا، جلانا ان کے اختیار میں ہے ان کو اس خدا تعالیٰ کے برابر وہمسر ٹھہرا لیا گیا ہے جس نے آسمانوں زمینوں اور تمام کائنات کو پیدا فرمایا۔

وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ

اور وہ جن کو تم اللہ کے مقابل پوجتے ہو وہ

مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ ﴿۱۳﴾ (فاطر) کھجور کی گٹھلی کے چھلکے تک کے مالک نہیں۔

یعنی جن کو تم معبود قرار دے کر پوج رہے ہو وہ بے چارے تو کسی حقیر سے حقیر چیز کے بھی مالک نہیں پھر وہ لائق عبادت کیسے ہو سکتے ہیں عبادت کے لائق تو وہ سچا خدا ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۚۖ اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا ؕ وَ اِنَّ اَوۡھَنَ الۡبُیُوۡتِ لَبَیۡتُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ (عنکبوت) ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا بتوں کو (اپنا) مددگار بنالیا ہے بالکل مکڑی کی سی ہے کہ اس نے جالے کا گھر بنایا اور بے شک سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا ہے اگر ہوتے وہ جانتے۔

یعنی جس طرح مکڑی گھر تو بنا لیتی ہے مگر وہ گھر ایسا ہوتا ہے کہ نہ سردی و گرمی سے بچائے اور نہ بارش وغیرہ سے، اسی طرح بت پرستوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا والی و مددگار بنایا جو ان کو کسی بھی تکلیف و مصیبت سے نہیں بچا سکتے۔

وَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡفُسَھُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾ (اعراف) اور وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری مدد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتے

وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَالَا یَنۡفَعُھُمۡ وَلَا یَضُرُّھُمۡ (فرقان:55) اور وہ لوگ اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡھُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَھُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِھَآ ۫ اَمۡ لَھُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بے شک وہ جن کو تم اللہ کے مقابل پوجتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں بھلا پکارو تو ان کو پھر چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں گے اگر تم سچے ہو؟ کیا ان کے پاؤں ہیں

بِهَآ اَمۡ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ يُّبۡصِرُوۡنَ بِهَآ اَمۡ لَهُمۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ كِيۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۱۹۵﴾
(اعراف)

جن کے ساتھ وہ چلتے ہوں؟ یا ان کے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتے ہوں، یا ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہوں؟ یا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہوں؟ فرما دیجئے، (اے مشرکو) تم اپنے شریکوں کو پکارو پھر میرے خلاف مکروفریب (یا جو برائی کر سکتے ہو) کرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

یعنی جن بتوں کے ظاہری ہاتھ، پاؤں، کان آنکھ وغیرہ سب کچھ تم بناتے ہو اور پھر ان کو معبود قرار دے کر پوجتے ہو وہ تو تمہاری مثل مملوک ومخلوق ہیں۔ یہ تو بتاؤ کہ کیا وہ ان اعضاء سے کوئی کام لیتے ہیں؟ نہیں! کیوں کہ ان میں وہ قوتیں ہی نہیں ہیں جن سے کام لیا جاتا ہے پھر ان کو معبود قرار دینا کیسی بے وقوفی ہے اور پھر جو تم کہتے ہو کہ جو ان کی بے ادبی اور مخالفت کرے اس پر یہ طرح طرح کی آفتیں نازل کر دیتے ہیں تو دیکھو ہمارا حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علم توحید بلند کر کے ان کی مخالفت کر رہا ہے تو تم اپنے تمام شرکاء کو پکارو اور ان سے کہو کہ بلا مہلت جو کچھ وہ کر سکتے ہیں کر لیں، پھر ہم دیکھیں کہ وہ ہمارے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ يَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَنۡ لَّا يَسۡتَجِيۡبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۵﴾
(احقاف)

اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے، جو اللہ کے مقابل ایسوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار نہ سنیں اور نہ انہیں ان کی پکار کی خبر تک ہو۔

یعنی یہ پتھر کی مورتیاں کہ اگر قیامت تک بھی ان کو پکارتے رہو تو وہ نہیں سنیں گے۔ کیوں کہ ان میں سننے کی صفت وصلاحیت ہی نہیں ہے، بلکہ تمہارے پکارنے سے بالکل

بے خبر ہیں پھر ان کو پکارنا کس قدر افسوس ناک ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۲۱﴾ (النحل)

اور وہ جن کی (مشرک) عبادت کرتے ہیں، اللہ کو چھوڑ کر وہ کچھ بھی نہیں بنا سکتے اور وہ تو خود بنائے ہوئے ہیں بے جان مردے ہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

یعنی یہ محض بے اختیار، بے جان اور بے شعور جمادات جن کو تم نے خود بنایا ہے کس طرح لائق عبادت ہو سکتے ہیں ان آیات سے صراحتہً ثابت ہوا کہ کفار و مشرکین عرب اپنے خود ساختہ بتوں کو معبود اور خدا تعالیٰ کا شریک سمجھ کر پوجتے تھے اور ان کو نفع و نقصان کے مالک، جمیع حاجتوں کے حاجت روا اور مددگار و مشکل کشا سمجھ کر پکارتے تھے جس کی بڑے معقول طریقہ سے تردید فرمائی گئی۔

بت پرستی کی ابتدا

حضرت محمد بن کعب القرظی روایت فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے پانچ عابد و زاہد متقی پرہیزگار بزرگ تھے۔ ان کے نام وَدّ، سُوَاع، یَغُوْث، یَعُوْق اور نَسْر تھے۔ لوگ ان کو بہت چاہتے اور ان کے بڑے معتقد تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین بہت بے چین تھے اور ان کو یاد کر کے بہت روتے تھے۔ ایک دن ابلیس لعین نے انسانی شکل میں ان کے پاس آ کر کہا روتے کیوں ہو؟ میں تمہارے لئے اطمینان کا سامان کر دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کیسے؟ کہنے لگا میں ان کی تصویریں بنا دیتا ہوں تم ان کو دیکھو گے تو ایک تو تمہیں اطمینان ہو گا اور دوسرا ان کی عبادت، زہد و تقویٰ یاد آئے گا تو اس طرح تم بھی عبادت اور زہد و تقویٰ میں مستعد رہو گے۔ اس وقت تصویر بنانا حرام نہ تھا۔ انہوں نے اس کو بہت پسند کیا اس نے ان کی تصویریں بنا کر کھڑی کر دیں۔ کچھ مدت کے بعد اس نے لوگوں سے کہا کہ تمہارے باپ دادے ان کی پرستش

کرتے تھے اوران سے فیض وبرکت حاصل کیا کرتے تھے۔تم بھی ان کی پرستش کیا کرو۔ جاہلوں نے ان کی پوجاوپرستش شروع کردی۔چناں چہ ان کی باقاعدہ پرستش ہونےلگی۔

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے لوگوں کواس شرک سے منع فرمایااورتوحید کی دعوت دی توان مشرکوں کے ذی اثر لوگوں نے عوام سے کہا:

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴿۲۳﴾ (نوح)	اورانہوں نے کہا ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود، اورسواع اور یغوث اور یعوق اورنسر کوچھوڑنا۔

یعنی ان بتوں کی پوجاوپرستش پر جمے رہنااورنوح (علیہ السلام) کے بہکانے میں آکران کو چھوڑ نہ دینا۔جب نوح علیہ السلام کی بددعا سے طوفان آیاتو یہ بت مٹی کے نیچے دبے رہے۔پھر ابلیس لعین نے نکال کراہل عرب کودیئے اوروہ ان کوپوجنے لگے چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صَارَتِ الْاَوْثَانُ الَّتِیْ كَانَتْ فِیْ قَوْمِ نُوْحٍ فِی الْعَرَبِ بَعْدُ اَمَّا وَدٌّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ وَاَمَّا سُوَاعٌ كَانَتْ لِهُذَيْلٍ وَاَمَّا يَغُوْثُ فَكَانَتْ لِمُرَادٍ ثُمَّ لِبَنِیْ غُطَيْفٍ بِالْجَوْفِ عِنْدَ سَبَاءٍ وَاَمَّا يَعُوْقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ وَاَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِاٰلِ ذِی الْكَلَاعِ (بخاری شریف:4920)	وہ بت جوقوم نوح میں تھے وہی پھراہل عرب میں آ گئے تو ود بت کوقبیلہ کلب دومۃ الجندل میں پوجتا تھا اورسواع کو قبیلہ ہذیل اوریغوث کوقبیلہ مراد پھرقبیلہ بنوغطیف جوشہرسبا کےقریب جوف میں تھا اوریعوق کوقبیلہ ہمدان اورنسرکوقبیلہ حمیر آل ذی الکلاع پوجتے تھے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مکہ مکرمہ کا رہنے والا ایک شخص عَمر و بن لُحی (جواس وقت کعبہ کا متولی تھا) بسلسلہ تجارت ملک شام میں گیا جب بلقاء کےشہرمآب میں پہنچا تو وہاں ان دنوں عمالیق آباد تھے جوعملیق بن لاوزبن سام بن نوح (علیہ السلام) کی اولاد تھے۔انہیں دیکھا کہ وہ بتوں کی پوجاکرتے ہیں توان سے پوچھاتم ان بتوں کی پوجاکیوں کرتے ہو؟

انہوں نے کہا یہ ہمارے مددگار اور حاجت روا ہیں یہ ہمیں لڑائیوں میں فتح دیتے ہیں جب قحط پڑ جاتا ہے تو ہم ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو یہ بارش برساتے ہیں۔ عمرو نے کہا ان بتوں میں سے اگر ایک بت تم لوگ مجھے دے دو۔ تو میں اس کو عرب میں لے جاؤں تا کہ وہ بھی اس کی پوجا کریں اور اس سے فیض یاب ہوں انہوں نے اس کو ایک بت دیا جس کا نام تھا ''ہبل'' یہ اس کو مکہ مکرمہ لے آیا اور ایک مقام پر اس کو نصب کر کے لوگوں سے کہا کہ اس کی تعظیم اور پرستش کرو۔ لوگ اس کی پوجا پاٹ کرنے لگ گئے حرم کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا۔ اس لئے اس کو دیکھ کر آہستہ آہستہ عرب میں بت پرستی کا رواج ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثم بن جون خزاعی سے فرمایا:

يَا أَكْثَمُ رَأَيْتُ عَمرَو بْنَ لُحَيِّ بْنِ قَمْعَةَ بْنِ خِنْدِفَ يَجُرُّ قَصَبَهُ فِي النَّارِ فَمَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَشْبَهَ بِرَجُلٍ مِنْكَ بِهِ وَلَابِكَ مِنْهُ

اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو نار دوزخ میں دیکھا کہ وہ اپنی ٹانگوں کی ہڈیاں یا اپنی آنتیں کھینچے لیے جا رہا ہے اور میں نے کسی شخص کو تم سے زیادہ اس کے مشابہ اور اس کو تم سے مشابہ نہیں دیکھا۔

حضرت اکثم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا اس کے مشابہ ہونا شاید مجھے نقصان پہنچائے؟ فرمایا:

لَا إِنَّكَ مُؤْمِنٌ وَهُوَ كَافِرٌ إِنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ غَيَّرَ دِيْنَ إِسْمٰعِيْلَ فَنَصَبَ الْأَوْثَانَ وَبَحَرَ الْبَحِيْرَةَ وَسَيَّبَ السَّائِبَةَ وَوَصَلَ الْوَصِيْلَةَ وَحَمَى الْحَامِي (ابن ہشام، ص76 ج1، کنز العمال: 34097، ابن ابی

نہیں! کیوں کہ تم مومن ہو اور وہ کافر تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے دین اسمٰعیل کو بدل دیا اور مورتیاں نصب کیں اور بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی (کے طریقے) رائج کیے۔

شیبہ:35740، المستدرک:8789)

ان دونوں روایتوں میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ عمرو بن لحی کے بت لانے کے بعد جب عرب میں بت پرستی کا رواج ہونے لگا تو ابلیس نے بھی قوم نوح کے بت الگ الگ قبیلوں کو دے دیئے۔

ان بتوں کے علاوہ بھی چند مشہور اور بڑے بت تھے جو بعض قبیلوں کے معبود تھے، چناں چہ ''لات'' طائف میں قبیلہ ثقیف کا بت تھا۔ ''منات'' مدینہ منورہ میں قبیلہ اوس، خزرج اور غسان کا بت تھا۔ ''عزیٰ'' مکہ مکرمہ میں قریش و کنانہ کا بت تھا۔ سب سے بڑا بت وہی ''ہبل'' سمجھا جاتا تھا۔ جس کو عمرو بن لحی شام سے لایا اس کو مشرکوں نے کعبہ معظّمہ کی چھت پر نصب کر دیا تھا اور قریش لڑائیوں کے موقعوں پر ان کی جے پکارتے تھے۔ چناں چہ جنگ احد میں مسلمانوں کی ہزیمت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ ایک پہاڑی پر تھے۔ ابوسفیان نے قریب کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کیا یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں؟ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کوئی جواب نہ دے۔ پھر ابوسفیان نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا نام لے کر پکارا کہ وہ ہیں؟ جب کوئی جواب نہ پایا۔ تو پکار کر کہنے لگا سب مارے گئے۔ اس پر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے ضبط نہ ہوسکا اور پکار اٹھے او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا ''اعل ھبل'' یعنی اے ہبل تو اونچا رہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے فرمایا تم کہو ''اللہ اعلی و اجل'' اللہ سب سے بلند اور بڑا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: ''لنا العزی ولاعزی لکم'' ہمارے لئے عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ'' اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ (بخاری شریف:3039)

اساف اور نائلہ

یہ دو بت بھی ان مشہور بتوں میں سے تھے جن کی عام پوجا ہوتی تھی۔ ان کے متعلق معتبر کتب تفاسیر میں ہے کہ اساف ایک مرد تھا اور نائلہ ایک عورت تھی ان دونوں میں آشنائی

تھی۔ جاہلیت کے رسم ورواج کے مطابق یہ دونوں بیت اللہ شریف کے طواف کے لئے گئے تو وہاں انہوں نے بدکاری کی۔ اسی وقت قہر الٰہی نازل ہوا اور یہ دونوں پتھر ہو گئے۔ مکہ مکرمہ کے چند سمجھدار افراد نے اساف کو صفا پہاڑی پر اور نائلہ کو مروہ پہاڑی پر رکھ دیا تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور آئندہ بیت اللہ شریف میں کوئی ایسی نازیبا حرکت نہ ہو لیکن کچھ عرصہ بعد جاہلوں نے ان کی پوجا و پرستش شروع کر دی۔

چناں چہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے مولیٰ نے بیان کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں میرے گھر والوں نے مجھے ایک پیالہ میں دودھ اور مکھن دے کر اپنے معبودوں اساف و نائلہ پر چڑھانے کے لئے بھیجا راستہ میں میرے دل نے چاہا کہ اسے کھا پی لوں۔ مگر ان بتوں کے خوف کی وجہ سے نہ کھایا اور ان بتوں کے پاس جا کر رکھ دیا۔

فَجَاءَ كَلْبٌ فَاَكَلَ الزُّبْدَ وَشَرِبَ اللَّبَنَ ثُمَّ بَالَ عَلَى الصَّنَمِ (دارمی شریف:3)

تو ایک کتا آیا اور اس نے وہ مکھن کھایا اور دودھ پیا پھر اس نے اس بت پر پیشاب کیا (اور چلا گیا)۔

اس سے بڑھ کر جہالت اور حماقت اور کیا ہوگی کہ بیت اللہ شریف جس کے پاک وصاف رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام سے عہد لیا تھا اس مقدس گھر میں بدکاری کرنے کی وجہ سے جو غضب خداوندی کا شکار ہو کر پتھر بن گئے تھے ان کو معبود بنالیا گیا۔

حضرت ہارون بن معاویہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ الرَّجُلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذَا سَافَرَ حَمَلَ مَعَهُ اَرْبَعَةَ اَحْجَارٍ ثَلَاثَةٌ لِقِدْرِهِ وَ الرَّابِعُ يَعْبُدُهُ وَيُرَبِّي كَلْبَهُ وَيَقْتُلُ وَلَدَهُ (دارمی شریف:3)

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی آدمی سفر کرتا تو اپنے ساتھ چار پتھر اٹھا لیتا۔ تین سے استنجا کرتا اور چوتھے کو پوجتا۔ اپنے کتے کو پالتا اور اپنی اولاد کو قتل کرتا۔

حضرت ابورجاء فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذَا اَصَبْنَا حَجَرًا حَسَنًا

زمانہ جاہلیت میں جب ہمیں کوئی اچھا

عَبَدْنَاهُ وَاِنْ لَمْ نُصِبْ حَجَرًا جَمَعْنَا كُثْبَةً مِنْ رَمْلٍ ثُمَّ جِئْنَا بِالنَّاقَةِ الصَّفِيِّ فَتَفَاجُّ عَلَيْهَا فَنَحْلُبُهَا عَلَى الْكُثْبَةِ حَتّٰى نَرْوِيَهَا ثُمَّ نَعْبُدُ تِلْكَ الْكُثْبَةَ مَا اَقَمْنَا بِذٰلِكَ الْمَكَانِ (دارمی شریف:4)

پتھر مل جاتا تو ہم اسکو پوجنے لگ جاتے اور اگر کوئی اچھا پتھر نہ ملتا تو ریت کا ڈھیر جمع کرتے پھر ایک اونٹنی بہت دودھ دینے والی لاتے اور اس کی ٹانگیں کشادہ کر کے اس ریت کے ڈھیر پر دوہتے، یہاں تک کہ اس کو تر کرتے پھر اس کو پوجتے رہتے۔ جب تک اس جگہ ٹھہرے رہتے۔

بتوں کا حصہ

مشرکین عرب کی جہالت وحماقت انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ وہ صرف بتوں اور پتھروں کی پوجا و پرستش ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے اشجار واثمار، کھیتوں اور جانوروں میں اللہ تعالیٰ کے برابر بتوں کا حصہ بھی مقرر کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا حصہ تو غریبوں، مسکینوں اور مہمانوں پر خرچ کرتے اور بتوں کا حصہ ان کے پجاریوں اور بت خانہ کے خادموں پر صرف کرتے۔ اگر چہ یہ حماقت بھی کچھ کم نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے اس کے ساتھ بے جان بتوں کو شریک کر کے اس کے حصہ کے ساتھ بتوں کا حصہ بھی مقرر کیا جائے لیکن اس سے بھی بڑھ کر حماقت یہ تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ کا پھل زیادہ ہوتا یا جانور موٹا ہوتا تو اسے بتوں کے نام منتقل کر دیتے اور اگر بتوں کا حصہ اچھا ہوتا تو اسے اللہ تعالیٰ کے نام منتقل نہ کرتے گویا اللہ تعالیٰ کے لئے ردی چیز اور بتوں کے لئے بہترین چیز۔ نیز اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ کا مال ضائع ہو جاتا یا جانور مر جاتا تو اس کی پرواہ نہ کرتے۔ لیکن اگر بتوں کے حصہ کا مال ضائع ہو جاتا یا جانور مر جاتا تو اللہ تعالیٰ کے حصہ سے نکال کر بتوں کا حصہ پورا کر دیتے۔ چناں چہ اس آیت میں ان کی اس جہالت وحماقت کی خبر کر دی گئی ہے۔ فرمایا:

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ

اور ٹھہرا رکھا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے جو وہ پیدا فرماتا ہے فصلوں

وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ (الانعام)

اور مویشیوں سے مقررہ حصہ تو کہتے ہیں یہ اللہ کے لئے ہے۔ ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے ہے تو وہ (حصہ) جو ان کے شریکوں کے لئے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو (حصہ) اللہ کے لئے ہے تو وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اللہ کے لئے اولاد (معاذ اللہ)

کفار و مشرکین کے عقائد و خیالات باطلہ میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے اولاد بھی مانتے تھے۔ چناں چہ فرمایا:

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ (صافات)

سنتے ہو بے شک وہ اپنے بہتان سے کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (زخرف)

اور انہوں نے اللہ کے لئے اس کے بندوں (یعنی فرشتوں) میں سے جز ٹھہرایا۔ بے شک انسان بڑا صریح ناشکرا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ (النجم)

بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں (کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر ان) کے زنانے سے نام رکھتے ہیں۔

وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ

اور اُن (مشرکوں) نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں (اللہ کی) لڑکیاں قرار دیا

(زخرف:19) کیا ان کی پیدائش کے وقت یہ حاضر تھے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ (صافات)

تو ان سے پوچھو کیا تمہارے رب کے لئے بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے؟ یا ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے؟

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ (النجم)

تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ یہ تو سخت بھونڈی تقسیم ہے

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

(صافات)

کیا اس نے بیٹوں (کے مقابلے) پر بیٹیاں پسند کیں تمہیں کیا ہو گیا؟ کیسا انصاف کرتے ہو۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ (زخرف)

کیا اس نے اپنے لئے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں کیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کیا؟ (حالاں کہ) جب ان میں سے کسی کو بشارت دی جائے اس چیز (یعنی لڑکی) کی جس کو وہ رحمٰن کے لئے بتاتا ہے تو سارا دن اس کا منہ سیاہ رہے، اور مصیبت زدہ ہو جائے۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ

اور (مشرکین) کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد رکھتا ہے۔ بلاشبہ تم بے حد سخت بات لائے ہو قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں ڈھ کر اس بات پر کہ انہوں نے رحمٰن کے

وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ﴿۹۳﴾ (مریم)

لئے اولاد بتائی اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ اولاد اختیار کرے۔ آسمانوں اور زمین میں جتنے بھی ہیں سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کے لئے اولاد ماننا ظلم عظیم اور اتنی بڑی گستاخی ہے کہ اس پر اگر غضب الٰہی بھڑک اٹھے اور آسمان و زمین اور پہاڑ پھٹ پڑیں اور ساری دنیا تہہ و بالا ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ بلاشبہ اس کی ذات اقدس اولاد سے پاک ہے اس لئے کہ اولاد باپ کے وجود کا ایک جز ہوتی ہے تو اگر اس کے لئے اولاد تجویز کی جائے تو اس کو اجزاء سے مرکب ماننا پڑے گا اور مرکب کا حادث ہونا ضروری ہے تو اس طرح خدا تعالیٰ کا مرکب اور حادث ہونا لازم ہو گیا۔ کیوں کہ مرکب کے اجزاء پہلے ہوتے ہیں اور مرکب بعد میں، لہٰذا خدا کے اجزاء خدا سے پہلے تسلیم کرنے پڑیں گے، اور پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان اجزاء کا پیدا کرنے والا اور پھر ان کو ملا کر خدا بنانے والا کوئی اور ہے تو اس صورت میں خدا کا خالق ہونا نہیں بلکہ مخلوق و حادث ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور یہ اس کے لئے محال ہے۔ نیز لڑکی با اعتبار قویٰ جسمیہ و عقلیہ لڑکے سے ناقص اور کمزور ہوتی ہے۔ تو ظالموں نے ہر ظلم کرتے ہوئے اس کی طرف نسبت بھی کی تو ناقص اور ادنیٰ کی کہ اگر اسی ناقص اور ادنیٰ کے ملنے کی خود ان کو بشارت دی جائے تو ان کا منہ کالا ہو جاتا ہے اور مارے رنج کے دل ہی دل میں کڑھنے لگ جاتے ہیں۔ تو ان ظالموں کو شرم و حیا نہ آئی کہ جو چیز ہم خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ حق تعالیٰ سبحانہ کے لئے کیوں ثابت کرتے ہیں۔

اللہ کے سسرال (معاذ اللہ)

جب ان سے پوچھا گیا کہ تمہارے زعم باطل میں اگر فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو پھر ان کی مائیں کون ہیں۔ انہوں نے کہا جنوں کے سرداروں کی بیٹیاں! گویا ظالموں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان دامادی و سسرال کا رشتہ قائم کر دیا (معاذ اللہ) چناں چہ فرمایا:

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (صفت:158)

اور ٹھہرا دیا انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ

اسی طرح ان ظالموں کا یہ بھی گمان تھا کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی بھائی ہیں۔(درمنثور،ص292ج5)

فرشتوں کی پوجا

کفار و مشرکین بتوں کی طرح فرشتوں کے ھیاکل وغیرہ بنا کر ان کی پوجا و پرستش بھی کرتے تھے چناں چہ قیامت کے دن فرشتوں سے پوچھا جائے گا:

ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝٤٠ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝٤١ (سبا)

پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے تو ہمارا ولی ہے، نہ کہ یہ لوگ بلکہ یہ لوگ جنوں کی پوجا و پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر انہی پر ایمان رکھتے تھے۔

فرشتوں کے جواب سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ درحقیقت جنوں یعنی شیطانوں کی پرستش کرتے اور انہی کی باتوں پر یقین و ایمان رکھتے تھے اگرچہ نام فرشتوں کا لیتے اور ہیاکل وغیرہ بھی انہی کے بناتے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝١٠٠ (انعام)

اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا اور وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور انہوں نے تراشے اللہ کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے حالاں کہ وہ ذات پاک اور بلند و برتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ (الجن)

اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ انسان بعض جنوں کی پناہ لیتے تھے تو اس سے ان کا تکبر اور بڑھا۔

مشرکین جنوں کو جو اللہ کی مخلوق ہیں خالق کے برابر قرار دیتے اور سفر میں کسی خوفناک وادی میں سے گزرے ہوئے اور انہی دیگر تکالیف میں ان کو پکارتے اور ان سے پناہ پکڑتے اور انہیں جہالت کی بناء پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرتے۔

چاند، سورج کی پرستش

قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہے کہ مشرکین عرب چاند اور سورج کی بھی پرستش کرتے اور ان کو سجدہ کرتے تھے۔ ان کی تردید میں فرمایا گیا:

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ

(حم السجدہ:37)

کہ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو بنایا ہے۔

ستارہ پرستی

شعریٰ ایک بہت بڑا استارہ ہے۔ مشرکین عرب اس کی پوجا کرتے اور اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ عالم کے بہت سے کام اس کی تاثیر سے ہو رہے ہیں گویا اس کو مؤثر حقیقی مانتے تھے اس کی تردید میں فرمایا گیا:

وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ۝ (النجم)

کہ شعریٰ (ستارہ) کا رب بھی وہی (خدا تعالیٰ ہی) ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ فَيَقُوْلُوْنَ بِكَوْكَبِ كَذَا وَ كَذَا۔ (مسلم:12، مشکوٰۃ:4597)

اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے تو لوگ (کفر کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کا اثر ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ پانچ برس تک بارش نہ برسائے اور پھر جب برسائے:

لَاَصْبَحَتْ طَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ كَافِرِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سُقِيْنَا بِنَوْءِ الْمِجْدَحِ

(نسائی:1849، مشکوۃ:4605)

تو لوگوں کا ایک طائفہ کفر کرتے ہوئے یہی کہتا ہے کہ یہ بارش مجدح یعنی ستاروں کے اثر سے ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی پھیلی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایام جاہلیت میں جب اس طرح ستارہ ٹوٹتا تھا تو تم کیا کہتے تھے۔

قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ كُنَّا نَقُوْلُ وُلِدَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ وَمَاتَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا لَا يُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ

(مسلم:124-2229 مشکوۃ:4601)

صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا حقیقت حال اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ ہم یہ کہا کرتے تھے کہ اس رات کوئی بڑا شخص پیدا ہوا ہے اور کوئی بڑا شخص مر گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ستارہ نہ کسی کی موت پر ٹوٹتا ہے اور نہ کسی پیدائش پر۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین باتوں کے لئے پیدا کیا ہے:

جَعَلَهَا زِيْنَةً لِلسَّمَآءِ وَرُجُوْمًا لِلشَّيَاطِيْنِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا فَمَنْ تَاَوَّلَ فِيْهَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ اَخْطَاءَ وَاَضَاعَ نَصِيْبَهٗ وَتُكَلَّفَ مَا لَا يَعْلَمُ

(بخاری باب فی النجوم: 3198، مشکوۃ: 4602)

ایک تو آسمان کی زینت کے لئے، دوسرے شیاطین اور جنوں کو مارنے کے لئے، تیسرے علامات کے لئے کہ لوگ ان سے راستہ پائیں تو جس نے ان تین باتوں کے سوا کوئی اور غرض بیان کی اس نے خطا کی اور اپنی عمر کا حصہ ضائع کیا اور

اس میں تکلف کیا جس کا اس کو علم نہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا:

وَاللّٰهِ مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي نَجْمٍ حَيٰوةَ اَحَدٍ وَلَا رِزْقَهُ وَلَا مَوْتَهُ وَ اِنَّمَا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَيَتَعَلَّلُوْنَ بِالنُّجُوْمِ (مشکوٰۃ:4603)

خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ستارے میں نہ تو کسی کی زندگی رکھی ہے اور نہ رزق اور نہ موت اور سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں جو اشیاء کے ہونے نہ ہونے کو ستاروں سے متعلق کرتے ہیں۔

ان روایات سے خوب ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین عرب کے چاند، سورج اور ستاروں کے متعلق کس قسم کے خیالات تھے۔ وہ ان کو مؤثر حقیقی مانتے اور ان کی پوجا وغیرہ کیا کرتے۔ ان کو اس خیال باطلہ کی تردید فرماتے ہوئے انہیں یہ تعلیم دی گئی کہ یہ سب چیزیں مخلوق ہیں۔ ان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے جس کے ہاتھ میں سارے عالم کا نظام ہے ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے اور اسی نے سب کو کمالات اور تاثیریں بخشی ہیں لہٰذا عبادت کے لائق بھی وہی ذات پاک ہے نہ کہ یہ چیزیں۔

حیات دنیا و آخرت

یہ ایک حقیقت ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ زندگیاں دو ہیں۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی۔ اس حقیقت کا بیان متعدد آیات قرآنی میں ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ متقین جو قرآن کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور فلاح پانے والے ہیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ (البقرہ)

اور وہ آخرت (کی زندگی) پر یقین رکھتے ہیں۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور ہاں (کمال) نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (البقرہ:177)

ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور سب نبیوں پر۔

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۟ؕ ﴿۳۱﴾ (حم السجدہ)

ہم تمہارے مددگار ہیں دنیا اور آخرت کی زندگی میں اور تمہارے لئے آخرت (کی زندگی) میں ہے جو تمہارے جی چاہیں اور جو کچھ تم طلب کرو۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ (البقرہ)

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ (البقرہ)

اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھرے اور پھر حالت کفر پر ہی مر جائے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی دوزخی ہیں اور یہ ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہیں۔

ان آیات سے حیات دنیا اور حیات آخرۃ یعنی دو زندگیاں واضح طور پر ثابت ہوئیں اور اہل ایمان ان پر ایسا یقین واعتقاد رکھتے ہیں۔ جس میں ذرا برابر شک وشبہ نہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت کفار و مشرکین یوم آخرت یعنی قیامت، حشر ونشر، حیات بعد الموت اور جزاء وسزا کے سخت منکر تھے اور ان باتوں کو تسلیم کرنے کے لئے وہ کسی طرح بھی تیار نہ تھے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا اور اس کو عقل وخرد کے منافی تصور کرتے تھے اور اسی وجہ سے وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس جو کچھ ہے یہی دنیا کی زندگی ہے اس کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے۔ اسی غلط عقیدہ وخیال

کی وجہ سے ان کو خیر و شر اور نیکی و بدی میں تمیز نہ رہی تھی۔ کیوں کہ وہ آخرت کے مواخذہ اور پرسش کے قائل ہی نہ تھے۔ نیز ان کی ساری جدوجہد اسی دنیوی زندگی کو خوشحال اور باوقار بنانے اور زیادہ سے زیادہ مال و جاہ حاصل کرنے کے لئے صرف ہوتی تھی۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان کے خیالات و نظریات کو بیان فرمایا ہے۔

انکار حیات و آخرت

وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (الجاثیہ)

اور وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ (المومنون)

کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں (پھر قبروں سے) نکالا جائے گا؟ یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ نہیں ہے کوئی اور زندگی ہماری اس دنیوی زندگی کے سوا۔ (اسی جہان میں) ہمارا مرنا اور ہمارا جینا ہے اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ (ق)

کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے پھر جئیں گے یہ لوٹنا بعید (از عقل) ہے۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ

اور انہوں نے (ازراہ انکار) کہا۔ کیا جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں از سرنو پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟ فرما دیجئے، (ہاں ایسا ہی

يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

(بنی اسرائیل 51-49)

ہو گا) خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا از سر نو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ (زندہ کر کے) کون لوٹائے گا؟ فرمایئے! وہی جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا۔

وَ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾

(مریم)

اور انسان (ازراہ انکار) کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو مجھے پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا کیا انسان کو یاد نہ رہا کہ ہم نے ہی اس کو اس سے پہلے بھی پیدا کیا تھا جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾

(النمل)

اور کفار کہنے لگے کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہمیں (پھر زندہ کر کے) نکالا جائے گا بے شک قیامت کے آنے کا وعدہ ہم سے بھی اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے پہلے بھی کیا گیا۔ مگر یہ وعدہ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانوں کے سوا کچھ نہیں۔

چناں چہ ایک دن ابی بن خلف کسی مردہ کی بہت بوسیدہ ہڈی لے کر اپنے ساتھی کفار و مشرکین کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ دیکھو میرے ہاتھ میں یہ ایک بوسیدہ ہڈی ہے اور محمد کہتا ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ اسے ازسرنو زندہ کیا جائے گا۔ بھلا بتاؤ کیا یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۙ ﴿۷۹﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ (یس)

کہتا ہے کون ان گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کرے گا۔ فرمایئے! انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی جبھی تم اس سے سلگاتے ہوتو کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ ان جیسے اور بنانے پر قادر نہیں؟ بلاشبہ وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے پس وہ پاک ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اثبات حیات آخرت

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌۙ ﴿۶﴾ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾ (الحج)

یہ کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یقینا قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شک نہیں اور بلاشبہ اللہ ان (مردوں) کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ

آگاہ ہو جاؤ! بے شک جو لوگ قیامت

ضَلٰلٍۭ بَعِيۡدٍ ﴿۱۸﴾ (الشوریٰ)

میں شک کرتے ہیں وہ ضرور دور کی گمراہی میں ہیں۔

اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ‌ؕ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَـكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ ﴿۴۷﴾
(الشوریٰ)

اپنے رب کا حکم مانو اس دن کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں اس دن تمہارے لئے کوئی پناہ گاہ نہ ہو گی اور نہ تمہارے لئے کوئی انکار کی صورت ہو گی۔

قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾
(الجاثیہ)

فرما دیجئے اللہ نے تمہیں زندہ کیا ہے۔ پھر وہی تمہیں مارے گا پھر تم سب کو جمع کرے گا قیامت کے دن جس میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

وَاِذَا قِيۡلَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا قُلۡتُمۡ مَّا نَدۡرِىۡ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحۡنُ بِمُسۡتَيۡقِنِيۡنَ ﴿۳۲﴾ (الجاثیہ)

اور جب کہا جاتا ہے کہ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک و شبہ نہیں تم نے کہا ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے۔ ہمیں تو یوں ہی کچھ گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں یقین نہیں۔

اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ يُّتۡرَكَ سُدًى ؕ ﴿۳۶﴾ اَلَمۡ يَكُ نُطۡفَةً مِّنۡ مَّنِىٍّ يُّمۡنٰى ۙ ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۙ ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنۡهُ الزَّوۡجَيۡنِ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰى ؕ ﴿۳۹﴾ اَلَيۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰى ﴿۴۰﴾
(القیامہ)

کیا انسان اس گھمنڈ میں ہے کہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ ایک نطفہ نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے پھر خون کی پھٹکی ہوا۔ تو اللہ نے اس کو پیدا کیا پھر برابر کیا۔ پھر اس سے مرد و عورت کے جوڑے بنائے کیا جس نے یہ سب کچھ کیا وہ اس پر قادر

نہیں کہ مردوں کو زندہ کر سکے؟

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ (النبا)

وہ دن (بالکل) حق ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا حاصل کرے ہم تمہیں ایک عذاب سے ڈراتے ہیں کہ قریب آ گیا ہے۔ اس دن آدمی دیکھے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوگا اور منکر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (الحج:5)

اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے میں کچھ شک ہو تو (ذرا اس امر میں غور کرو کہ) ہم تو (پہلے بھی) تم کو اسی مٹی سے پیدا کر چکے ہیں (پھر دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتے)

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27)

اور وہی ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ خلق کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔

كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ (الانبیاء)

جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کا آغاز کیا تھا اسی طرح ہم اس کو دوبارہ بنائیں گے یہ وعدہ (پورا کرنا) ہم پر لازم ہے۔ بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں۔

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ (ق:15)

تو کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے میں تھک گئے ہیں (کہ دوبارہ پیدا کرنا ہم پر دشوار ہو)

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ

اور تحقیق تم پہلی دفعہ کی پیدائش کو جان

لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ (الواقعہ) چکے ہو پھر کیوں نہیں سوچتے (اور غور و فکر سے کام لیتے)۔

جزا و سزا

جزا و سزا یعنی اعمال کے نتائج اور ثمرات، اچھے اعمال کے نتیجہ میں جزا اور برے اعمال کے نتیجہ میں سزا ہوگی اور اس پر ایمان رکھنے کا اصل منشا یہ ہے کہ انسان اس بات پر یقین کر لے کہ اس کے ہر عمل کا بدلہ ہے کچھ اس دنیا میں اور پورا آخرت میں۔ جزا و سزا اس لئے ضروری ہے کہ اس دنیا یعنی دار عمل میں ایک انسان ظالم و بدکار ہوتے ہوئے بھی عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے اور ایک انسان مخلص و نیکوکار اور دین و ملت کا سچا خیر خواہ ہونے کے باوجود بھی طرح طرح کی مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے اگر موت کے بعد دار جزا میں ظالم و بدکار کے لئے سزا اور مخلص و نیکوکار کے لئے جزا نہ ہوتی تو یہ بہت بڑی بے انصافی ہوتی۔

نیز اگر جزا و سزا کی کوئی حقیقت نہ ہو تو پھر ان قدروں کو جن سے انسانی عزت و عظمت وابستہ ہے کون اپنائے گا بلکہ کون ان کو اچھا جانے گا؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جو حقیقی عادل اور علیم و حکیم ہے اپنی حکمت سے اس فانی زندگی کے بعد ایک باقی زندگی رکھی۔ جہاں عدل و انصاف کے سارے تقاضے پورے ہوں اور نیک و مخلص لوگوں کو ان کی مخلصانہ جدوجہد اور پاکیزہ کارناموں کا پورا پورا اجر و ثواب دیا جائے اور ظالموں اور بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کی پوری سزا ملے۔ ارشاد گرامی ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾ (الزلزال)

پس جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اس کو (وہاں) دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ (بھی) اس کو (وہاں) دیکھ لے گا۔

یعنی ہر ایک کا ذرہ ذرہ عمل بھلا ہو یا برا اس کے سامنے ہوگا اور اس کی جزا و سزا بھی اس

کے سامنے آجائے گی۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸﴾ (التین) کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے۔

بلاشبہ وہ سب سے بڑا حقیقی حاکم ہے اس کی شہنشاہی کے سامنے دنیا کی سب حکومتیں ہیچ ہیں۔ جب یہاں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے مخلصوں اور وفاداروں کو انعام اور مجرموں اور غداروں کو سزا دیتی ہیں تو اس احکم الحاکمین کی بارگاہ سے یہ توقع کیوں رکھی جاتی ہے کہ وہ مخلصوں اور وفاداروں کو انعامات سے سرفراز نہیں فرمائے گا۔ اور مجرموں اور غداروں کو سزا نہیں دے گا۔ چناں چہ وہ فرماتے ہے:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ٘ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ (ص) کیا ہم ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کے برابر کردیں گے جو ملک میں (اپنی بد کرداری سے) فساد برپا کرنے والے ہیں؟ یا متقین کو فجار کے برابر کردیں گے۔

یعنی ہمارے عدل و انصاف اور علم وحکمت کا یہ تقاضا نہیں کہ ایمان داروں اور نیکو کاروں کو بے ایمانوں اور شریروں کے برابر کردیں یا متقی پرہیز گاروں کو فاسقوں، فاجروں کے برابر کردیں اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ کوئی یوم الحساب ہو جس میں اللہ تعالیٰ جزا و سزا دے کر اپنے عدل وانصاف کے تقاضے پورے فرمائے۔

وَالْاَمْرُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ (انفطار) اور اس دن حکم اللہ ہی کا ہے۔

اَلْمُلْكُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ ؕ (الحج:56) اور اس دن حکومت اللہ ہی کی ہے وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

یعنی جن لوگوں کے دنیا میں حکم چلتے تھے اس دن ان کے حکم نہیں چلیں گے بلکہ اس دن صرف اسی شہنشاہ مطلق کا حکم چلے گا اور سب کام اسی کے قبضہ وقدرت میں ہوں گے اور وہی

لوگوں کے درمیان فیصلے کرے گا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ (مومن)

آج کس کی بادشاہی ہے۔ ایک اللہ سب پر غالب کی آج ہر نفس اپنے کیئے کا بدلہ پائے گا آج ظلم نہیں ہوگا۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۖ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾ (الفرقان)

اس دن سچی بادشاہی (خداوند) رحمٰن کے لئے ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دنیا میں بھی ہر آن اسی شہنشاہ حقیقی ہی کی حقیقی حکمرانی اور شہنشاہی ہے۔ لیکن اس دنیا میں بہت سے غلط اندیش اور نشہ غرور میں مست لوگ اپنی بادشاہی اور حکمرانی کا بھی دعوی کرتے ہیں اور بہت سے بدنصیب اس شہنشاہ حقیقی کی حکومت وسلطنت کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی ہی کے منکر ہیں وہ اس کی حکومت وسلطنت کے کب قائل ہوں گے۔ لیکن قیامت کے دن سب پردے اٹھ جائیں گے اور حقیقت اظہر من الشّمس ہو جائے گی تو جو لوگ دنیا میں اس کی حکومت نہیں مانتے تھے وہ بھی مانیں گے اور کسی کی ظاہری اور مجازی رنگ میں بھی حکومت و سلطنت باقی نہ رہے گی۔ صرف اسی واحد قہار کا راج ہوگا اور اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں اور زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا:

اَنَا الْمَلِكُ اَنَا الدَّيَّانُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ؟ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ؟ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ؟ (ابن کثیر ص316 ج3)

میں بادشاہ ہوں۔ میں دیان ہوں۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں جابر و سرکش؟ کہاں ہیں غرور و تکبر کرنے والے۔ ہر طرف سناٹا چھا جائے گا اور کوئی دم نہ مار سکے گا۔

پھر وہ عدل وانصاف کے ساتھ حساب لے گا۔ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔ اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اس دن ہر ایک اپنے کیے کا بدلہ پائے گا۔ نیک اپنی نیکی کا اور بد اپنی بدی کا۔ اور وہ دن کافروں کے لئے انتہائی ندامت اور مصیبت کا دن ہوگا، ارشاد ہوگا:

هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ (الصافات)

یہ ہے انصاف کا دن یہ ہے وہ فیصلہ کا دن جسے تم (دنیا میں) جھٹلاتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ (ص)

بے شک وہ لوگ جو راہ خدا سے بہکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ یوم حساب کو بھول گئے۔

یعنی اگر وہ یوم حساب پر ایمان ویقین رکھتے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا اور اپنے عملوں کا حساب دینا ہے تو کبھی اپنے مالک حقیقی کی نافرمانی نہ کرتے اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے راہ خدا سے نہ ہٹتے اور نہ عذاب شدید کے مستحق ہوتے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ (المطفّفین)

اس دن جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے، جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اس دن کو نہ جھٹلائے گا۔ مگر ہر سرکش اور گناہ گار۔ جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہے (یہ تو) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

یعنی جو شخص روز جزا کا منکر ہے اور حشر ونشر، حساب وکتاب، جنت ودوزخ اور عذاب وثواب پر یقین ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ ان کی تکذیب کرتا اور ان کو پرانی کہانیاں اور فرسودہ افسانے خیال کرتا ہے ظاہر ہے وہ کس قدر سرکشی اور برائی پر دلیر ہوگا۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا:

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا فَاُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۵۷﴾ (الحج)

اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا پس ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

وَ یَوۡمَ یُعۡرَضُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیۡسَ ہٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۳۴﴾ (الاحقاف)

اور جس دن انکار کرنے والے (دوزخ کی) آگ پر پیش کیے جائیں گے ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں؟ کہیں گے کیوں نہیں (بالکل حق ہے) ہمارے پروردگار تیری قسم! فرمایا جائے گا تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے کفروانکار کا۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَعۡتَذِرُوا الۡیَوۡمَ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷﴾ (التحریم)

اے کافرو آج بہانے نہ بناؤ تمہیں وہی بدلے ملے گا جو تم کرتے تھے۔

یعنی آج حیلے بہانے مت بناؤ آج کوئی حیلہ بہانہ نہیں چلے گا بلکہ جو کچھ کرتے تھے اس کی پوری پوری سزا ملے گی یہ کوئی ظلم وزیادتی نہیں ہوگی۔ بلکہ تمہارے ہی اعمال ہوں گے جو عذاب کی صورت میں تم پر مسلط ہوں گے۔

وَ سِیۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَہَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡہَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُہَا وَ قَالَ لَہُمۡ خَزَنَتُہَاۤ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ رَبِّکُمۡ وَ یُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ہٰذَا ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَ لٰکِنۡ حَقَّتۡ کَلِمَۃُ الۡعَذَابِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۷۱﴾ قِیۡلَ ادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَہَنَّمَ

اور کافر جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے گروہ گروہ یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے اس (جہنم) کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے دربان ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے وہ رسول نہ آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ (الزمر)

دن کے ملنے یعنی انجام سے ڈراتے تھے؟ کہیں گے کیوں نہیں (بلاشبہ آئے تھے) مگر عذاب کی بات کافروں پر حق ثابت ہوئی۔ فرمایا جائے گا جاؤ جہنم کے دروازوں میں اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے۔ پس کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ متکبروں کا۔

چونکہ کفر کی اقسام اور مراتب بہت ہیں۔ اس لئے ان کے الگ الگ گروہ ہوں گے اور ہر گروہ کے تمام کافروں کو ایک دوسرے کے پیچھے انتہائی ذلت کے ساتھ دھکے دے کر جہنم کی طرف لایا جائے گا۔ جب وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو جہنم کے ساتوں دروازے کھلیں گے۔ اور ہر گروہ کا ایک دروازہ دربان جہنم ہوگا جب وہ اس دروازہ پر آئے گا تو ان سے بطور ملامت کہیں گے کیا تمہارے پاس انبیاء و مرسلین تشریف نہیں لائے تھے اور انہوں نے تمہیں اللہ کے احکام نہیں سنائے تھے اور اس دن کی جزا و سزا سے تمہیں آگاہ نہیں کیا تھا؟ ان کے تشریف لانے اور اپنی نافرمانی و سرکشی کا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ سب کچھ درست ہے مگر ہماری بدنصیبی ہم پر غالب ہوئی اور عذاب کا کلمہ ہم پر حق ثابت ہو کر رہا اور اب اپنی نافرمانی و سرکشی کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھگتتے رہیں گے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَ هُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ

اور وہ لوگ جنہوں نے (قبول حق سے) انکار کیا ان کے لئے جہنم کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے کہ مر جائیں اور نہ ان پر جہنم کا عذاب کچھ ہلکا کیا جائے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ہر کافر کو اور وہ اس جہنم میں چلاتے اور فریاد کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں (اس جہنم

فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۳۷﴾
(فاطر)

سے) نکال دے تاکہ ہم نیک عمل کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے (ارشاد ہوگا) کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا اور تمہارے پاس (عذاب سے) ڈرانے والا (بھی) تشریف لایا تھا تو اب چکھو (عذاب کا مزا) پس ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَهَلۡ اِلٰی خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿۱۱﴾ (المومن)

تو اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا تو کیا (اس) آگ سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل ہے۔

یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ الظّٰلِمِیۡنَ مَعۡذِرَتُهُمۡ وَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾
(المومن)

اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر یعنی جہنم ہے۔

یعنی وہ لوگ جن کو دار عمل میں عقل و شعور جیسی نعمت عطا فرمائی اور اس کے ساتھ طویل عمر بھی بخشی گئی تاکہ وہ عقل و شعور سے کام لے کر حق و باطل اور نیکی و بدی میں تمیز کریں اور سیدھا راستہ اختیار کریں اور پھر ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیاء و مرسلین بھی بھیجے گئے جو ان کو بے شمار دلائل سے ایمان و کفر اور نیکی و بدی کے انجام سے برابر آگاہ بھی کرتے رہے اس کے باوجود بھی انہوں نے انکار کی راہ اختیار کی اور برابر سرکشی کرتے رہے اور جب ان کو دار جزا میں ان کے کفر و سرکشی کی سزا سنا دی جائے اور وہ جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھیں اور پھر معذرت کرنے لگیں تو کیا ان کی معذرت قبول ہوسکتی ہے جب کہ اس کا وقت ہی گزر چکا ہرگز نہیں۔ ان کی سزا یہی ہونی چاہیے کہ وہ عذاب کا مزا چکھتے رہیں اور کسی ہمدردی و مدد کی توقع نہ رکھیں۔

اور اب ان کا چلانا کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم پھر انکار و تکذیب کی راہ اختیار نہیں کریں گے بلکہ سچے دل سے ماننے والے اور نیک عمل کرنے والے ہو جائیں گے محض جھوٹ ہے چناں چہ دلوں کے پوشیدہ اسرار جاننے والا فرماتا ہے:

وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ (الانعام:28)

اور اگر ان کو واپس بھیجا جائے (جیسا کہ وہ چاہتے ہیں) تو پھر بھی یہ وہی کریں گے جس سے روکے گئے تھے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔

یعنی اگر بالفرض والمحال ان کو دنیا میں واپس بھیج بھی دیا جائے تب بھی وہی کرتوت کریں گے۔ جو یہ پہلے کرتے تھے کیوں کہ ان کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہے۔

يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ (مدثر)

(جنتی جنت سے دیکھ کر) پوچھیں گے مجرموں سے تمہیں کون سی بات نے دوزخ میں پہنچایا؟ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ محتاج کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم بیہودہ فکر کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ فکر کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔

یعنی جب مجرموں سے پوچھا جائے گا کہ باوجود عقل و دانائی کے تمہیں کون سی باتوں نے جہنم کا مستحق بنا دیا؟ وہ مجرمین کہیں گے ہم نے نہ تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پہچانا اور نہ بندوں کے حقوق کا خیال کیا اور حق کے خلاف بے ہودہ غور و فکر اور کج بحثی کرتے رہے اور سب سے بڑا جرم یہ کہ ہم روز قیامت جس میں اعمال کا محاسبہ اور مؤاخذہ ہونا تھا اس کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ موت نے آ کر ہمارا خاتمہ کر دیا۔

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

(الفرقان)

اور اس دن ظالم (فرط ندامت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کاش میں نے اختیار کیا ہوتا رسول (مکرم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ، ہائے افسوس، کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا بلاشبہ اس نے مجھے بہکا دیا۔ اس نصیحت سے جو میرے پاس آ چکی تھی اور شیطان تو ہمیشہ انسان کو (مشکل وقت میں) بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے۔

وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

(الزمر)

اور اگر ظالموں کے پاس ہوتا جو کچھ کہ زمین میں ہے سب کا سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور تو یہ سب قیامت کے دن کے برے عذاب سے رہائی کے عوض میں دے دیتے اور ان کے لئے اللہ کی طرف وہ کچھ ظاہر ہوا جس کا وہ گمان (بھی) نہ کرتے تھے۔

یعنی اگر بالفرض قیامت کے دن کافروں کے پاس کل روئے زمین کے اموال اور خزانے اور اتنے ہی اور بھی ان کے پاس ہوتے تو چاہتے کہ ان سب کے عوض میں بھی ذلت کے عذاب سے اگر نجات حاصل ہو سکے تو حاصل کر لیں اور ایسے طرح طرح کے سخت عذاب ان کے لئے ظاہر ہوں گے جو کبھی ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔

وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ لا يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ

اور (جہنم میں) پلایا جائے گا۔ پانی خون اور پیپ کا وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ (ابراہیم)

بھرے گا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا اور اس کے پاس ہر سمت سے موت آئے گی اور وہ (بایں ہمہ) مرے گا نہیں۔ (علاوہ اس کے) اس کے پیچھے ایک اور سخت عذاب ہوگا۔

یعنی شدت پیاس کے باعث وہ پینے پر مجبور بھی ہوں گے۔لیکن اس بدبودار بدذائقہ اور کھولتی ہوئی پیپ کو پئیں بھی کیسے اور حلق سے نیچے اتاریں بھی کیسے ایک ایک گھونٹ بڑی مشکل اور تکلیف سے پئیں گے۔اور جب وہ پانی پیٹ میں پہنچے گا تو آنتیں کاٹ کر رکھ دے گا۔

وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ (محمد)

اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا کہ ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ (الکہف)

بیشک ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کے واسطے آگ انہیں اس آگ کی دیواروں نے گھیر رکھا ہے اور اگر وہ (پانی کے لئے) فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ جو پیپ کی طرح (غلیظ) ہے اور (اتنا گرم کہ) چہروں کو بھون ڈالے یہ مشروب بڑا ناگوار ہے اور یہ قرارگاہ بڑی تکلیف دہ ہے۔

وہ ان ناقابل برداشت مصائب وآلام میں گرفتار ہوں گے ان کو ہر طرف سے موت آتی محسوس ہوگی اور وہ مرنے کے لئے بھی بصد خوشی تیار ہوں گے لیکن موت بھی نہیں آئے گی جو ان سب مصیبتوں کا خاتمہ کر دے۔ چناں چہ فرمایا:

الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْكُبْرٰیۚ۝۱۲ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰیؕ۝۱۳ (الاعلیٰ)

وہ جو بڑی آگ میں جائے گا پھر نہ اس میں مرے گا اور نہ جیے گا۔

وَ تَرَی الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىٕذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِۚ۝۴۹ سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰی وُجُوْهَهُمُ النَّارُۙ۝۵۰ (ابراہیم)

اور تم دیکھو گے مجرموں کو اس دن کہ جکڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور ڈھانپ رہی ہوگی ان کے چہروں کو آگ۔

یعنی اس روز مجرم زنجیر وسلاسل میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے اور تارکول کا سیاہ اور بدبودار لباس انہوں نے پہنا ہوگا اور آگ نے ان کے چہروں کو ڈھانپا ہوا ہوگا۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ۝۱۰۴ (المومنون)

بری طرح جھلس دے گی آگ ان کے چہروں کو اور وہ اس میں دانت نکالے ہوئے بدشکل ہو رہے ہوں گے۔

انسان کے ظاہر اعضاء میں چہرہ چونکہ سب سے اعلیٰ اور اشرف عضو ہے اس لئے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ورنہ آگ پورے بدن کو جلائے گی جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًاؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَؕ (النساء:56)

بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم انہیں آگ میں ڈال دیں گے جب کبھی ان کی کھالیں (جلنے سے) پک جائیں گی تو ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے۔ تاکہ وہ (مسلسل) عذاب کو چکھتے رہیں۔

(اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ)

مومنین صالحین

یوم آخرت، حشر ونشر، حیات بعد الموت اور جزا وسزا کے منکروں کے دردناک انجام کے بعد اب اہل ایمان ویقین اور نیک عمل کرنے والوں کا انجام مختصر طور پر ملاحظہ فرمایئے۔

وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ (البقرہ)

اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں

یعنی یہ لوگ روز جزا اور آخرت کی زندگی کو صرف تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ اس پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور یقین علم کی اس پختگی کا نام ہے جس میں شک وشبہ کا گزر نہ ہو۔ اور جب کسی چیز یا حقیقت کا علم ایسا پختہ ہو جاتا ہے تو وہ عقل، دل اور ارادہ کو مسخر کر لیتا ہے۔ پھر وہ صاحب علم ویقین اس کے خلاف نہ کچھ سوچ سکتا ہے اور نہ کچھ کر سکتا ہے اس کا ہر قول وفعل اچھے انجام کے حصول کے لئے ہوتا ہے اور ہر ایسے قول وفعل سے ڈرتا اور اجتناب کرتا ہے جو اس کے انجام کو تباہ کرنے والا ہو۔

وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝٢١ (الرعد)

اور وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور خائف رہتے ہیں سخت حساب سے۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت کے تصور سے لرزاں وترساں رہتے ہیں اور انہیں ہر وقت یہ خوف لگا رہتا ہے کہ ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝٧ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝٨ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ

(بے شک نیک لوگ) اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی و برائی پھیلی ہوئی ہو گی اور وہ کھانا کھلاتے ہیں، اس کی محبت پر مسکین

جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ﴿٩﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ
رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَقٰىهُمُ
اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ
سُرُوْرًا ﴿١١﴾ وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ
حَرِيْرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى
الْاَرَآىِٕكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا
زَمْهَرِيْرًا ﴿١٣﴾ وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ
ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾ وَ يُطَافُ
عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ
قَوَارِيْرَاۡ ﴿١٥﴾ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ
قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا
كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيْهَا
تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ
وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ
لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾ وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ
رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ
ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ وَّ
حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ
شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ
جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾

(الدہر: 7 تا 22)

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ

اور یتیم اور اسیر کو اور ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لئے کھانا کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں چاہتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے تو اللہ نے انہیں اس دن کے شر سے بچا لیا اور انہیں تازگی اور شادمانی دی اور ان کے صبر پر انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیئے جنت میں تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے۔ نہ اس میں دھوپ دیکھیں گے اور نہ ٹھٹھر اور ان (بہشتی درختوں) کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کے گچھے جھکا کر نیچے کر دیئے گئے ہوں گے اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا جو شیشے کی مثل ہوں گے۔ کیسے شیشے چاندی کے، ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ پر رکھا ہوگا اور ان میں وہ جام پلائے جائیں گے۔ جن میں ادرک کی آمیزش ہوگی۔ وہ ادرک کیا ہے۔ جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہتے ہیں اور ان کے آس پاس خدمت میں پھریں گے ہمیشہ رہنے والے

ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ
رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ
ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ
الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ
الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ
اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

(النور)

لڑکے جب تو ان کو دیکھے تو ان کو سمجھے کہ موتی ہیں بکھیرے ہوئے اور جب تو نظر اٹھائے تو وہاں دیکھے نعمت اور بڑی سلطنت۔ان کے بدن پر باریک اور دبیز سبز ریشم کی پوشاک ہوگی اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور انہیں ان کا رب پاکیزہ شراب پلائے گا ان سے فرمایا جائے گا یہ تمہارا اصلہ ہے۔اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی۔وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید وفروخت یاد الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے۔وہ ڈرتے رہتے ہیں۔اس دن سے جس میں دل الٹ جائیں گے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔تاکہ اللہ انہیں جزا دے ان کے بہترین اعمال کی اور (اس سے بھی) زیادہ عطا فرمائے ان کو اپنے فضل سے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

یعنی جو لوگ دنیا کے مشاغل کی کثرت کے باوجود نہ ذکر الٰہی سے غافل ہوتے ہیں نہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں ہر وقت روز قیامت اور حساب و کتاب کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی جزا بھی دے گا بلکہ اپنے فضل وکرم سے انہیں ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا جو انسان کے تصور اور خیال میں بھی

نہیں آسکتیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ (الرعد)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، خوش خبری ہے ان کیلئے اور اچھا انجام۔

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ (البقرہ)

اور خوش خبری دیجئے ان کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے یقیناً ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب ان باغوں میں سے ان کو کوئی پھل کھلایا جائے گا (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی ہے۔ جو ہمیں (دنیا میں) پہلے (بھی) کھلایا گیا تھا اور انہیں دیا جائے گا پھل (صورت میں) ملتا جلتا اور ان کے لئے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔

یعنی جنت کے پھل میووں کی شکل وصورت میں دنیا کے پھل میووں سے ملتی جلتی ہو گی۔ لیکن ان کی لذت، ذائقہ اور خوشبو میں زمین وآسمان کا فرق ہوگا۔ جنت کی عورتیں بالکل پاک وصاف اور ہر قسم کی ظاہری و باطنی آلائشوں اور ہر قسم کے برے اخلاق سے مبرا ومنزہ ہوں گی اور یہ نعمتیں اور عیش عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوگا۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾ (الشوریٰ)

اور وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے اور ان کے لئے ہوگا ان کے رب کے پاس جو بھی وہ چاہیں گے یہی ہے بڑا افضل۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ

اس جنت کی کیفیت جس کا وعدہ

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلۡكَ عُقۡبَى الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ‌ۖ وَّ عُقۡبَى الۡكٰفِرِيۡنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ (الرعد)

پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے ایسی ہے کہ اس کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا سایہ بھی (نہیں ڈھلتا)۔ یہ انجام ہے ان کا جو (اپنے رب سے) ڈرتے رہے اور کفار کا انجام آگ ہے۔

مَثَلُ الۡجَنَّةِ الَّتِىۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ فِيۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَيۡرِ اٰسِنٍ‌ ۚ وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ لَّمۡ يَتَغَيَّرۡ طَعۡمُهٗ ‌ۚ وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۚ وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ عَسَلٍ مُّصَفًّى‌ ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ

(محمد:15)

اس جنت کی کیفیت جس کا وعدہ پرہیز گاروں سے کیا گیا ہے ایسی ہے کہ اس میں نہریں ہیں پانی کی جو کبھی نہ بگڑے اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ کبھی نہ بگڑے اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ کبھی نہ بدلے اور نہریں ہیں شراب کی جس میں لذت ہے پینے والوں کے لئے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف کیا گیا ہے اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ‌ ؕ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ‌ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۷۲﴾ (التوبہ)

وعدہ فرمایا اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان میں اور پاکیزہ مکانات کا سدا بہار باغوں میں اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے یہی تو کامیابی ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ۙ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ
بِمَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ
الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ
مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ
اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ
عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا
كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ
وَّ لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا
كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَ لَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَ يَطُوْفُ
عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ
مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْۤ
اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ
وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ (الطور)

بلاشبہ پرہیزگار باغوں میں اور نعمتوں میں ہوں گے میوے کھاتے ہوئے جو ان کو ان کے رب نے دیئے اور ان کو ان کے رب نے بچایا دوزخ کے عذاب سے، کھاؤ اور پیو، خوشگواری سے صلہ اپنے اعمال کا۔ تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے (جو) برابر قطار میں بچھے ہوئے ہیں اور ہم نے ان کو بیاہ دیا بڑ آنکھوں والی حوروں سے اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی (اس) اولاد کو (بھی) ان سے ملا دیا اور ہم نے ان کے عمل میں سے کچھ بھی کمی نہ کی ہر آدمی اپنے کیے کا ضامن ہے اور ہم نے ان کی مدد فرمائی میووں اور گوشت سے ان میں سے جو چاہیں (کھائیں) اور ایک دوسرے سے لیتے ہیں وہ جام جس میں نہ بے ہودگی ہو گی اور گناہ گاری اور ان کی خدمت گار لڑکے ان کے اردگرد پھریں گے گویا وہ موتی ہیں چھپا کر رکھے گئے اور ان میں بعض نے بعض کی طرف مونھ کیا پوچھتے ہوئے بولے بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں سہمے ہوئے تھے

تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچالیا۔

وَ الَّذِیۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِمۡ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً وَّ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ عُقۡبَی الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِهِمۡ وَ الۡمَلٰٓئِکَةُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ ﴿۲۴﴾ (الرعد)

وہ لوگ جنہوں نے (مصائب و آلام) میں صبر کیا اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور نماز قائم رکھی اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے رہے پوشیدہ اور علانیہ طور پر اور مدافعت کرتے رہتے ہیں بھلائی سے برائی کی انہی لوگوں کے لئے دار آخرت (کی راحتیں) ہیں سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں اور جو صالح ہوں گے ان کے باپ دادوں، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے (وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہوں گے) اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازے سے سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ پس یہ آخرت کا گھر (تمہیں) کیا ہی خوب ملا۔

یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر قائم رہے اور نافرمانی سے بچتے رہے اور اس سلسلے میں آنے والے مصائب و آلام پر صبر کیا اور کوئی تکلیف یا سختی ان کے قدموں میں تزلزل پیدا نہ کر سکی اور وہ برائی کے بدلے بھلائی کرتے رہے اور ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا تھا۔ کوئی نمود و نمائش مقصود نہ تھی ان مومنین، صالحین کی تعظیم و تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرشتے جنت کے آٹھوں دروازوں

سے ان کے لئے سلام تحیت کے ہدیے اور تحفے لے کر حاضر ہوں گے۔

عالم برزخ

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اہل ایمان حیات دنیا کے ساتھ حیات آخرت پر ایسا یقین رکھتے ہیں جس میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں، لیکن کفار ومشرکین حیات آخرت کے سختی سے منکر تھے ان کے نزدیک اس دنیا کی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے حیات دنیا اور حیات آخرت کے درمیان ایک مقام اور منزل ہے جس کا نام ''برزخ'' ہے اس لئے کہ حیات آخرت کے عموم میں وہ تمام منازل اور مقامات داخل ہیں جو ابتدائے موت سے لے کر حشر ونشر اور اس کے بعد تک پیش آئیں گے۔ ''برزخ'' گویا حیات آخرت کی پہلی منزل ہے۔ اہل ایمان حیات آخرت کی طرح اس برزخی حیات پر بھی ایمان ویقین رکھتے ہیں لیکن کفار ومشرکین حیات آخرت کی طرح اس پہلی منزل کے بھی منکر تھے۔

ثبوت برزخ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ (المومنون)	اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں اٹھائے جائیں گے۔

''برزخ'' دو چیزوں کے درمیان پردہ، آڑ اور حائل کو کہتے ہیں۔ چونکہ مرنے والا دنیا والوں سے بھی پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی اس کے سامنے نہیں ہوتی۔ ہاں عذاب و ثواب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ اس کے سامنے آتا ہے جس کا مزا وہ قیامت تک چکھتا رہے گا۔ مرنے کے بعد قبر یعنی برزخ میں مومنین وصالحین نعمت ورحمت سے ہمکنار اور کفار و مشرکین اور فساق وفجار عذاب وعقاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ثبوت ثواب وعذاب برزخ

ارشاد ربانی ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙۗ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ (ابراہیم)	اللہ تعالیٰ قائم و ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو قول حق و ثابت پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور بھٹکا دیتا ہے اللہ ظالموں کو اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اس آیت میں ''قول ثابت'' سے مراد کلمہ شہادت اور ''آخرت'' سے مراد عالم برزخ ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اخلاص و یقین کے ساتھ کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہر مقام پر ثبات و استقامت بخشتا ہے دنیا میں کتنے ہی فتنے کیسی ہی آفات اور حوادث پیش آئیں مگر اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی۔ اسی طرح قبر و حشر کے مشکل مرحلوں میں بھی تائید الٰہی ان کی دستگیری کرتی ہے اور وہ ہر مقام میں کامیاب ہوتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِيْ قَبْرِهٖ اُتِيَ ثُمَّ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ (بخاری شریف:1369)	جب مومن کو اس کی قبر میں اٹھا کر بٹھا دیا جاتا ہے تو (فرشتے) آتے ہیں۔ پھر وہ مومن گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔ الآیہ

آیت مذکورہ بالا کی تفسیر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی سے ہوگی کہ قول ثابت سے مراد توحید و رسالت کی شہادت ہے اور آخرت میں اس پر قائم و ثابت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ مومن قبر میں فرشتوں کو توحید و رسالت کا صحیح جواب دیتا ہے اور قرینہ بھی یہی ہے کہ آخرت سے مراد قبر یعنی عالم برزخ ہے ورنہ قیامت کے دن قول ثابت پر قائم رہنا کون سی اہم بات

ہوگی۔قیامت کے دن توسب پر ہر چیز نمایاں اور واضح ہوگی اور حدیث میں تصریح ہے کہ قبر (یعنی برزخ) آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔مزید ملاحظہ فرمائیے:

انہی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے کی تدفین کے لئے نکلے۔قبرستان پہنچے۔ابھی قبر تیار نہ تھی،آپ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے آس پاس اس طرح بے حس وحرکت اور چپ چاپ بیٹھے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں۔آپ کے ہاتھ میں تنکا تھا جس سے آپ زمین پر لکیریں کھینچ رہے تھے پھر آپ نے سر انور اٹھا کر دو تین مرتبہ فرمایا اِسْتَعِیْذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔(اثبات عذاب القبر للبیہقی:44،ابوداؤد:4753،مسند احمد:18534، مصنف ابن ابی شیبہ:12032،کنز العمال:42512،شعب الایمان:390) پھر فرمایا بندہ مومن جب دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی ساعت میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے نورانی چہرے والے فرشتے آتے ہیں گویا کہ ان کے چہرے آفتاب کی مانند ہیں۔ان کے ساتھ جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے وہ اس بندہ مومن کے پاس اس کی منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں۔پھر ملک الموت آتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر فرماتے ہیں۔ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اخْرُجِیْ اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ۔اے نفس مطمئنہ،اے پاک روح،اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی رضامندی کی طرف نکل۔تو وہ اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے جس طرح کسی مشک سے پانی کا قطرہ ٹپک آیا ہو پھر وہ فرشتے پلک جھپکنے کی دیر کے برابر بھی اس روح کو ملک الموت کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے فوراً لے کر اس کو جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں اور خود اس روح میں سے بھی کستوری سے بڑھ کر ایسی عمدہ خوشبو نکلتی ہے کہ روئے زمین پر اس کی مثل نہیں۔(اس کا جسد تو زمین پر پڑا ہوتا ہے) اور اس کی روح کو لے کر فرشتے آسمان کی طرف عروج کرتے ہیں۔فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے ہیں تو وہ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کے ناموں میں سے بہترین نام جس کے ساتھ وہ دنیا میں موسوم تھا کہ فلاں بن فلاں

کی روح ہے، بتلاتے ہیں اور اسی طرح آسمانوں سے گزرتے ہوئے جب ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ لو (1) اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ میں نے اسی سے اس کو پیدا کیا اور اسی سے اس کو دوبارہ نکالوں گا۔

فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ فَیَاْتِیْهِ مَلَكَانِ فَیُجْلِسَانِهٖ فَیَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ؟ فَیَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰهُ۔ فَیَقُوْلَانِ مَا دِیْنُكَ؟ فَیَقُوْلُ دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْكُمْ فَیَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَیَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا عِلْمُكَ فَیَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَی الْجَنَّةِ (الخ)

(کنز العمال:42495، مصنف ابن ابی شیبہ: 12059، مسند احمد: 18534، شعب الایمان:390، ابوداؤد:4753)

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے! پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کون سا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے! پھر پوچھتے ہیں یہ مرد کامل کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہتا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں! پھر وہ کہتے ہیں تو نے یہ کیسے جانا؟ وہ کہتا ہے میں نے کتاب اللہ پڑھی اس پر ایمان لایا اور اس کو سچا جانا! پس اسی وقت آسمان سے ایک ندا کرنے والا ندا دیتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو۔ اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو

تو اس کو جنت کی روح پرور خوشبودار ہوائیں آنے لگتی ہیں اور اس کی قبر حد نگاہ تک کشادہ کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس ایک شخص نہایت خوب صورت، عمدہ لباس والا اور

1۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ (المطفّفین:18) بلاشبہ ابرار کا نامہ اعمال علیین میں ہے۔

بہت اچھی خوشبو سے معطر آتا ہے اور کہتا ہے شاد باش یہی وہ دن ہے جس کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا۔ یہ اس سے پوچھتا ہے تم کون ہو تمہارے چہرے سے تو خیر ہی خیر ٹپک رہی ہے؟ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ! تو وہ کہتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں! پھر یہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ قیامت قائم کرا اے اللہ قیامت قائم کرتا کہ میں اپنے اہل وعیال اور اپنے مال کی طرف لوٹ جاؤں۔

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے:

ثُمَّ يُنَوَّرُلَهٗ فِيْهِ فَيُقَالُ لَهٗ نَمْ فَيَقُوْلُ اَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِىْ فَاُخْبِرُهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ لَهٗ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ الَّذِىْ لَا يُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ (شرح الصدور، صفحہ 54)

پھر اس کے لئے اس کی قبر میں روشنی کر دی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تو سو جا تو وہ کہتا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کی طرف واپس جاتا ہوں تا کہ میں ان کو (اس حصول راحت وآرام کی) خبر دوں تو وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ تو اس طرح سو جا جس طرح کہ دلہن سوتی ہے، جس کو اس کے گھر والوں میں سے وہی اٹھاتا ہے جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا۔

(اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بندۂ کافر کا حال بیان فرمایا جو آیت کے آخری ٹکڑے وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ کا مصداق ہوتا ہے)

اور بندۂ کافر جب دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی ساعت میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے آتے ہیں ان کے ساتھ (جہنم کا کھردرا) ٹاٹ ہوتا ہے وہ اس کی حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر

کہتے ہیں: اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ اخْرُجِیْ اِلٰی سَخَطٍ مِّنَ اللهِ وَ غَضَبٍ۔ اے نفس خبیثہ، اے ناپاک روح اللہ تعالیٰ کے غضب وغصہ کی طرف نکل؟ تو وہ اس کے جسم (کے بال بال) میں متفرق ہوتی ہے پھر ملک الموت اس کو اس طرح (جھٹکے دے کر) کھینچتے ہیں جس طرح لوہے کی (کانٹے دار) سیخ جو اونی کپڑے میں پیوست ہو (کہ اس کے کانٹے کپڑے سے باہر نکل گئے ہوں) کو کھینچا جائے (تو وہ اس وقت نکلتی ہے جب کہ کپڑا تارتار ہو جائے یعنی سخت ترین تکلیف سے نکلتی ہے) پھر وہ فرشتے فوراً اس ملک الموت کے ہاتھ سے لے کر اس کو جہنمی ٹاٹ میں رکھ لیتے ہیں اس میں سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ روئے زمین پر اس کی مثل بدبو نہیں پائی جاتی (اس کا جسد تو زمین پر پڑا ہوتا ہے) اور اس کی روح کو لے کر فرشتے آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو وہ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ خبیث روح کس کی ہے؟ یہ اس کے ناموں میں سے بدترین نام جو دنیا میں تھا، بتاتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کی روح ہے! پھر آسمانوں میں سے گزرنے کے لئے دروازے کھلوانا چاہتے ہیں تو اس خبیث روح کے لئے دروازے نہیں کھلتے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ (بے شک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلیں گے) پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کتاب سجین میں لکھو[1]۔ جو سب سے نیچے کی زمین میں ہے۔ پھر اس کی روح کو وہاں سے پھینک دیا جاتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ۔ الآیہ (جو اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا) پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا! پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کون سا ہے؟ تو وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا! پھر پوچھتے ہیں یہ مرد کامل کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے

[1]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ ۝ (المطففین: 7) بے شک فجار کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔

تھے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ اسی وقت آسمان سے ایک ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ میرا بندہ جھوٹا ہے اس کے لئے آگ کا فرش بچھا دو اور آگ کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دو تو اس کو دوزخ کی سخت گرم اور بدبودار ہوائیں آنے لگتی ہیں اور اس کی قبر اس پر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ پھر اس کے پاس ایک شخص نہایت بدشکل، بدلباس اور بدبودار آتا ہے اور کہتا ہے تجھے بربادی اور ناکامی کی بشارت ہو یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ اس سے پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے سے شر اور برائی برس رہی ہے؟ فَيَقُوْلُ اَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ تو وہ کہتا ہے کہ میں تیرا بد عمل ہوں! پھر یہ کہتا ہے اے رب قیامت قائم نہ کر۔ (ابن کثیر، ص 371 ج 3، درمنثور، شرح الصدور، ص 22، ابوداؤد: 4753، مصنف ابن ابی شیبہ: 12059، کنز العمال: 42496)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مومن کی موت آتی ہے اس کے پاس ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔

فَسَلَّمُوا عَلَيْهِ وَبَشَّرُوْهُ بِالْجَنَّةِ فَاِذَا مَاتَ مَشَوا مَعَ جَنَازَتِهِ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيْهِ مَعَ النَّاسِ فَاِذَا دُفِنَ اُجْلِسَ فِي قَبْرِهِ فَيُقَالُ لَهُ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ! فَيُقَالُ لَهُ مَنْ رَسُوْلُكَ؟ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فَيُقَالُ لَهُ مَا شَهَادَتُكَ؟ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ فَذٰلِكَ قَوْله يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الاية فيوسع له فى قبره

تو اس پر سلام بھیجتے ہیں اور اس کو جنت کی بشارت دیتے ہیں پھر جب وہ مرجاتا ہے تو اس کے جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔ پھر لوگوں کے ساتھ اس پر نماز پڑھتے ہیں پھر جب وہ دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کو اس کی قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے! پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رسول کون ہے؟ وہ کہتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ

مد بصرہ، واما الکافر فتنزل الملئکۃ فیبسطون ایدیھم والبسط ھو الضرب یضربون وجوھھم وادبارھم عند الموت فاذا دَخَلَ قبرہ اقعد فقیل لَہُ من ربك؟ فلم یرجع اِلَیھم شَیْئًا وَانْسَاہ اللہ ذکر ذٰلِكَ وَاِذَا قِیل لَہُ مِنَ الرَّسُول الَّذِیْ بعث اِلَیْکم لَمْ یھتد لَہُ وَلَم یرجع اِلَیھم شَیْئًا۔ فذالك قولہ، وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ الآیۃ۔ (ابی حاتم:12267، بیہقی اثبات عذاب القبر : 233، شرح الصدور، ص 85، تفسیر الثعلبی، ص317ج5)

تیری گواہی کیا ہے؟ تو وہ کہتا ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ پس یہ مطلب ہے اللہ کے قول یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الآیہ کا۔ پھر اس کے لئے اسکی قبر میں منتہائے نظر تک کشادگی کر دی جاتی ہے اور رہا کافر سو اس کے پاس ملائکہ آتے ہیں پھر وہ اپنے ہاتھوں کو پھیلاتے ہیں یعنی کفار کے مرنے کے وقت ان کے مونھوں پر اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو وہ بٹھا دیا جاتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ ان کو کچھ جواب نہیں دیتا اور اللہ اس کو یہ یاد بھلا دیتا ہے اور جب اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کون رسول ہے جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا تو وہ اس کی جانب راستہ نہیں پاتا اور ان کو کچھ جواب نہیں دیتا۔ سو یہ مطلب ہے اللہ کے قول ''وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ'' آلایہ کا

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾ (الفجر)

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے خاص بندوں میں

داخل ہو اور میری جنت میں آ۔

یہ بشارت حسنہ مومن کو اس کی موت کے وقت دی جاتی ہے کہ اے اللہ کی یاد اور اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی بدولت چین اور اطمینان حاصل کرنے والے صاحب نفس مطمئنہ اب اپنے رب کی طرف رجوع کر۔

چناں چہ گزشتہ سطور میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی پڑھ چکے ہیں کہ ملک الموت علیہ السلام مومن کی موت کے وقت اس کے سر کے پاس بیٹھ کر فرماتے ہیں: ایتها النفس المطمئنة اخرجی الی مغفرة من الله و رضوان اے نفس مطمئنہ اللہ کی بخشش اور اس کی رضامندی کی طرف نکل۔ (کنز العمال:42495)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کو موت آتی ہے تو اس کے پاس فرشتے ریشمی کپڑے لے کر آتے ہیں جن میں مشک اور پھولوں کے گلدستے ہوتے ہیں اور اس کی روح اس طرح آسانی سے نکال لی جاتی ہے جس طرح آٹے سے بال اور کہا جاتا ہے:

اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَّرْضِيًّا عَنْكِ اِلٰى رَوْحِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهٖ فَاِذَا خَرَجَتْ رُوْحُهٗ وُضِعَتْ عَلٰى ذٰلِكَ الْمِسْكِ وَ الرَّيْحَانِ وَطُوِيَتْ عَلَيْهَا الْحَرِيْرَةُ وَذُهِبَ بِهَا اِلٰى عِلِّيِّيْنَ۔

(شرح الصدور:26، البزار:9541، درمنثور، ص 8 3 ج 8، التذکرہ باحوال الموتی و امور الآخرۃ، ص228 ج1)

اے روح پاک اللہ کی رحمت و کرامت کی طرف نکل یوں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی تو جب اس کی روح نکلتی ہے (فرشتے) اس کو مشک اور پھولوں میں رکھ کر اس پر ریشمی کپڑے لپیٹ دیتے ہیں اور اس کو علیین کی طرف لے جاتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور یہی آیتیں يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ الخ پڑھیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کتنا اچھا قول

ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

اَمَّآ اِنَّ الْمَلَكَ سَيَقُوْلُ لَكَ هٰذَا عِنْدَ الْمَوْتِ (ابن کثیر، ص 510 ج 4، درمنثور، ص 350 ج 6، کنزالعمال: 35591، تفسیر ابن ابی حاتم: 19288، تفسیر ابن کثیر، ص 390 ج 8)

کہ بلاشبہ تمہیں موت کے وقت فرشتہ یہی کہے گا۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ (النحل)

وہ (متقی پرہیزگار) جن کی روحیں قبض کرتے فرشتے اس حال میں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں، یہ کہتے ہوئے کہ سلامتی ہو تم پر جنت میں جاؤ نیک اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔

یعنی وہ پاکیزہ نفوس جو کفر و شرک اور فسق و فجور کی آلودگی سے پاک ہوتے ہیں ان کو موت کے وقت جنت و رحمت کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس حالت میں موت انہیں خوشگوار معلوم ہوتی ہے اور ان کی جان فرحت و سرور کے ساتھ نکلتی ہے اور فرشتے عزت و کرامت کے ساتھ ان کی روح قبض کرتے ہیں چناں چہ حضرت محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ مومن کی جان کے نکلنے کا وقت آجاتا ہے تو ملک الموت تشریف لا کر کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللهِ، اَللهُ يُقْرِئُكَ السَّلَامُ اے اللہ کے دوست تجھ پر سلام ہو، اللہ بھی تجھے سلام فرماتا ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ (شرح الصدور، ص 36)

اللہ تعالیٰ کے فرمان تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (الاحزاب: 44) ان کی دعائے ملاقات جس دن وہ اللہ سے ملاقات کریں گے سلام ہے۔ کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان پر سلام بھیجے گا اور فرشتے بھی سلام کہتے ہوئے ان کے پاس آئیں گے اور روحیں بھی آپس میں ملتے وقت دعائے خیر کریں گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب ملک الموت کسی ولی اللہ کے پاس آتے ہیں تو وہ اس پر سلام بھیجتے ہیں اور ان کا سلام یہ ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللهِ قُمْ فَاخْرُجْ مِنْ دَارِكَ الَّتِيْ خَرَّبْتَهَا اِلٰى دَارِكَ الَّتِيْ عَمَّرْتَهَا وَاِذَا لَمْ يَكُنْ وَلِيَّ اللهِ قَالَ لَهٗ قُمْ فَاخْرُجْ مِنْ دَارِكَ الَّتِيْ عَمَّرْتَهَا اِلٰى دَارِكَ الَّتِيْ خَرَّبْتَهَا

(شرح الصدور، ص36)

اے اللہ کے دوست تجھ پر سلام ہو، اٹھو اور نکلو اپنے اس گھر (دنیا) سے جس کو تم نے ویران کیا اپنے اس گھر (آخرت) کی طرف جس کو تم نے آباد کیا اور جب (مرنے والا) اللہ کا دوست نہیں ہوتا تو وہ اس سے کہتے ہیں اٹھ اور نکل اپنے اس گھر (دنیا) سے جس کو تو نے آباد کیا، اپنے اس گھر (آخرت) کی طرف جس کو تو نے ویران کیا۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾

(الواقعہ)

پھر وہ مرنے والا اگر مقربوں میں ہے تو (اس کے لئے) راحت اور گلزار اور روزی ہے اور نعمت کا باغ۔

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ (الواقعہ)

اور پھر وہ مرنے والا اگر جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو اس کی مہمانی کھولتا پانی اور آگ میں ڈالنا ہے بے شک یہ اعلیٰ درجہ کی یقینی بات ہے۔

ان دونوں آیتوں میں مومنوں، مقربوں اور مکذبوں، گمراہوں کی اس حالت کا بیان ہے جب کہ وہ دنیا سے مفارقت اختیار کرتے ہیں کیوں کہ ان آیتوں سے پہلے صریح طور موت کا بیان ہے: فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ۔ تو مقربین تو موت کے بعد عالم برزخ میں اعلیٰ درجہ کی روحانی وجسمانی راحت وآرام میں پہنچ جاتے ہیں اور مکذبین گمراہ بے دین

جسمانی وروحانی عذاب میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو اس کے پاس رحمت کے فرشتے سفید حریر لے کر حاضر ہوتے ہیں۔

فَيَقُوْلُوْنَ اخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَّرْضِيًّا عَنْكِ اِلٰى رَوْحِ اللّٰهِ وَ رَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ......وَاَمَّا الْكَافِرُ فَتَاْتِيْهِ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَيَقُوْلُوْنَ اخْرُجِيْ سَاخِطَةً مَّسْخُوْطًا عَلَيْكِ اِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ وَسُخْطِه (شرح الصدور، ص 26، کنز العمال: 42169، البزار: 9542، نسائی: 1972، مرقاۃ: 1629)

اور اس کی روح سے کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت و راحت اور ریحان اور رب مہربان کی طرف نکل یوں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی......اور کافر کے پاس عذاب کے فرشتے ٹاٹ لے کر آتے ہیں تو اس کی روح سے کہتے ہیں کہ اللہ کے عذاب اور غضب کی طرف نکل یوں کہ تو اس سے ناراض اور وہ تجھ سے ناراض۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ مَا يُبَشَّرُ بِهِ الْمُؤْمِنُ عِنْدَ الْوَفَاةِ بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّجَنَّةِ نَعِيْمٍ وَاِنَّ اَوَّلَ مَا يُبَشَّرُ بِهِ الْمُؤْمِنُ فِيْ قَبْرِهٖ اَنْ يُّقَالَ لَهٗ اَبْشِرْ بِرِضَآءِ اللّٰهِ وَالْجَنَّةِ قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لِمَنْ شَيَّعَكَ اِلٰى قَبْرِكَ وَصَدَّقَ مَنْ شَهِدَ لَكَ وَاسْتَجَابَ لِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَكَ (شرح الصدور، ص 35، جامع الاحادیث: 9632، درمنثور، ص 37 ج 8، الترغیب لابن شاہین: 410، کنز العمال: 42355)

بلاشبہ پہلی بشارت جو مومن کو اس کی وفات کے وقت دی جاتی ہے وہ روح و ریحان اور جنت نعیم کی ہے اور بلاشبہ پہلی بشارت جو مومن کو اس کی قبر میں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے کہا جاتا ہے تو اللہ کی رضا اور جنت (کے حصول) پر خوش ہو۔ تیرا آنا مبارک اور بے شک اللہ نے ان کو بخش دیا جنہوں نے تجھ کو تیری قبر تک پہنچایا اور ان کی تصدیق جنہوں نے تیرے لئے گواہی دی اور ان کی دعا قبول فرمائی جنہوں نے

تیرے لئے بخشش چاہی۔

حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس روز میں نے ایک آواز سنی، کوئی کہتا ہے:

اَبْشِرْ یَا ابْنَ عَفَّانَ بِرَوْحٍ وَّ رَیْحَانٍ
اے ابن عفان تو روح و ریحان کے ساتھ خوش ہو۔

اَبْشِرْ یَا ابْنَ عَفَّانَ بِرَبٍّ غَیْرِ غَضْبَانَ۔
اے ابن عفان تو رب غیر غضبان کے ساتھ خوش ہو۔

اَبْشِرْ یَا ابْنَ عَفَّانَ بِرِضْوَانٍ وَّغُفْرَانٍ۔
اے ابن عفان تو رضوان وغفران کے ساتھ خوش ہو۔

قَالَ فَالْتَفَتُّ فَلَمْ اَرَ اَحَدًا۔
فرماتے ہیں میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔

(شرح الصدور، ص35)

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰ (حم السجدہ)

بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ذلك عند الموت کہ فرشتوں کی یہ بشارتیں مومنین وصالحین کو موت کے وقت دی جاتی ہیں چناں چہ پہلی بشارت ان لا تخافوا مما تقدمون علیه من الموت و امر الاخرۃ کا مطلب یہ ہے کہ تم اس سے مت ڈرو جس پر تم آتے ہو یعنی موت اور امر آخرت اور دوسری بشارت ولا تحزنوا علی ما خلفتم من امر دنیاکم من ولد واهل او دین فانه سیخلفکم فی ذلك کله یہ کہ اس پر غم نہ کھاؤ جو تم اپنی دنیا کے امور اولاد اور بیوی اور قرض وغیرہ پیچھے چھوڑ آئے ہو کیوں کہ ان سب امور میں اللہ تعالیٰ تمہارا خلیفہ ہوگا (شرح الصدور، ص36)۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

يُؤْتَى الْمُؤْمِنُ عِنْدَ الْمَوْتِ فَيُقَالُ لَهٗ لَا تَخَفْ فَمَآ اَنْتَ قَادِمٌ عَلَيْهِ فَيَذْهَبُ خَوْفُهٗ وَلَا تَحْزَنْ عَلَى الدُّنْيَا وَلَا عَلٰٓى اَهْلِهَا وَاَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ فَيَمُوْتُ وَقَدْ اَقَرَّ اللّٰهُ عَيْنَيْهِ (شرح الصدور، ص36)

مومن کی موت کے وقت فرشتے اس کے پاس آتے ہیں پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اس سے مت خوف کھا جس پر تو آنے والا ہے (یعنی موت) تو اس کا خوف جاتا رہتا ہے اور تو دنیا اور اہل دنیا (کے معاملات) پر غم نہ کر اور تو جنت (کی خوش خبری) کے ساتھ خوش ہو پس وہ ایسی حالت میں مرتا ہے کہ اللہ اس کی آنکھ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ (طٰہٰ)

اور جس نے میری یاد یا میرے ذکر قرآن سے منہ پھیرا تو اس کے لئے (قبر کی) زندگی کو تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کافر سے قبر میں سوالات کیے جاتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرے نبی کون ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔

فَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ وَيُعَذَّبُ فِيْهِ ثُمَّ قَرَاَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (شرح الصدور، ص52، در منثور، ص311 ج4، تفسیر

تو اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے اور وہ اس میں عذاب پاتا ہے۔ پھر حضرت ابن مسعود نے پڑھا وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ الآیۃ۔

ابن ابی حاتم:13565، اثبات عذاب القبر للبیہقی،ص29 ج1)

انہی سے روایت ہے:

وَاَمَّا الْكَافِرُ فَيُضْرَبُ ضَرْبَةً يَلْتَهِبُ قَبْرُهٗ مِنْهَا نَارًا وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ عَلَيْهَا اَضْلَاعُهٗ وَتُبْعَثُ عَلَيْهِ حَيَّاتٌ مِّنْ حَيَّاتِ الْقَبْرِ كَاَعْنَاقِ الْاِبِلِ

(شرح الصدور،ص52)

اور رہا کافر تو وہ ایسی مار مارا جاتا ہے جس سے اس کی قبر میں آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس پر اس کی پسلیاں مختلف ہو جاتی ہیں اور اس پر قبر کے سانپوں میں سے ایسے سانپ کھڑے کیے جاتے ہیں جیسے اونٹوں کی گردنیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ فِیْ قَبْرِهٖ فِیْ رَوْضَةٍ وَيُرَحَّبُ لَهٗ قَبْرُهٗ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا وَّيُنَوَّرُ لَهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ اَتَدْرُوْنَ فِيْمَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ عَذَابُ الْكَافِرِ فِیْ قَبْرِهٖ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنَّهٗ يُسَلَّطُ عَلَيْهِ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ تِنِّيْنًا يَنْفُخُوْنَ فِیْ جِسْمِهٖ وَيَلْسَعُوْنَهٗ وَيَخْدِشُوْنَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

(شرح الصدور،ص66، درمنثور،ص311 ج4، تفسیر الطبری،ص394 ج18، اثبات عذاب القبر للبیہقی:68، تفسیر ابن کثیر،ص

مومن اپنی قبر میں ایک باغ میں ہوتا ہے اور اس کے لئے اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن کر دی جاتی ہے کیا تم جانتے ہو کہ یہ آیت ''فان له معیشة ضنکا'' کس بارے میں اتری ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! فرمایا کافر کے عذاب قبر کے بارے میں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس پر ننانوے اژدھا مسلط کیے

284 ج 5، مجمع الزوائد: 4286، المطالب العالیہ: 4538، کنز العمال: 3012)

جاتے ہیں جو قیامت تک اس کے جسم میں پھونکتے اور اس کو ڈستے اور نوچتے رہیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً روایت ہے کہ ''مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' سے مراد عذاب قبر ہے۔ (در منثور، ص 311 ج 4)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ ''معیشۃ ضنکا'' سے قبر کی یعنی برزخی زندگی مراد ہے ورنہ ذکر الٰہی سے اعراض کرنے والے کفار وغیرہ کی دنیاوی زندگی تو عیش وعشرت اور فراخی کے ساتھ گزرتی ہے الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔

وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ (الانعام)

کاش تم دیکھو جب کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ کہ نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم اللہ پر ناحق بہتان لگاتے تھے اور تم اس کی آیتوں (کے ماننے) سے تکبر کیا کرتے تھے۔

اس آیت سے صاف طور پر یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ عذاب قبر کے بارے میں ہے کیوں کہ فرشتوں کا یہ خطاب ظالموں سے موت کے وقت ہوتا ہے اور فرشتے یہ خبر دے رہے ہیں کہ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ اگر اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہو تو پھر الیوم تجزون کیونکر صحیح ہوگا اور یہ بھی یاد رہے کہ آج سے مراد ہمارا دنیاوی آج نہیں ہے بلکہ برزخ کا پورا زمانہ ہے۔ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کافر کو موت آتی ہے تو فرشتے اس کے پاس ایک ٹاٹ لے کر آتے ہیں جس میں انگارہ ہوتا ہے اور اس کی روح کو نہایت سختی کے ساتھ کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں:

اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اخْرُجِيْ سَاخِطَةً مَّسْخُوْطًا عَلَيْكِ اِلٰى هَوَانِ اللّٰهِ وَعَذَابِهٖ فَاِذَا خَرَجَتْ رُوْحُهٗ وُضِعَتْ عَلٰى تِلْكَ الْجَمْرَةِ فَاِنَّ لَهَا نَشِيْشًا وَّيُطْوٰى عَلَيْهَا الْمِسْحُ وَيُذْهَبُ بِهَآ اِلٰى سِجِّيْنٍ

(شرح الصدور، ص 27)

اے خبیث روح اللہ کی ذلت اور اس کے عذاب کی طرف نکل یوں کہ تو اس سے خفا اور وہ تجھ سے خفا۔ پھر جب اس کی روح باہر آجاتی ہے تو وہ اس انگارہ پر رکھی جاتی ہے جس کے جلنے کی آواز آتی ہے اور اس پر ٹاٹ لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو سجین کی طرف لے جاتے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۙ﴿۵۱﴾ (الانفال)

اور کبھی تم دیکھو جب کہ فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں تو مارتے ہیں ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر اور (کہتے ہیں کہ) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو یہ تمہارے ہاتھوں کے پہلے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ (محمد)

تو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کو وفات دیں گے ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوئے یہ اس لئے کہ انہوں نے اس کی پیروی کی۔ جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اللہ کی رضا مندی کو پسند نہ کیا تو اللہ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا۔

ان آیات سے بھی ثابت ہوا کہ موت کے وقت ہی سے کفر وعصیان کی سزا کا دور

شروع ہو جاتا ہے اور یہ سزا بلا وجہ نہیں دی جاتی بلکہ انسان کے اپنے عقائد کفریہ باطلہ اور اعمال قبیحہ کا نتیجہ ہوتی ہے اور اس سزا کا احساس اسی کو ہوتا ہے جس کو یہ سزا دی جاتی ہے اور یہ مار جوان کے موٹھ پیٹھ پر پڑتی ہے یہ اس بے جان لاشہ کا منہ اور پیٹھ نہیں ہے جو لاشہ لوگوں کے سامنے پڑا ہوتا ہے بلکہ کافر کی روح کو ایک جانور کی صورت میں مثالی جسم دیا جاتا ہے اس مثالی جسم کو ہنکاتے وقت اس کے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہوئے لئے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو۔ کما قال اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۣ الْمَسَاقُ (القیامۃ:30) اس دن تیرے رب کی طرف سے ہنکایا جانا۔

وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ (الطور)

اور بے شک ظالموں کے لئے اس (عذاب آخرت) سے پہلے ایک عذاب ہے مگر ان میں کے اکثر نہیں جانتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''عذاب القبر قبل یوم القیمۃ'' کہ قیامت کے دن کے عذاب سے پہلے قبر کا عذاب ہے۔

(در منثور، ص120 ج6)

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ (المومن)

آگ ہے جس پر صبح وشام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔

قیامت کے قائم ہونے سے پہلے فرعونیوں کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جانا عذاب قبر کی صریح دلیل ہے اور پھر قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں داخلہ کا حکم اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ برزخ کا عذاب، عذاب آخرت سے نرم ہے یعنی بطور نمونہ آنے والے سخت عذاب کا کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے ایسے ہی مومنوں نیکوکاروں کو جنت کے عیش وآرام کا کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے۔

وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ (السجدہ:21)

اور البتہ ضرور چکھائیں گے ہم ان کو ادنیٰ عذاب میں سے ورے اس بہت بڑے عذاب سے تاکہ وہ باز آئیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو عذابوں کی خبر دی ہے "ادنیٰ" اور "اکبر" اور ادنیٰ کے ساتھ من فرمایا یعنی ادنیٰ عذاب میں سے کچھ تو ان کو دنیا میں چکھایا جائے گا تاکہ باز آئیں اور ادنیٰ کا باقی قبر یعنی برزخ میں چکھایا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یوں نہیں فرمایا۔ ولنذیقنھم العذاب الادنی اور البتہ ہم ضرور چکھائیں گے ان کو عذاب ادنیٰ فافھم اور عذاب اکبر قیامت کے دن ہوگا۔ اس کی تائید صریح طور پر ایک اور آیت سے بھی ہوتی ہے فرمایا:

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ (التوبہ)

ہم انہیں عذاب دیں گے دوبارہ پھر وہ لوٹائے جائیں گے عذاب الیم کی طرف

اس آیت میں کتنی صراحت ہے کہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جانے سے پہلے دو بار عذاب ہوگا ایک بار دنیا میں اور ایک بار قبر یعنی برزخ میں چناں چہ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو بار عذاب اس طرح ہے کہ:

يُبْتَلُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَ عَذَابِ الْقَبْرِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ قَالَ عَذَابُ جَهَنَّمَ (درمنثور، ص272 ج3)

دنیا میں بلاؤں میں اور قبر میں عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے پھر عذاب عظیم یعنی جہنم میں لوٹائے جائیں گے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ (نوح)

اپنی کیسی خطاؤں پر وہ ڈبو دیئے گئے، پھر آگ میں داخل کیے گئے تو انہوں نے اللہ کے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پایا۔

اس آیت میں قوم نوح کے طوفان میں غرق ہونے کا ذکر ہے کہ وہ اپنے گناہوں اور اپنی خطاؤں کی بدولت غرق کر دیئے گئے اور غرق ہونے کے فوراً بعد آگ میں داخل کیے جانے کا ذکر ہے یعنی بظاہر پانی میں ڈوبے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔

قیامت سے پہلے ہلاکت دنیا کے بعد آگ میں داخل ہونا وہی برزخ کے عذاب ہی میں داخل ہونا ہے۔

اللہ کی راہ میں (جان قربان کرنے والے) شہیدوں کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (آل عمران:169-170)	بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ شہداء کو برزخ ہی میں کامل زندگی کے ساتھ جنت کی روزی ملتی ہے، جس طرح کافروں کی روحوں کو جانوروں کی صورت میں مثالی جسم دیا جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ عذاب ہوتا ہے، اسی طرح مومنین صالحین کی ارواح کو پرندوں کی صورت میں مثالی جسم دیا جاتا ہے خصوصاً شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں ہوتی ہیں اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہوتی ہیں۔ وہ جنت کی نہروں پر سیر کرتی ہیں اور جنتی میوے کھاتی ہیں یعنی یہی مثالی اجسام ان کے عیش و آرام کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عذاب قبر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا نعم عذاب القبر حق ہاں عذاب قبر ہے اور فرماتی ہیں:

فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (بخاری:1372)	کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا مگر آپ نے نماز کے بعد دعا میں عذاب قبر سے پناہ مانگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ	اے اللہ میں عذاب قبر سے اور عذاب دوزخ سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ

مانگتا ہوں۔ (بخاری: 1377)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی نجار کے نخلستان میں داخل ہوئے تو آپ نے بنی نجار کے چند مردوں کی آواز سنی جو زمانہ جاہلیت میں مر چکے تھے وہ اپنی قبروں میں عذاب دیئے جا رہے تھے۔

فَخَرَجَ فَزِعًا فَاَمَرَ اَصۡحَابَهٗ اَنۡ يَّتَعَوَّذُوۡا مِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ (شرح الصدور، ص 66، مصنف عبدالرزاق: 6742، مسند احمد: 14152، مجمع الزوائد: 4282، ترتیب الامالی الخمیسیہ :2962)

تو آپ وہاں سے گھبرائے ہوئے نکلے اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ وہ عذاب قبر سے پناہ مانگیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا الۡقَبۡرُ رَوۡضَةٌ مِّنۡ رِّيَاضِ الۡجَنَّةِ اَوۡ حُفۡرَةٌ مِّنۡ حُفَرِ النَّارِ۔ (شرح الصدور، ص 63، ترمذی: 2460، التذکرہ، ص 318 ج 1، تفسیر کبیر، ص 126 ج 4)

کہ قبر یا تو ایک باغ ہے جنت کے باغوں سے یا ایک گڑھا ہے دوزخ کے گڑھوں سے۔

ان آیات و احادیث میں مومنین و صالحین کا جنت میں اور کفار و منافقین وغیرہ کا عذاب آگ میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روحانی طور پر تو وہ وفات کے بعد ہی داخل ہو جاتے ہیں، ہاں روحانی وجسمانی طور پر پوری طرح حشر کے بعد داخل ہوں گے، بہر حال قرآن کریم کی سولہ آیات اور چار احادیث مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ قبر یعنی برزخ کا ثواب و عذاب، راحت و تکلیف بالکل برحق ہے۔ قرآن و حدیث پر ایمان رکھنے والا اس کا انکار نہیں کر سکتا اور جو اس کا انکار کرتا ہے وہ اصدق الصادقین اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم، رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتا ہے۔ افسوس کہ بعض مسلمان کہلانے والے بھی گمراہ اور بے دین لوگوں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے عذاب قبر اور ثواب قبر کے منکر ہو گئے ہیں وہ چند شبہات میں گرفتار ہیں۔

شبہات اور جوابات

منکرین ثواب و عذاب قبر ظاہر حالات پر نظر رکھتے ہوئے ثواب و عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اور چند شبہات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً مومن کے لئے قبر کا کشادہ اور کافر کے لئے تنگ ہو جانا۔ مومن کے لئے قبر کا باغ بہشت اور کافر کے لئے جہنم کا گڑھا بن جانا۔ قبر میں خوشبو، بدبو، پھل پھول اور سانپ بچھوؤں وغیرہ کا ہونا خلاف مشاہدہ ہے، نیز جو شخص جل کر راکھ ہو گیا یا ڈوب کر پانی کے جانوروں کی یا جنگل میں درندوں اور پرندوں کی غذا بن گیا وہ قبر میں تو گیا ہی نہیں، پھر عذاب و ثواب قبر کیسا؟ نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر کیا ہے، کسی تیسری زندگی کا ذکر نہیں لہٰذا یہ کہنا کہ قبر میں اعادہ روح ہوتا ہے یعنی مردہ کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے غلط ہے دیکھئے ارشاد ربانی ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ (البقرہ)	تم کیونکر اللہ کا انکار کرتے ہو حالاں کہ تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔
قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾ (المومن)	(دوزخی) کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو ہم کو دوبار موت دے چکا اور دوبار زندگی دے چکا اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا اب ہے کوئی نکلنے کی راہ۔

ان دو آیتوں سے ظاہر ہے کہ انسان کے لئے دو دفعہ موت دو دفعہ حیات ہے کیوں کہ جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت میں تھا تو بے جان مردہ تھا پھر جان پڑی تو زندہ ہو کر اس دنیا میں آیا پھر عمر کی معیاد پوری کر کے مرے گا پھر قیامت کے دن زندہ ہوگا۔ اس صورت میں دو دفعہ موت اور دو دفعہ حیات ہوئی۔ اگر قبر میں بھی زندہ کیا جاتا ہے تو پھر تو ہر ایک کے لئے

تین بار حیات اور تین بار موت ہوگی جو خلاف قرآن ہے۔

ان سب شبہات کے جوابات کو سمجھنے کے لئے ایک مختصر سی تمہید پیش کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین عالم بنائے ہیں۔ عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت اور ہر ایک عالم کے لئے اس نے ایسے احکام مقرر فرمائے ہیں جو اسی کے ساتھ مختص ہیں۔

انسان کو اس نے جسم و روح سے مرکب بنایا۔ عالم دنیا کے احکام جسموں پر جاری فرمائے اور روحوں کو ان کے تابع کیا کیوں کہ اس عالم میں اجسام ظاہر اور روحیں پوشیدہ ہیں اور عالم برزخ کے احکام روحوں پر جاری فرمائے اور جسموں کو ان کے تابع کیا کیوں کہ وہاں روحیں ظاہر اور اجسام پوشیدہ ہیں۔ پس جس طرح عالم دنیا میں روحوں کی تکلیف و راحت اجسام کے ذریعے سے ہے اسی طرح عالم برزخ میں اجسام کی تکلیف و راحت روحوں کے ذریعے سے ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے لطف وکرم اور اپنی قدرت عجیبہ سے اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہمیں دنیا میں اس کا نمونہ دکھایا ہے اور وہ ہے ''نیند'' کیوں کہ نیند موت کی بہن ہے۔

دیکھئے انسان سو رہا ہوتا ہے اس وقت اس کے تمام آلات ادراک واحساس اپنے گرد و پیش کی مادی دنیا سے یکسر بے خبر ہوتے ہیں گویا کہ وہ مردہ ہے اگرچہ اس کی روح کا تعلق اس کے جسم سے باقی رہتا ہے اور وہ خواب میں کسی سخت تکلیف ومصیبت یا راحت ولذت میں مبتلا ہوتا ہے۔

مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی تنگ سی جگہ میں آگ میں جل رہا ہے یا اس کو کسی نے اتنا دبایا ہوا ہے کہ اس کی پسلیاں مختلف ہوگئی ہیں یا اس پر سانپ اور بچھو وغیرہ مسلط ہیں اور وہ چیخ و پکار کر رہا ہے یا وہ کسی کشادہ اور خوش نما، دلکش باغ کی سیر کر رہا ہے اور نہایت لذیذ اور میٹھی چیزیں کھا پی رہا ہے اور خوشیوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہے اور یہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس تکلیف ومصیبت یا راحت ولذت کو بعینہ اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح کہ وہ بیداری میں کرتا ہے۔

دیکھئے دو شخص ایک ہی بستر پر سو رہے ہیں ایک کی روح راحت میں ہوتی ہے اور دوسرے کی روح عذاب میں۔ مگر ایک کو دوسرے کے حال کی بالکل خبر نہیں ہوتی۔ جب وہ دونوں جاگ اٹھتے ہیں تو دونوں کے بدن پر راحت و تکلیف کا اثر ہوتا ہے۔ نیز جس طرح جاگنے والے سونے والوں کی تکلیف و راحت اور آواز وغیرہ کو نہیں دیکھ اور سن سکتے۔ اسی طرح عالم دنیا میں رہنے والے عام برزخ کی تکلیف و راحت کو نہیں دیکھ اور سن سکتے۔

اب غور فرمایئے کہ کوئی شخص خواب سے بیدار ہو کر اپنے خواب کی کیفیت اپنے پاس بیٹھے جاگنے والے کسی شخص سے بیان کرے اور وہ کہے کہ میں نے تمہارے جسم پر تکلیف یا راحت کا کوئی احساس نہیں دیکھا لہٰذا تمہارا یہ بیان غلط ہے تو کیا اس کا یہ کہنا درست ہوگا اور وہ خواب دیکھنے والا اس کو غلط تسلیم کر لے گا؟ ہرگز نہیں! اس طرح برزخ کے حالات کے منکروں کی بات بھی قابل تسلیم نہیں البتہ جب وہ مریں گے ان کو بھی اس حقیقت کا علم ہو جائے گا۔

نیز جس طرح سونے والے کی حیات حالاں کہ وہ زندہ ہوتا ہے جاگنے والے کی حیات سے مغایر ہوتی ہے لیکن سونے والے پر حیات کے اطلاق کی نافی نہیں ہوتی بالکل اسی طرح اعادۂ روح کے بعد برزخی حیات عالم دنیا کی حیات کے مغایر ہوتی ہے لیکن برزخ والے پر موت کے اطلاق کی نافی نہیں ہوتی۔ ارشاد ربانی ہے:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا ۚ فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَ یُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

(الزمر)

اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مری ہیں ان کو ان کی نیند میں (وفات دیتا ہے) تو جس پر اس نے موت کا حکم جاری کر دیا ہوتا ہے اس کو روک لیتا ہے اور دوسری جان (جس پر موت کا حکم نہیں، یعنی نیند والی) کو ایک مقرر معیاد تک چھوڑ دتا ہے۔ بلاشبہ اس

میں ضرور نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لئے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىكُمۡ بِالَّیۡلِ وَ یَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُكُمۡ فِیۡهِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی (انعام:60)

اور وہی ہے جو تمہیں رات کو وفات دیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ کہ تم دن میں کر چکے ہو۔ پھر تم کو اٹھا دیتا ہے دن میں تا کہ (تمہاری عمر کی) مقررہ معیاد پوری کر دی جائے۔

ان دونوں آیتوں سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ جس طرح موت کے وقت روح نکلتی ہے اسی طرح نیند کے وقت بھی نکلتی ہے مگر موت کے وقت نکلنے والی روح کو اللہ تعالیٰ واپس کر کے جگاتا نہیں اور نیند میں نکلنے والی روح کو واپس کر کے جگا دیتا ہے معلوم ہوا کہ موت اور نیند ایک دوسری کی مانند ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ روح جسم سے جدا ہو کر پھر واپس آ سکتی ہے تو جس طرح سونے والا خواب میں مختلف کیفیتوں سے دو چار ہوتا ہے اسی طرح مرنے والا بھی خواب میں مختلف کیفیتوں میں مبتلا ہوتا ہے۔لیکن سونے والا جب جاگ اٹھتا ہے تو خواب کی کیفیت اس سے دور ہو جاتی ہے اور مرنے والے کو قیامت تک اس خواب کی کیفیت میں مبتلا رہنا ہے کیوں کہ وہ قیامت کے دن جاگے گا۔ نیز دوسری آیت میں الفاظ ثُمَّ یَبۡعَثُكُمۡ فِیۡهِ میں غور فرمایئے۔ یَبۡعَثُكُمۡ کا مادہ ہے بعث اور اس کا معنی زندہ کرنا، بھیجنا، اٹھانا اور جگانا و بیدار کرنا کے بھی ہیں چناں چہ قرآن کریم میں موت کے بعد زندہ ہونے اور نیند سے بیدار ہونے پر بھی اس لفظ بعث کا اطلاق ہوا ہے ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ (بقرہ:5)

پھر ہم نے تمہیں زندہ کیا تمہاری موت کے بعد

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (البقرہ:259)

تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس تک پھر اسے زندہ کر دیا۔

ان دونوں آیتوں میں ''بعث'' کا اطلاق موت کے بعد زندہ ہونے پر ہوا ہے۔
اصحاب کہف کے ذکر میں فرمایا: وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ اور تم انہیں جاگتا گمان کرو گے حالاں کہ وہ سو رہے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ اور یونہی ہم نے ان کو جگا دیا کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں۔ (الکہف:19-18)
قیامت کے دن لوگ جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو وہ

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (یس) کہیں گے ہائے ہماری خرابی۔ کس نے ہمیں ہمارے سونے کی جگہ سے اٹھا دیا (کہا جائے گا) یہی ہے وہ (دن) جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا۔ اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا۔

ان دونوں آیتوں میں ''بعث'' کا اطلاق نیند کے بعد جاگنے اور بیدار ہونے پر ہوا ہے اور دوسری آیت میں خصوصاً غور فرمائیے کہ جو لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے وہ کہیں گے کہ ہائے ہمیں کس نے ہماری خواب گاہ سے اٹھا دیا۔ ثابت ہو گیا کہ عالم برزخ مثل ایک خواب گاہ کے ہے اور عالم برزخ میں رہنے والا مثل ایک سونے والے کے خواب میں ہے۔ چناں چہ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ قبر میں فرشتوں کے سوال و جواب کے بعد نیکوکار مومنوں سے کہا جاتا ہے کہ نم کنومة العروس کہ دلہن کی نیند سو جاؤ۔

اس گفتگو کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح ''نیند'' عالم دنیا کی زندگی میں موت وحیات کی ایک درمیانی حالت اور کیفیت کا نام ہے اسی طرح قبر جو عالم آخرت کی زندگی میں پہلی منزل ہے، کی ''نیند'' بھی ایک موت وحیات کی درمیانی حالت اور کیفیت کا نام ہے۔ اسی لئے اس کو برزخ فرمایا گیا ہے وللہ الحمد۔

رہا یہ خیال کہ جو ڈوب گئے یا جل گئے یا جانوروں کی خوراک بن گئے وہ قبر میں تو گئے ہی نہیں پھر ان کے لئے عذاب یا ثواب قبر کیسا؟

اس کا جواب دینے سے پہلے عرض یہ ہے کہ منکرین عذاب وثواب قبر بھی آخرت کی زندگی کے تو قائل ہیں جیسا کہ دو زندگیوں اور دو موتوں کا ذکر ہوا تو وہ اس آیت میں غور فرمائیں اور جواب دیں۔

وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷ (الحج)

اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور بے شک اللہ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں۔

اس آیت میں ہے کہ قیامت کے دن ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں، تو کیا جو قبروں میں نہیں گئے ڈوب گئے یا جل گئے وغیرہ وغیرہ ان کو نہیں اٹھائے گا؟ منکرین کے اس خیال کے مطابق تو یہ اٹھانا انہیں کے ساتھ مخصوص ہوگا جو قبروں میں گئے اور جو قبروں میں نہیں گئے وہ اٹھیں گے ہی نہیں۔ ان کی جزا و سزا کا معاملہ تو بالکل ختم ہوگیا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اصل میں اس قسم کے خیالات رکھنے والے اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت پر ایمان نہیں رکھتے کیوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت و طاقت کا علم نہیں۔ کیا وہ قرآن کریم کی اس آیت میں غور نہیں کرتے:

مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ (لقمان:28)

تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا (اللہ کے لئے) ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک جان کا (پیدا کرنا)

یعنی اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں۔ اس کے لئے سارے جہان کا پیدا کرنا اور ایک آدمی کا پیدا کرنا دونوں برابر ہیں۔ وہ ایک کن کہہ کر جو چاہے کر ڈالے اور لفظ کن کہنے پر بھی موقوف نہیں بلکہ وہ صرف ارادہ ہی فرمالے تو سب کچھ ہو جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ''بدیع'' ہے اور ابداع کے معنی یہ ہیں کہ بغیر آلات واسباب کے کسی چیز کو معرض وجود میں لایا جائے اور بغیر آلات وتدابیر واسباب خارجی کے وجود میں آنے کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ اس کا حکم یا ارادہ ہو اور وہ چیز موجود ہو جائے تو بلاشبہ وہ

بدیع کائنات جس نے تمام کائنات کی چیزوں کو اسی طرح پیدا فرمایا وہ برزخ میں بھی منتشر اجزاء پر سب کچھ واقع کرسکتا ہے۔

یاد رکھئے! قیامت کے دن اٹھانا انہی کے لئے مخصوص نہیں ہے جو قبروں کے اندر دفن ہوئے بلکہ ہر میت کے لئے خواہ وہ خاک کے اندر ہو یا دریا وسمندر کی گہرائی میں ہو یا کسی جانور کے پیٹ میں ہو کیوں کہ اصطلاح شریعت میں قبر سے مراد ہر وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم جگہ پاتا ہے۔

نیز برزخ میں عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے اس لئے کہ اصل مکلف روح ہے جسم نہیں ہاں جسم متاثر ضرور ہوتا ہے لیکن براہ راست نہیں بلکہ ایک مثالی جسم کے ذریعہ سے جیسا کہ دنیا کی زندگی کے خواب جو جسم کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا اور کلام کرتا ہے اور تکلیف یا راحت پاتا ہے وہ کون سا جسم ہوتا ہے جو بستر پر پڑا ہوتا ہے یا کوئی اور؟ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ ایک اور جسم ہوتا ہے جس کو جسم مثالی کہتے ہیں جو سونے والے کی روح اختیار کرتی ہے لیکن سونے والا اس کو ہرگز کوئی غیر جسم نہیں سمجھتا۔ اسی طرح برزخ کے خواب میں بھی روح ایک مثالی جسم اختیار کرتی ہے جو درحقیقت مرنے والے کے اعمال کا مثالی جسم ہوتا ہے اور روح اس کے ذریعہ سے تکلیف وراحت پاتی ہے۔ دنیا میں اجسام تکلیف وراحت پاتے ہیں اور روح ان کے ذریعہ سے متاثر ہوتی ہیں۔ عالم برزخ میں روحیں تکلیف وراحت پاتی ہیں اور اجسام ان کے ذریعہ سے متاثر ہوتے ہیں کیوں کہ دنیا میں روح جسم کے تابع ہوتی ہے اور برزخ میں جسم روح کے تابع ہوتا ہے جس طرح دنیا میں جسم کا تعلق روح کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح برزخ میں روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔

بعض خواب ہم کو اس قسم کے نظر آتے ہیں جن میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم خواب کی دنیا میں سال ہا سال سے مقیم ہیں حالاں کہ وہ تمام واقعات صرف چند منٹوں یا گھنٹوں کی بات ہوتی ہے۔ اسی طرح عالم برزخ کے اوقات اس دنیا کے اوقات سے مختلف ہیں چناں چہ حضرت عزیر علیہ السلام اور اصحاب کہف کا واقعہ اس پر روشن دلیل ہے۔ اصل میں یہ شبہات

اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ ہم روح کے حالات اور معاملات کو جسم کے معاملات پر قیاس کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ لطیف کے حالات کو کثیف چیزیں محسوس نہیں کرسکتیں عالم برزخ کے حالات روح کے حالات ہیں اور روح کے حالات وہی دیکھ سکتے ہیں جو لطیف اور اہل روحانیت ہیں جن کی قوت قدسیہ درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے اور جن کے باطنی حواس وحی والہام کے فیض سے روشن ومنور ہیں۔

فلسفی کو منکر حنانہ است

از حواس اولیاء بیگانہ است (مثنوی)

اللہ تبارک وتعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام اور خواص اولیاء کرام کو برزخ کے حالات دکھا دیتا ہے کیوں کہ وہ اپنی قوت قدسیہ روحانیہ سے اس کا تحمل کرسکتے ہیں اور عام لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے کیوں کہ ان میں تحمل کی قوت وطاقت نہیں ہوتی چناں چہ بعض کو اللہ تعالیٰ نے مشاہدہ کرایا تو وہ بے ہوش ہوگئے اور زیادہ دیر تک زندہ نہ رہے اور بعض کا دیکھتے ہی پردہ قلب پھٹ گیا اور وہ اسی وقت مر گئے۔

دیکھئے جبرئیل امین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے جب جسمانی صورت میں حاضر ہوتے صحابہ کرام بھی ان کو دیکھتے اور ان کا کلام سنتے اور جب وہ نورانی اور روحانی صورت میں حاضر ہوتے اور آپ سے کلام کرتے تو صرف آپ انہیں دیکھتے اور ان کا کلام سنتے تھے اور حاضرین صحابہ نہ ان کو دیکھتے اور نہ ان کا کلام سنتے تھے مگر باوجود اس کے جبرئیل امین کے نزول پر یقین وایمان رکھتے تھے اور ان کا یہ ایمان ویقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرئیل امین کو دیکھتے ہیں۔

جو شخص اس بات پر ایمان ویقین نہیں رکھتا اس کو چاہیے کہ اپنے نام نہاد ایمان کی فکر کرے اس لئے کہ دین اسلام کی بنیاد ہی وحی الٰہی پر ہے اور وحی الٰہی کا ایک ذریعہ جبرئیل امین بھی ہے۔

اسی طرح جن ہمارے درمیان ہوتے ہیں اور اونچی آواز سے باتیں کرتے ہیں مگر نہ

ہم ان کو دیکھتے ہیں اور نہ ان کی باتیں سنتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی باتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے محجوب کر دیا ہے۔ حقیقت میں یہ بھی اس کی شفقت و رحمت ہے اس لئے کہ اگر وہ سب کو دکھا دے تو ایمان بالغیب نہ رہے اور ایمان بالغیب ہی ہدایت و سعادت کا باعث ہے۔ نیز اگر برزخ کے حالات سب پر عیاں ہو جاتے تو لوگ مردوں کو دفن ہی نہ کرتے چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں فَلَوْلَا اَنْ لَّا تَدَافَنُوا لَدَعَوْتُ اللّٰہَ اَنْ یُّسْمِعَکُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِیْ اَسْمَعُ مِنْہُ (مسلم شریف: 7213) پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم (مردوں کو) دفن ہی نہ کیا کرو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر سے وہ سنا دے جو میں سنتا ہوں۔

بہر حال برزخ کے متعلق قرآن و حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ بالکل حق اور عقل کے بھی مطابق ہے جو اس کا انکار کرتا ہے وہ قرآن و حدیث کی تکذیب کرتا ہے اور سخت جاہل، گمراہ اور بے دین ہے۔

اوہام پرستی

مشرکین عرب کفر و شرک کے ساتھ ساتھ قسم قسم کے اوہام کا بھی شکار تھے۔ مثلاً ان کا خیال تھا کہ میت کے پیٹ سے روح ایک پرندہ بن کر اڑتی ہے اس کو وہ ''ہامۃ'' کہتے تھے۔ یا مقتول کے سر سے ایک پرندہ پیدا ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ پکارتا رہتا ہے کہ مجھے پانی دو، مجھے پانی دو، جب تک اس کے قاتل کو قتل نہ کیا جائے اس کی پیاس نہیں بجھتی ''ہامۃ'' اسی پرندے کا نام ہے اور ''صفر'' کے متعلق یہ خیال تھا کہ یہ ایک سانپ ہے جو آدمی کے پیٹ میں رہتا ہے اور بھوک کے وقت کاٹتا ہے یہ بھوک کی تکلیف اسی کے کاٹنے سے ہوتی ہے اور وہ ایک سے دوسرے میں سرایت کر جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''صفر'' سے مراد وہی مشہور مہینہ ہے جو محرم کے بعد آتا ہے۔ اہل عرب اس کو منحوس اور آفات و بلیات کے نزول کا مہینہ خیال کرتے تھے ''عدوی'' جب کسی بیمار کے ہم نشیں یا اس کے ساتھ خورد و نوش کرنے والے کو بھی بیماری لگ جائے تو ایسے بیمار ہونے والے کو عدویٰ کہتے تھے۔ ان سب

خیالات واوہام باطلہ کا رد فرمایا گیا کہ مسلمان ان باتوں پر اعتقاد نہ رکھے۔ چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا عَدْوَى وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَمَا بَالُ الْإِبِلِ تَكُوْنُ فِي الرَّمْلِ لَكَأَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيْرُ الْأَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ

(بخاری:5717، مشکوۃ:4518)

بیماری کا لگنا، ہامہ اور صفر (وغیرہ سوائے وہم کے اور) کچھ نہیں ہے۔ ایک دیہاتی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اونٹوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ وہ (بالکل تندرست اور) ریگستان میں ہرنیوں کی طرح دوڑتے پھرتے ہوتے ہیں کہ ان میں ایک خارشی اونٹ آ جاتا ہے تو وہ سب کو خارشی بنا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (یہ بتا) سب سے پہلے اونٹ کو (جس سے یہ خارش کا سلسلہ جاری ہوا) خارش کس سے لگی۔

اسی طرح فال کے ذریعہ بدشگونی لینے کو ''طیرۃ'' کہتے ہیں۔ یہ لفظ ''طیر'' سے مشتق ہے اور عرب زمانہ جاہلیت میں کوے، شکرے اور دوسرے پرندوں سے فال وغیرہ لیا کرتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے دستور کے مطابق پرندوں کو چھوڑتے تھے اگر وہ چھوٹ کر دائیں طرف جاتے تو اس کو اچھا اور بابرکت خیال کرتے اور اگر بائیں طرف جاتے تو منحوس خیال کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فال اور بدشگونی کی تردید وممانعت کرتے ہوئے فرمایا لا طیرۃ۔ طیرۃ (وغیرہ کچھ) نہیں ہے (مشکوۃ: ص391)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ

(مشکوۃ: 4583، معجم کبیر طبرانی:941، ابن

عیافہ (پرندوں کی آوازوں، ان کے گزرنے سے فال لینا) اور طرق

(کنکریاں پھینک کر فال لینا) اور بدشگونی بیکار و وہم پرستی ہے۔ حبان:6131، مسند احمد: 20603، مصنف ابن ابی شیبہ:26403، ابوداؤد:3907، تفسیر ابن ابی حاتم:5442)

اوہام پرست لوگ ان بدفالوں کی وجہ سے بہت سے کام نہیں کرتے تھے۔ ان بد رسموں سے ممانعت فرمائی گئی اور ان پر اعتقاد رکھنے کو شرک فرمایا۔ ارشاد گرامی ہوا۔ من رجعت عن حاجته فقد اشرك جو کسی چیز سے بدفالی لے کر اپنی حاجت وضرورت سے لوٹ آیا اس نے شرک کیا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! ایسے شخص کی توبہ کا کیا کفارہ ہے فرمایا یہ کہے: اللهم لا طير الا طيرك ولا خير الا خيرك ولا اله غيرك ثم يمضى لحاجته، اے اللہ تیری فال کے بغیر کوئی فال نہیں اور تیری خیر کے بغیر کوئی خیر نہیں اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں یہ کہہ کر پھر اپنے کام کو چلا جائے۔

(مسند احمد:7045، البزار:4379، طبرانی کبیر:38، مصنف ابن ابی شیبہ:29543)

ازلام

مشرکین عرب نے تین تیر بے پروپیکان ایک تھیلی میں ڈال کر خانہ کعبہ میں قریش کے سب سے بڑے بت ''ہبل'' کے پاس رکھے ہوئے تھے ان میں سے ایک تیر پر امرنی ربی (میرے رب نے حکم دیا) لکھا تھا اور دوسرے پر نہانی ربی (میرے رب نے مجھ کو منع کر دیا) لکھا تھا اور تیسرے پر کچھ نہیں لکھا ہوا تھا ان تیروں کو ازلام کہتے تھے۔ جب کوئی مہم انہیں پیش آتی یا کسی کام مثلاً تجارت، سفر اور نکاح وغیرہ کا ارادہ کرتے تو ان کی طرف رجوع کرتے اور کچھ تحفہ لے کر بت کی نذر کرتے اور اس تھیلی میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالتے اور دیکھتے اگر امرنی ربی والا تیر نکل آتا تو فوراً وہ کام کرتے اور اگر نہانی ربی والا نکل آتا تو ایک سال تک وہ کام نہ کرتے اور اگر بغیر لکھا نکل آتا تو دوبارہ رجوع کرتے یہاں تک کہ لکھا ہوا نکلتا یہ گویا بتوں سے ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی اسلام نے اس جاہلانہ اور بیہودہ رسم سے منع فرمایا اور اسے حرام وفسق بتایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ... اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ (المائدہ:3) حرام کیا گیا ہے تم پر یہ کہ تم طلب قسمت و حکم کاموں میں تیروں کے ساتھ کرو، یہ فسق یعنی گناہ کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور فہم و دانش کی دولت عطا فرمائی ہے جس سے وہ کسی کام کے فوائد اور نقصانات کا اچھی طرح اندازہ کرسکتا ہے یہ اس کی کتنی توہین ہے کہ اس سے کام نہ لیا جائے بلکہ اتفاقات پر اپنے کاموں کی بنیاد رکھی جائے۔

اسی طرح کاہنوں، نجومیوں کے پاس جا کر آئندہ کی باتیں پوچھ کر ان پر عمل کرتے اور انہیں سچا سمجھتے۔ اس کے متعلق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَتَی کَاھِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ (امام احمد 9290، ابوداؤد، شرح السنۃ بغوی: 3259، معجم اوسط طبرانی:6670) جو کاہن کے پاس آیا اور اس کی بات کو سچا جانا تو بے شک وہ بری ہو گیا اس سے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: مَنْ تَكَهَّنَ اَوِ اسْتَقْسَمَ بِالْاَزْلَامِ اَوْتَطَيَّرَ طِيَرَةً تَرُدُّهُ عَنْ سَفَرِهٖ لَمْ يَنْظُرْ اِلٰی دَرَجَاتِ الْعُلٰی يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (کنز العمال:17655، 43894، التفسیر البسیط، ص253 ج7، تفسیر بغوی:736، تفسیر کبیر، ص286 ج11، مجمع الزوائد: 8487، تفسیر الوسیط، ص152 ج2)

جس نے کاہنوں سے باتیں پوچھیں یا تیروں سے اپنے کاموں میں حکم طلب کیا، یا ایسی بدشگونی لی جو اسے سفر سے باز رکھے وہ قیامت کے دن بلند مرتبوں کو نہ دیکھے گا۔

افسوس آج کے بعض مسلمان بھی نجومیوں، رمالوں وغیرہ کے پاس جا کر فال نکلواتے، ہاتھ دکھاتے اور آئندہ کی باتیں پوچھتے ہیں اور منجمین جو جنتریوں میں حالات ارضی و سماوی لکھ دیتے ہیں انہیں سچا سمجھتے اور ان پر عمل کرتے ہیں اکثر چیزوں سے بدشگونیاں لیتے اور انہیں منحوس خیال کرتے ہیں خصوصاً عورتیں اس قسم کے خیالات واہیہ اور اوہام فاسدہ میں کثرت سے مبتلا ہیں سب مسلمان مردوں عورتوں کو ایسی باتوں سے بچنا لازم ہے کیوں کہ

یہ باتیں اسباب شرک اور اعمال مشرکین سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسی باتوں سے بچائے۔ آمین۔

غول

شیطانی گرفت، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ بعض اوقات مختلف صورتوں اور طریقوں سے لوگوں کے سامنے آتا ہے اور اچانک آکر دبالیتا ہے اور جنگل میں لوگوں کو راستہ سے بہکا دیتا ہے اور بعض مرتبہ ہلاک کر دیتا ہے اور یہ ''غول'' از قسم شیاطین اور جن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولا غول (مشکوٰۃ: 4580) اور غول کچھ نہیں۔

ف: نفس شیطان وجن کے وجود کا انکار نہیں بلکہ عربوں کے اس خیال کی نفی فرمائی ہے کہ وہ مختلف صورتیں اختیار کر کے ہلاک وغیرہ کر دیتا ہے یعنی کوئی مسلمان اس کا اعتقاد نہ رکھے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کسی کو راہ سے بے راہ کرنا اور ہلاک کرنا اس کے اختیار واقتدار میں نہیں ہے بلکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔

''ما ثبت بالسنة'' میں حدیث منقول ہے کہ جب ''غول'' بیابانی پریشان کریں اور مختلف صورتیں ظاہر کریں تو ان کی شرارتوں سے بچنے کے لئے اذان دو تاکہ وہ بھاگ جائیں یعنی ذکر الٰہی کے ذریعہ ان کے شر وفساد کو دور کرو۔ (کنز العمال: 15230، 17497، مجمع الزوائد: 17113، 5295، فتح الباری، ص 159 ج 10، شرح النووی، ص 217 ج 14، شرح السنۃ للبغوی: 3251، مصنف عبد الرزاق: 9252، مسند احمد: 14277، الاستذکار، ص 527 ج 8)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز میں خود بذاتہ اثر وغیرہ کرنے کی قوت وطاقت نہیں ہے۔ کیوں کہ ہر چیز میں صرف اللہ تعالیٰ ہی مؤثر حقیقی ہے۔ مقدرات بھی اسی کے قبضہ وقدرت میں ہیں اور جن چیزوں میں تاثیرات وغیرہ ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے تابع ہیں جیسے آگ میں جلانے کی تاثیر ہے۔

طلب بارش

دور جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ اگر بارش نہ ہوتی تو ایک گائے یا بھیڑ یا دنبہ کی دم میں

پھونس کا پولا باندھ کر اس کو آگ لگا دیتے اور سمجھتے کہ اس سے بارش ہوگی۔تو وہ جانور آگ کے خوف سے جنگل میں بھاگا بھاگا پھرتا اللہ تعالیٰ اس کے جلنے پر رحم فرما کر پانی برساتا اور اس کی آگ بجھاتا۔

اسلام نے اس ظالمانہ رسم سے منع فرمایا اور یہ تعلیم دی کہ اگر بارش نہ ہو تو شہر سے باہر عیدگاہ وغیرہ میں لوگ جمع ہو کر دو رکعت نماز استسقاء پڑھیں اور پھر خشوع و خضوع سے بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کریں: اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ اے اللہ تو اپنے بندوں اور جانوروں کو سیراب فرما اور اپنی رحمت پھیلا اور مردہ زمین کو زندہ کر۔ (کنز العمال:18025، موطا:649، الاستذکار:419، مرقاۃ:1506، زرقانی علی المواہب،ص136 ج11، مشکوٰۃ:1506)

سانپ نہ مارنا

جاہلوں کا یہ اعتقاد تھا کہ سانپ کو مارنا نہیں چاہیے ورنہ اس کا جوڑا آ کر بدلہ لیتا ہے۔ اس اعتقاد کی رو سے سانپ کو مارتے نہیں تھے۔(ابوداؤد:5257)

پیتل کی انگوٹھی

ہاتھوں میں پیتل کی انگوٹھی پہنتے تھے کیوں کہ ان کا یہ خیال تھا کہ اس سے کمزوری دور ہو جاتی ہے۔(ابن ماجہ:3531)

سفری گرہ

سفر میں جاتے تو کسی درخت میں ڈورا وغیرہ باندھ کر گرہ لگا دیتے۔ واپس آ کر دیکھتے اگر گرہ کھلی ہوئی ہوتی تو سمجھتے کہ ان کی بیوی نے بدکاری کی ہے۔

رسوم بد

دور جاہلیت میں سوائے قریش کے باقی سب کفار مرد وزن ننگے ہوکر بیت اللہ شریف کا طواف کیا کرتے۔ اور طواف کرتے وقت تالیاں اور سیٹیاں بجایا کرتے تھے یہ ان کی نماز تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً (الانفال:35) اور نہ تھی ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹی اور تالی بجانے کے۔ یعنی ان کی نماز کا تعلق ذکر الٰہی اور عجز و نیاز کے ساتھ نہ تھا بلکہ محض ایک شور وغوغا اور لہو ولعب تھا۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور تھے انہوں نے اپنے مفاد کے لئے یہ رسم بد جاری کر رکھی تھی کہ جو کوئی بھی خانہ کعبہ کا طواف کرے وہ ہم مجاوروں میں سے کسی کے کپڑے پہن کر طواف کرے اپنے کپڑوں میں طواف نہ کرے کیوں کہ سوائے مجاورین کے سب کے کپڑے ناپاک ہیں اور جو مجاورین کے کپڑے نہ لے وہ ننگا طواف کرے۔ تھوڑے عرصہ میں یہ رسم بد عام طور پر رائج ہوگئی اور سب مرد وزن بالکل ننگے ہوکر طواف کیا کرتے اور یہ بھی کہتے کہ ہم جن کپڑوں میں گناہ کریں ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں یہ مناسب نہیں لہٰذا برہنہ طواف کرنا مناسب ہے۔

بعض کا یہ خیال تھا کہ ہم جس حالت میں پیدا ہوئے ہیں یعنی برہنہ اسی حالت میں طواف کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كَانَتِ الْمَرْاَةُ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَهِيَ عُرْيَانَةٌ فَتَقُوْلُ مَنْ يُعِيْرُنِيْ تِطْوَافًا تَجْعَلُه عَلَى فَرْجِهَا وَتَقُوْلُ ۔

اَلْيَوْمَ يَبْدُوْ بَعْضُهُ اَوْ كُلُّهُ
فَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا اُحِلُّهُ

عورت بیت اللہ کا طواف کرتی تھی اور وہ ننگی ہوتی تھی تو وہ کہتی مجھے کوئی اتنا کپڑا دے دیتا کہ اس کو میں اپنی شرم گاہ پر ہی ڈال لیتی پھر وہ یہ شعر پڑھتی۔ آج اس کے خاص بدن کا کچھ حصہ یا سارا کھلا

فنزلت هذه الآية خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔
(مسلم شریف: 7551، 25-3028، نسائی: 3933، 11118، صحیح ابن خزیمہ: 2701، مستدرک: 3246، بیہقی: 9309)

ہے۔ پس جو کھلا ہے اس سے لطف اٹھانا میں حلال نہیں کروں گی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ہر مسجد کے پاس زینت اختیار کرو یعنی لباس پہنا کرو۔

اسلام نے ان کی اس حرکت ناشائستہ یعنی برہنہ طواف کرنے اور اس میں تالیاں اور سیٹیاں وغیرہ بجانے بلکہ آپس میں فضول اور غیر ضروری بات کرنے تک کی ممانعت فرما دی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ
(بخاری: 1622، مسلم شریف: 3287)

خبردار! اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرے اور نہ کوئی برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِيهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيْهِ فَلا يَتَكَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَيْرٍ (ترمذی: 960، کنز العمال: 12003، عمدۃ القاری، ص 263 ج 9، البزار: 4853، شرح السنہ للبغوی: 1914)

طواف خانہ کعبہ مثل نماز ہے۔ خبردار! تم اس میں باتیں کرتے ہو۔ پس جو بھی اس میں بات کرے وہ سوائے اچھی بات کے ہرگز نہ کرے۔

ایک اور جاہلانہ رسم یہ تھی کہ جب وہ حج سے فارغ ہوتے تو خانہ کعبہ کے پاس مجلسیں منعقد کرتے جن میں وہ اپنے باپ دادا کی نظم ونثر میں بہت زیادہ زور وشور سے تعریف کرتے اور مقصود اس سے یہ ہوتا کہ ایک دوسرے پر اپنی عزت وشہرت اور بڑائی ثابت کریں۔ اس بری رسم سے بھی انہیں منع فرمایا گیا اور حکم دیا گیا کہ ان فضولیات کی بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

پھر جب تم حج کے ارکان پورے کر چکو تو

كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرہ:200)

اللہ کو یاد کرو جس طرح کہ (جاہلیت میں) تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر الٰہی کرو

زنا

زمانہ جاہلیت میں عرب کے عوام علانیہ زنا کرتے اور اس کو معیوب نہ سمجھتے بلکہ اپنی اس برائی کو فخریہ طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور خواص و شرفاء علانیہ زنا کو تو برا سمجھتے اور اس سے حیا کرتے لیکن پوشیدہ زنا کرنا وہ بھی برا نہ سمجھتے۔ اسلام نے ان کے اس خیال کو باطل ٹھہرایا اور ظاہر و پوشیدہ دونوں طرح زنا حرام قرار دیا۔

ارشاد ربانی ہوا: وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ (الانعام:120) اور چھوڑ دو ظاہر اور پوشیدہ گناہ، یعنی نہ چھپ کر زنا کرو اور نہ ظاہری طور پر دونوں سے بچو اور زنا کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دو۔

فرمایا:

وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِیْلًا ۝۳۲ (بنی اسرائیل)

اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بے شک یہ بڑی بے حیائی اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

ایک اور خرابی جس میں ساری قومیں بری طرح مبتلا تھیں اور اب بھی ہیں وہ ہے بدکاری۔ اس کی قباحت و وقاحت کو صرف دو مختصر فقروں میں بیان فرما دیا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِیْلًا۔ یعنی یہ بڑی بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے اس فعل کا فاحش اور برا ہونا کسی صاحب عقل سلیم پر مخفی نہیں۔ یہ حدیث پاک پڑھیے۔ اگر ذرا بھی خلش ہوگی تو دور ہو جائے گی۔

ایک نوجوان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِئْذَنْ لِیْ بِالزِّنَا۔ مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ حاضرین اس کی اس بے باکی پر برافروختہ ہو گئے اور اسے جھڑکنا شروع کیا۔ لیکن مرشد کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے محبت سے اپنے قریب بلایا۔ جب

وہ قریب ہو گیا تو اسے فرمایا بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا تو فرمایا اتحبہ لامك جس امر کی تم نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کیا تم اسے اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا بخدا ہرگز نہیں میں آپ پر قربان جاؤں! حضور نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ پسند نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کیا تم اپنی بیٹی کے لئے پسند کرتے ہو؟ بولا میں قربان جاؤں ہرگز نہیں، بخدا ہرگز نہیں! فرمایا ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا کیا اپنی بہن کے لئے تم پسند کرتے ہو؟ عرض کی بخدا ہرگز نہیں! میں آپ پر قربان جاؤں۔ فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح پھوپھی، خالہ کے متعلق اس سے استفسار فرمایا اور اس نے وہی جواب دیا۔ اس حکیمانہ اور شفقت بھرے انداز سے اس کے سامنے اس فعل کی قباحت کو بے نقاب کر کے رکھ دیا اور شاید ان سطور کو جو بھی پڑھے گا اس پر اس کی قباحت بالکل آشکار ہو جائے گی۔ اس کے بعد اپنا دست ہدایت بخش اس پر رکھا اور دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَہٗ وَطَھِّرْ قَلْبَہٗ وَحَصِّنْ فَرْجَہٗ۔ اے اللہ اس کا گناہ بخش دے اور اس کا دل پاک کر دے اور اس کو بدکاری سے بچا۔ اس کے بعد اس شخص نے پھر کبھی اس فعل کے ارتکاب کا تصور تک بھی نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں یہ بھی فرمایا: وَیُزَکِّیْھِمْ کہ وہ ان کے دلوں کو پاک کرتا ہے۔ اس کی کتنی عمدہ مثال اس حدیث میں موجود ہے۔ یہ حدیث (مسند امام احمد: 22211، شعب الایمان: 5032، جامع الاحادیث: 376، مجمع الزوائد: 542، کنز العمال: 36610) میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

زنا کے دوررس اور برے نتائج پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو وَسَآءَ سَبِیْلًا کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔ اس سے انساب میں اختلاط ہوتا ہے مال کسی کا ہوتا ہے اور وارث کوئی بنتا ہے۔ موذی بیماریاں بڑی کثرت سے پھیلتی ہیں۔ عورت کی عظمت کا چاند گہنا جاتا ہے۔ عورت ماں کے تقدس اور بیٹی کی عظمت سے محروم ہو کر ایک بازاری جنس بن جاتی ہے۔ پھر اس فعل شنیع کے ارتکاب سے اس کی سیرت اور اس کی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے اور

حرامی اولاد شفقت پدری سے محروم ہوتی ہے۔ سارے معاشرے میں کبھی بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔ اس کی وجہ سے فتنہ وفساد کی چنگاریاں اٹھتی ہیں اور خاندانوں کے خاندان اس میں بھسم ہوکر رہ جاتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو سَآءَ سَبِیۡلًا کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ چند لمحوں کی لذت طلبی کے لئے اتنی گراں قیمت ادا کرنا کون پسند کرتا ہے۔ سَآءَ سَبِیۡلًا کے متعلق اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو وہ امریکی فوجیوں کے ان لاکھوں حرامی بچوں کی حالت زار کو دیکھے جو کوریا اور ویت نام وغیرہ ممالک کی گلیوں میں دھکے کھا رہے ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ انہی قباحتوں اور روح فرسا نتائج کی وجہ سے قرآن کریم نے فرمایا کہ اس فعل شنیع کا ارتکاب تو کجا اس کے قریب تک مت جاؤ یعنی تمام وہ امور جو اس فعل کے ارتکاب پر اکساتے ہیں ان سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمادیا۔ بھڑکیلے، تنگ و چست لباس، بے پردگی، مرد وزن کا اختلاط جس میں مخلوط تعلیم پیش پیش ہے، سب سے منع کردیا کیوں کہ یہ تمام چیزیں جذبات کو اتنی مشتعل کردیتی ہیں کہ کوئی لاکھ بچنا چاہے، نہیں بچ سکتا۔ اس لئے فرمایا لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اس فعل شنیع کے قریب جانے کی کوشش مت کرو۔ کیا حکیمانہ انداز ہے اور حقیقت کی کتنی مؤثر تصویر کشی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غور کرنے کی توفیق بخشے آمین (ضیاء القرآن، ص509 ج2)

حائضہ

اسلام سے پہلے یہود اور مجوس اپنی عورتوں کو حالت حیض میں بالکل علیحدہ کردیتے تھے نہ ان کے پاس بیٹھتے اٹھتے، نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے اور نہ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاتے بلکہ کسی چیز کو بھی چھونے نہ دیتے کہ ناپاک ہوجائے گی اور نصاریٰ مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے۔ اہل جاہلیت کا رویہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا اسلام نے اس افراط وتفریط دونوں سے منع فرمایا اور اپنی روایتی میانہ روی کے مطابق حکم فرمایا اور حائضہ عورتوں کے ساتھ صرف جماع حرام قرار دیا کیوں کہ اسی میں ہر لحاظ سے دونوں کا فائدہ ہے اور اس کے علاوہ ان کے ساتھ کھانا پینا، بیٹھنا لیٹنا اور مافوق الازار ان سے نفع اٹھانا سب جائز اور حلال

قرار دیا۔ چناں چہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حائضہ کے متعلق پوچھا تو یہ آیہ کریمہ وَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ الایۃ نازل ہوئی آپ نے فرمایا اِصْنَعُوا كُلَّ شَیْءٍ اِلَّا النِّكَاحِ (مسلم شریف: 694، 16-302، مسند احمد: 12354، کنز العمال: 44894، ابن حبان: 1362، جامع الاحادیث: 3571) کہ حائضہ عورتوں سے سب کام لو سوائے جماع کے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا مَا یَحِلُّ لِیْ مِنْ امْرَاَتِیْ وَهِیَ حَائِضٌ میری بیوی سے مجھ کو حالت حیض میں کیا شے حلال ہے؟ فرمایا تَشُدُّ عَلَیْهَا اِزَارَهَا ثُمَّ شَأْنَكَ بِاَعْلَاهَا (مشکوٰۃ: 555) کہ اس کا ازار یعنی پاجامہ مضبوط باندھ دے پھر اس کے اوپر جو تیرا دل چاہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے میری بیوی سے بحالت حیض کیا شے حلال ہے؟ فرمایا: مَا فَوْقَ الْاِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذٰلِكَ اَفْضَلُ (مشکوٰۃ: 552، ابوداؤد: 213، تفسیر ابن کثیر، ص 440 ج 1، عمدۃ القاری: 304، تفسیر درمنثور، ص 622 ج 1، جامع الاحادیث: 20201، کنز العمال: 26757) جو ازار بند سے اوپر ہے اور اس سے بھی بچنا افضل و بہتر ہے۔ یعنی وہ جوان آدمی جو ایسی حالت میں اپنے نفس پر قابو نہ رکھتا ہو خصوصاً اس کے لئے بہتر ہے کہ مافوق الازار سے بھی بچے۔

تعدد نکاح

اسلام سے پہلے لوگ دس دس بارہ بارہ عورتوں سے نکاح کر لیتے۔ پھر ان کے درمیان عدل و انصاف نہ کرتے اور انہیں خواہ مخواہ اذیت و تکلیف دیتے۔ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں۔

کان الرجل من قریش یتزوج العشر من النسآء کہ اکثر قریش کے لوگ دس عورتوں سے نکاح کرتے تھے۔ (خازن) اسلام نے صرف چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی اور اگر ان چار میں بھی عدل نہ کر سکے تو صرف ایک ہی کا حکم فرمایا: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ (النساء:

3) پس نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو دو، تین تین اور چار چار سے اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی سے کرو۔

حضرت حارث بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب مسلمان ہوا تو میرے پاس نو عورتیں تھیں فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اختر منهن اربعا (ابوداؤد: 2241، ابن ماجہ: 1952، ابن حبان: 4156، طبرانی کبیر: 13221، دارقطنی: 3690، بیہقی: 14052، مصنف ابن ابی شیبہ: 17184) تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ان میں سے چار کو پسند کر لے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے تو ان کے پاس دور جاہلیت میں دس عورتیں تھیں وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَخْتَارَ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا (ترمذی: 1128، مصنف عبدالرزاق: 12621، مصنف ابن ابی شیبہ: 36286، مسند احمد: 5558، البزار: 6016، دارقطنی: 3685) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ ان میں سے چار اختیار کر لو۔

تعدد ازواج

آیہ مذکورہ کے مطابق ایک مسلمان مرد بیک وقت دو یا تین یا چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ لیکن اسلام کے مخالفین اور آج کل کے بعض مسلمان مرد و عورتیں جو مغربی تہذیب سے متاثر ہیں وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق چند سطور ہدیہ ناظرین کی جائیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا حکم ایسا نہیں ہے جس کی پابندی مسلمانوں پر لازم و ضروری ہو بلکہ یہ ایک رخصت اور اجازت ہے اور یہ رخصت بھی بے قید نہیں بلکہ عدل و انصاف اور ادائی حقوق کی قید سے مقید ہے۔ نیز طب جدید و قدیم اس بات پر متفق ہے کہ مرد کی فطری کیفیت عورت کی فطری کیفیت سے مختلف ہے۔ مرد میں جنسی رغبت عورت سے بہت زیادہ ہوتی ہے اور اسلام کے نزدیک اس کا محل صرف بیوی ہے۔

عورت ہر وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ جنسی عمل کیا جا سکے۔ لازمی طور پر ہر ایک عورت کے لئے ہر ماہ میں چند دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام حیض جن میں مرد کو عورت سے پرہیز کرنا لازمی ہے نیز ایام حمل خصوصاً آخری چند مہینوں میں بھی ضروری ہے کہ بچہ کی صحت کے لئے اس عمل سے پرہیز کیا جائے اور جب وضع حمل ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت کے لئے پرہیز لازمی ہے اور یہ کئی ماہ ہو جاتے ہیں ان تمام ایام میں عورت کے لئے تو قدرتی موانع ہوتے ہیں لیکن مرد کے لئے کوئی مانع نہیں ہوتا۔ اب اگر ان ایام میں کسی مرد پر شہوت کا غلبہ ہو تو وہ کیا کرے؟ اس کا جواب سوائے تعدد ازواج کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

بلاشبہ یہ امر قابل تسلیم ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو ان ایام میں اپنے آپ پر (قابو) رکھ سکتے ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو سخت قوی الشہوت ہوتے ہیں اور اس قوت کا زیادہ ہونا ان کے لئے کسی صورت میں بھی باعث الزام نہیں۔ وہ اگر ان ایام میں اپنے آپ پر کنٹرول نہ رکھ سکیں تو وہ کیا کریں؟ ظاہر ہے کہ وہ اپنی خواہش کے تقاضے کو ناجائز اور حرام طریقہ سے پورا کریں گے۔ اس لئے اسلام نے تعدد ازواج کی اجازت دی ہے کہ وہ حرام سے بچیں۔

ایک مسلمان کے لئے متقی و پرہیزگار رہنا اور برائی سے بچنا بہت ضروری ہے اور سارے انسان قوت و طاقت کے لحاظ سے ایک جیسے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو بہت زیادہ قوت و طاقت عطا فرمائی ہے۔ ان کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اگر ان کو ایک سے زیادہ نکاح کرنے سے روکا جائے گا تو لامحالہ وہ برائی کریں گے جس سے تقویٰ و پرہیزگاری تباہ ہو جائے گی۔

اکثر ممالک میں عورتوں کی شرح پیدائش مردوں سے بہت زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں جنگ آزما قوموں کے مرد ہی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جنگ کے شعلوں کی نذر ہوتے ہیں عورتیں نہیں۔ اس لئے عورتوں کی تعداد جو پہلے ہی زیادہ ہوتی ہیں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ تعدد ازواج کی ممانعت کی صورت میں ان کا کیا حال ہوگا؟ تعدد ازواج کے مخالفین بتائیں

کہ قدرت نے عورت کے دل میں جو فطری خواہش رکھی ہے وہ کس طرح پوری کرے گی؟

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جہاں تعدد ازواج کی قانوناً ممانعت ہے وہاں زنا اس قدر عام ہے کہ اللہ کی پناہ! اور زنا اتنی بڑی برائی ہے جو انسان کے دل سے ہر پاکیزگی اور طہارت کو ختم کر دیتی ہے۔

کیا یورپ اور امریکہ اپنی تمام سائنسی ترقی کے باوجود حرامی بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوش ربا اضافہ کے باعث پریشان نہیں؟

(یو این او کی رپورٹ کے مطابق بعض یورپین ممالک میں ناجائز ولادتوں کا اوسط ساٹھ فیصد تک پہنچ گیا ہے)

کیا ایک بیوی اور اس کے بچوں کے لئے اس کے خاوند کی دوسری بیوی قابل برداشت ہے یا اس کی داشتہ؟ نیز کیا کسی باحمیت و باغیرت عورت کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ گھر کی مالکہ بن کے رہے، اس کا خاوند اس کے آرام کا ذمہ دار ہو، اس کی ناموس کا محافظ ہو، اس کی اولاد جائز اولاد متصور ہو اور سوسائٹی میں اسے باعزت مقام حاصل ہو یا ایسی عورت بن کر رہے جس کا حسن و شباب ہولناک نگاہوں کا کھلونا بنا رہے لیکن نہ کوئی اس کی اولاد کا باپ بننا گوارا کرے اور نہ کوئی دوسری ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہو؟[1]

یہ وہ حقائق ہیں جن کو تسلیم کرتے ہوئے اور یہی وہ مشکلات ہیں جن کا حل پیش کرتے

---

[1]۔ اغراض نکاح میں سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ مرد و عورت کے درمیان محبت و رفاقت قائم رہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے خوشی و فرحت حاصل کریں۔ پس اگر بالفرض عورت میں کوئی ایسی وجہ بیماری وغیرہ پیدا ہو جائے جس کی بنا پر مرد اس عورت سے خوشی و فرحت حاصل نہ کر سکے اور ارادہ طلاق بھی نہ ہو۔ نکاح کی دوسری غرض توالد و تناسل ہے۔ تو اگر کوئی عورت بانجھ ہو اور اس کا بانجھ ناقابل علاج ہو تو ظاہر ہے کہ اگر مرد کو دوسرے نکاح کی اجازت نہ دی جائے گی تو وہ کسی طرح اس عورت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر نجات حاصل نہ ہو گی تو کسی سے ناجائز تعلق پیدا کر کے بدکاری میں مبتلا ہو گا۔ کیونکہ جب اس کو عورت کی رفاقت سے وہ خوشی اور وہ مقصد حاصل نہ ہو گا جو فطرت انسانی کا مقتضیٰ ہے تو وہ ضرور اس خوشی کو حاصل کرنے کے لئے اور ذرائع تلاش کرے گا۔ تو کیا یہ بہتر ہے کہ وہ اس کو طلاق دے دے یا برائی کا مرتکب ہوتا رہے؟ یا یہ بہتر ہے کہ وہ اس کو بھی رکھے اور برائی سے بچنے اور حصول مقصد کے لئے دوسرا نکاح کر لے؟

ہوئے اسلام (جو دین فطرت ہے) نے ضرورت کے وقت ایک سے زائد بیوی سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ خود مغرب کے کئی مفکر اپنے معاشرہ کی اخلاقی پستی اور اس میں ایسی عورتوں اور ناجائز بچوں کی زبوں حالی کو دیکھ کر چیخ اٹھے ہیں اور برملا کہنے لگے ہیں کہ اسلام کے قانون پر عمل کیے بغیر اب کوئی چارہ کار نہیں۔

بیوہ عورتیں

اسلام سے پہلے لوگ عورتوں میں مثل مال وراثت جاری کیا کرتے مثلاً جب کوئی شخص اپنی عورت چھوڑ کر مر جاتا تو اس کا دوسری عورت سے لڑکا یا کوئی اور قریبی آ کر اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا تو وہ اس عورت کا وارث ہو جاتا، خواہ وہ عورت اس سے راضی ہو یا نہ۔ پھر یا تو وہ خود اس عورت سے بلا مہر نکاح کر لیتا یا دوسرے سے نکاح کرا دیتا اور اس کا مہر آپ ہضم کرتا یا اسے نکاح سے باز رکھتا یہاں تک کہ وہ عورت عاجز و مجبور ہو کر ساری عمر یونہی بیوگی کی حالت میں گزار دیتی اور اس کے مرنے کے بعد وہی اس کے مال کا تنہا وارث ہوتا۔ مدت دراز سے یہ ظالمانہ رسم نہ صرف عرب میں بلکہ یونان وروم میں بھی رائج تھی۔

یہودی مذہب میں عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد اس کے بھائی کی ملکیت ہو جاتی تھی وہ جس طرح چاہتا اس سے معاملہ کر سکتا تھا اور عورت سماج کے اس قانون کے آگے لاچار و مجبور تھی۔

ہندوؤں میں اب اس کی زندگی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی یا تو وہ اپنے شوہر کی چتا سے لپٹ کر بے موت مر جائے یا پھر ساری عمر سوگ میں اس طرح گزارے کہ دنیا کی تمام زینتوں اور لذتوں سے علیحدہ رہے۔

اسلام نے آ کر اس مظلوم عورت کی فریاد رسی کی اور مردوں کو سختی سے اس ظلم سے روک دیا۔

ارشاد ربانی ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ   اے ایمان والو! تمہارے لئے زبردستی

تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرۡهًا (النساء:19) عورتوں کا وارث بن جانا حلال نہیں ہے۔

اسلام نے اس کی آزادی میں مداخلت کرنے سے منع فرمایا اور عدت گزارنے کے بعد اس کو ہر قسم کی جائز زینت و آرائش کرنے کی اجازت دی اور اپنی دوسری شادی کرنے کا پورا پورا حق دیا۔ مزید برآں اس کو شوہر کے ترکہ میں حصہ دلایا۔

نیز واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیا وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ (النور:32) اور ان کا نکاح کردو جو تم میں سے بغیر شوہر کے عورتیں ہیں اور اس حکم کے نزول سے پہلے خود بانی اسلام نے دعویٰ نبوت سے قبل اس پر عمل فرمایا اور اس مظلوم و بے کس طبقہ کی امداد فرمائی اور پچیس برس کی عمر میں جب کہ عین شباب کا عالم تھا اور نوجوانی کا تقاضا نوجوان خوبصورت عورت ہوتا ہے آپ نے چالیس برس کی بیوہ عورت حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور جب تک وہ زندہ رہیں کسی اور عورت سے شادی نہیں کی ان کی وفات کے بعد مختلف اوقات میں آپ نے دس عورتوں سے نکاح کیا۔ ان میں بھی آٹھ بیوہ تھیں جن کی کفالت و رفاقت اختیار فرما کر اس فعل کے مستحسن اور مسنون ہونے کی عملی طور پر تصریح فرما دی اور اپنے غلاموں کو یہ تعلیم دی کہ اس مظلوم و بے کس طبقہ کی امداد و اعانت بہت بڑی نیکی اور بے پناہ اجر و ثواب کا موجب ہے۔ چناں چہ فرمایا:

اَلسَّاعِیۡ عَلَی الۡاَرۡمِلَةِ وَالۡمِسۡکِیۡنِ کَالۡمُجَاهِدِ فِیۡ سَبِیۡلِ اللهِ اَوۡ کَالَّذِیۡ یَصُوۡمُ النَّهَارَ وَیَقُوۡمُ اللَّیۡلَ
(بخاری شریف:6006، ترمذی:1969، مسلم:41-2982، ابن ماجہ:2140)

بیوہ عورت اور مسکین کے لئے محنت و کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس جیسا ہے جو دن کو روزہ رکھا کرے اور رات کو نماز پڑھا کرے۔

موطوأة الاب سے نکاح

زمانہ جاہلیت میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اپنے تصرف میں لاتا اور ذرا شرم و حیا نہ کرتا۔ اسلام نے اس بے حیائی کی سختی سے ممانعت

فرمادی۔

ارشادربانی ہوا:

وَ لَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقۡتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۲۲﴾ (النساء)	اور نہ نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے مگر جو (اس سے پہلے) ہو چکا (وہ معاف ہے) بے شک یہ فعل بے حیائی اور نفرت کا فعل ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔

جمع بین الاختین

اسلام سے پہلے لوگ دو بہنوں سے نکاح کرتے اور ان کو اپنے تصرف میں لاتے اور بالکل شرم و حیا نہ کرتے۔ اسلام نے اس کی بھی ممانعت فرمائی۔ وَ اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۙ﴿۲۳﴾ (النساء) اور یہ بھی (حرام ہے) کہ تم جمع کرو دو بہنوں کو مگر جو (اس سے پہلے) ہو چکا (وہ معاف ہے) بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

ف: دو بہنیں خواہ وہ حقیقی ہوں یا رضاعی ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اِنِّی اَسۡلَمۡتُ وَتَحۡتِیۡ اُخۡتَانِ؟ قَالَ اخۡتَرۡ اَیَّتُھُمَا شِئۡت (مشکوٰۃ:3178، ابن ماجہ: 1951، ترمذی:1129، طبرانی کبیر:843، بیہقی:14058، اسد الغابہ:4246) میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میری زوجیت میں دو بہنیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے ایک جس کو چاہو اختیار کر لو۔ اور دوسری کو طلاق دے دو۔

نکاح شغار

اسلام سے پہلے اہل جاہلیت نکاح شغار کرتے تھے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ بھی اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی کا نکاح اس سے

یااس کے بیٹے سے کرے اور یہ نکاح ہی ایک دوسرے کا مہر ہواس کے علاوہ اور کوئی مہر نہ ہو۔ اسلام نے اس کی ممانعت فرمائی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: لَا شِغَارَ فِي الْاِسْلَامِ (مسلم شریف:3468، مصنف ابن ابی شیبہ:17506، مسند احمد:4918، ابن ماجہ:1885، ترمذی: 1123، مصنف عبدالرزاق:10433، نسائی:4416) اسلام میں شغار نہیں ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ آپ نے شغار سے منع فرمایا۔

(مشکوٰۃ:3146،موطا:1958،مصنف عبدالرزاق:10432)

ف: اگر یہ نکاح آپس میں ایک دوسرے کا مہر نہ ہوں اور صرف نکاح بشرط نکاح ہو اور اس کا مہر ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

اسی طرح یہ جاہل لوگ اپنی لڑکیوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے بدلے میں بیاہ دیتے تھے چناں چہ ایک شخص نے مجمع اعراب میں پکار کر کہا مَنْ يُعْطِيْنِي رُمْحًا بِثَوَابِهِ مجھے ایک تیر اس کے ثواب کے ساتھ کون دیتا ہے؟ دوسرے نے پوچھا اس کا ثواب کیا ہے؟ کہا ازوجه اَوَّلَ بِنْتٍ تَكُوْنُ لِي میں اپنی پہلی لڑکی جو پیدا ہوگی اس کے ساتھ بیاہ دوں گا تو اس نے ایک تیر اسے دے دیا اور یہ سودا کر لیا (ابوداؤد:2103، مسند احمد: 27064، معجم کبیر طبرانی:428، بیہقی:13824) ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے پکار کر کہا مَنْ يُعْطِيْنِي نَعْلَيْهِ وَاَنْكِحُهُ اَوَّلَ بِنْتٍ تُوْلَدُ لِي مجھے کون جوتا پہناتا ہے اس شرط پر کہ میں اپنی پہلی لڑکی جو پیدا ہو اس سے بیاہ دوں؟ تو دوسرے نے فوراً اپنے پاؤں کا جوتا اتار کر اسے دے دیا۔ (ابوداؤد:2104)

طریقہ عدت

زمانہ جاہلیت میں طریقہ عدت یہ تھا کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو اس کے گھر والے اس کو ایک سال تک ایک تنگ کوٹھڑی میں بٹھاتے اور پھٹے پرانے اور گندے کپڑے پہناتے۔ نہانے دھونے، زینت و آرائش اور خوشبو وغیرہ سے اسے دور رکھتے۔ جب ایک سال پورا ہو جاتا تو اسے کوٹھڑی سے باہر نکال کر ایک جانور اس کے بدن سے مس

کرتے وہ جانوراس کے بدن کی بدبووغیرہ کے باعث بہت کم زندہ رہتا۔ پھراس کی گود میں مینگنیاں بھرتے اور ایک گدھے پر اس کو بٹھا کر تمام شہر میں گشت کراتے وہ ان مینگنیوں کو لوگوں پر پھینکتی جاتی تاکہ سب لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کی عدت پوری ہوگئی ہے۔ اتنی مصیبت کے بعد اس بے چاری کو نہانے دھونے، کپڑا پہننے اور زینت وغیرہ کرنے کی آزادی حاصل ہوتی۔ (رواہ المالک وابوداؤد: 2299)

اسلام نے ان بے جا پابندیوں اور بلاوجہ سخت مصیبتوں کو ختم کیا اور صرف چار ماہ دس دن عدت وفات بیٹھنے اور زینت و آرائش کی اشیاء جیسے رنگین وریشمی لباس، مہندی، خوشبو، سرخی پاؤڈر، زیور، سرمہ وغیرہ سے بچنے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۳۴ (البقرہ)

اور جو لوگ فوت ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو روکے رہیں چار مہینے اور دس دن اور جب وہ پہنچ جائیں اپنی اس مدت کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر (اے وارثو) اس میں جو وہ کریں اپنی ذات کے بارے میں مناسب طریقہ سے اور اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔

لونڈیوں کی کمائی

اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں لوگ اپنی خوب صورت لونڈیوں سے زبردستی زنا کراتے اور اس کی اجرت وکمائی اپنے صرف میں لاتے۔ اسلام نے اس بے حیائی اور بے شرمی کی ممانعت فرمائی اور اجرت زنا کو ناپاک اور حرام قرار دیا۔ ارشاد ربانی ہوا۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ

اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر۔

(النور:33)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَهْرُ الْبَغِيِّ حَرَامٌ خَبِيثٌ (ابوداؤد:3421، کنز العمال:9625،فیض القدیر:3563، مرقاۃ:2763) کہ زانیہ کی کمائی حرام وناپاک ہے۔

طریقہ نکاح

اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں موجود طریقہ نکاح کے علاوہ بھی چند اور طریقے رائج تھے جو حقیقت میں ایک قسم کا زنا ہی تھے۔مثلاً ایک وقت میں ایک عورت کے پاس دس آدمی جاتے اور باری باری اس سے صحبت کرتے۔ جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو ان دسوں کو بلاتی اور ان میں سے کسی ایک کو کہہ دیتی کہ یہ بچہ تیرا ہے۔اس کو قبول کرنا پڑتا اس طرح وہ اس کی بیوی ہو جاتی اور وہ بچہ اس کا بیٹا ہو جاتا (بخاری شریف ملخصاً:5127)

ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ فاحشہ عورتیں اپنے مکانوں پر جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں اور لوگ ان کے پاس جاتے تھے۔ جب ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ کسی قیافہ شناس آدمی کو بلاتیں وہ شکل وصورت دیکھ کر بتاتا کہ یہ فلاں شخص کا نطفہ ہے۔ پھر وہ عورت اس شخص کو بلاتی اور کہتی کہ یہ تمہارا بیٹا ہے۔(بخاری:5127)

دیوث

ایسے دیوث لوگ بھی تھے جو اپنی عورتوں کو شجاع اور بہادر لوگوں کے پاس ہمبستری کے لے خود بھیج دیتے تھے اس لئے کہ ان کا خیال تھا کہ ان بہادر لوگوں کے نطفے سے جو بچے پیدا ہوں گے وہ بھی شجاع اور بہادر ہوں گے۔(بخاری:5127)

متعہ

ایک طریقہ عارضی نکاح کا بھی تھا کہ کسی عورت سے مقررہ مدت کے لئے کچھ اجرت ٹھہرا کر نکاح کر لیتے تھے۔اس مدت کے گزرنے پر وہ نکاح ختم ہو جاتا تھا۔اسے متعہ کہتے

تھے۔ اسلام نے ان سب طریقوں کو بے غیرتی اور بدکاری قرار دے کر ان کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

ف: متعہ شروع اسلام میں تھا، پھر حرام ہو گیا، عرب میں زنا اور شراب خوری اس قدر عام تھی کہ اللہ کی پناہ۔ اسلام نے جس طرح شراب کے متعلق پہلے پابندی لگائی کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو نیز اس میں بہت بڑا گناہ ہے جس سے کافی حد تک لوگ رک گئے اور پھر اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قطعی حرام قرار دے دیا۔ اسی طرح زنا کو ختم کرنے کے لئے پہلے حکم دیا گیا کہ معیادی نکاح کر لو۔ معیاد گزرنے پر عورت عدت گزارے اور عورت کے زمانہ عدت کا خرچہ اور اگر اس سے بچہ پیدا ہو جائے تو بچہ کی پرورش اس متعہ کرنے والے مرد کے ذمہ ہو گی۔ اس پابندی کی وجہ سے بھی کافی حد تک لوگ متعہ سے رک گئے۔ پھر اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قطعی حرام کر دے دیا گیا۔

چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اِنَّمَا کَانَتِ الْمُتْعَةُ فِی اَوَّلِ الْاِسْلَامِ کَانَ الرَّجُلُ یَقْدَمُ الْبَلْدَةَ لَیْسَ لَهٗ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَیَتَزَوَّجُ الْمَرْءَةَ بِقَدْرِ مَا یَرٰی اَنَّهٗ یُقِیْمُ فَتَحْفَظُ لَهٗ مَتَاعَهٗ وَتُصْلِحُ لَهٗ شَیْئَهٗ حَتّٰی اِذَا نَزَلَ الْاٰیَةُ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ(1) قال ابن عباس فَکُلُّ فَرْجٍ سواهما فَهُوَ حَرَامٌ (ترمذی: 1122، مشکوٰۃ: 3158، روح المعانی، ص8 ج3، تفسیر مظہری، ص365 ج6)

کہ متعہ شروع اسلام ہی میں تھا کہ کوئی شخص (جب) کسی شہر میں جاتا جہاں اس کی جان پہچان نہ ہوتی تو وہ کسی عورت سے وہاں کے قیام کی مدت تک کے لئے نکاح کر لیتا تو وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کا کھانا (درست اور اس کے مزاج کے) موافق پکاتی۔ حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی (کہ وہ مومن فلاح پائیں گے جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں) سوائے اپنی بیویوں

1۔ سورۃ المومنون آیت 7,6,5 ملاحظہ فرمائیں۔ مؤلف۔

کے اور اپنی کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، ان دو کے سوا باقی تمام شرم گاہیں حرام ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاِنْسِيَّةِ

(بخاری: 4216، مسلم: 3431 مشکوٰۃ: 3147، موطا: 1993، مصنف عبد الرزاق: 8733، مسند احمد: 15337)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرما دیا۔

ماتم

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مرجاتا تو اس کے عزیز واقارب اس کے غم میں اس قدر چیخیں مار مار کر روتے کہ واویلاہ، وامصیبتاہ کا شور مچاتے، گریبان چاک کرتے، منہ پر طمانچے مارتے، سر کے بال نوچتے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ مرنے والا جس درجہ کا آدمی ہو، اسی شان سے اس کا ماتم ہونا چاہیے۔ چناں چہ جب بڑے بڑے سردار مرتے تو وصیت کر جاتے کہ ان کا ماتم ان کی شان کے مطابق ہو۔ ایک شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے۔

اذا مت فابکینی بما انا اھلہ وشقی علی الجیب یا ابنة معبد

اے معبد کی بیٹی جب میں مر جاؤں تو میرے لئے میرے درجہ کے موافق رونا اور میرے لئے گریبان کو چاک کر ڈالنا۔

اور شعراء اس کا فخریہ اظہار کرتے تھے چناں چہ ایک اور شاعر الربیع بن زیاد کہتا ہے۔

مَن كَانَ مَسْرُوْرًا بِمَقْتَلِ مَالِكٍ فَلْيَاتِ نِسْوَتَنَا بِوَجْهِ نَهَارِ

جوشخص مالک کے قتل سے خوش ہے تو وہ ہماری مستورات کو دن دہاڑے آکر دیکھ لے۔

يَجِدِ النِّسَاءَ حَوَا سِرًا يَنْدُبْنُهُ يَلْطِمْنَ اَوْجُهَهُنَّ بِالْاَسْحَارِ

وہ عورتوں کو اس حال میں پائے گا کہ وہ سر کھول کر رو رہی ہیں اور بوقت سحر اپنے مونہوں پر طمانچے مار رہی ہیں۔ (تاریخ طبری، ص513 ج8، تفسیر ابن المنذر: 599، تفسیر الثعلبی، ص91 ج3، معجم الادباء، ص1443 ج4، تاریخ کامل، ص514 ج1، روح المعانی، ص192 ج2)

اسلام نے اس طرح کے ماتم سے نہایت سختی سے منع کیا چناں چہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَى بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ (مشکوٰۃ: 1725، طبرانی اوسط: 2143، مسند احمد: 3658، مصنف ابن ابی شیبہ: 11339، نسائی: 1999، بخاری: 1297، مسلم: 103)

جو گالوں پر طمانچے مارے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی طرح چیخے چلائے اور بین کرے وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

اَنَا بَرِئٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ (مشکوٰۃ، کنزالعمال: 42224، ابن ماجہ: 1586، فیض القدیر: 2709، طبرانی اوسط: 1310، شعب الایمان: 9681)

میں اس سے بیزار ہوں کو جو سر منڈائے، چیخیں مارے اور کپڑے پھاڑے۔

اَلنَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ (مشکوٰۃ: 1727، طبرانی کبیر: 3425، مسند احمد: ص22912، مسلم: 29-934)

نوحہ کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اس طرح کھڑی ہوگی کہ اس پر رال کا لباس اور جرب کی قمیص ہوگی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَعَنَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلنَّائِحَۃَ وَالْمُسْتَمِعَۃَ (مشکوٰۃ: 1732، بیہقی: 7113، مسند احمد: 11622، شعب الایمان: 9681، طبرانی کبیر: 11309، شرح السنۃ: 1536)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور (اس سے راضی ہو کر) سننے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائے تعزیت بیٹھے۔ چہرہ انور سے رنج وغم کے آثار ظاہر تھے۔ ایک شخص نے آ کر حضرت جعفر کی خاندان کی عورت کے گریہ وبکا کا ذکر کیا۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ انہیں منع کرو۔ اس شخص نے جا کر منع کیا مگر وہ باز نہ آئیں۔ اس نے واپس آ کر عرض کیا کہ وہ نہیں مانتیں۔ آپ نے پھر اس کو فرمایا کہ ان کو منع کرو وہ پھر گیا، پھر آیا جب تیسری بار منع کرنے پر بھی وہ باز نہ آئیں تو آپ نے فرمایا:

فَاحْثُ فِیْ اَفْوَاھِھِنَّ التُّرَابَ (مشکوٰۃ: 1743، بخاری: 1305، مسلم: 935-30، مسند احمد: 26363)

ان کے مونہوں میں خاک بھر دو۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ کسی کے مرنے پر زور زور سے چیخنا اور چلا چلا کر رونا بین کرنا، منہ پیٹنا، سینہ کوبی کرنا، گریبان چاک کرنا، بال بکھیرنا یا نوچنا یا منڈوانا یہ سب حرام اور ممنوع ہے البتہ کسی عزیز کی موت پر آنسو بہانا اور اس کو مخاطب کر کے جائز اور مناسب کلام کرنا اور صبر ورضا کے الفاظ کہنا بالکل جائز ہے چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے جب سولہ ماہ کی عمر میں وفات پائی تو آپ نے فرمایا:

اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ (مشکوٰۃ: 1722، بخاری: 1303، جامع الاحادیث: 40747،

بے شک آنکھیں اشک بار ہیں اور دل غمگین ہے مگر ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو اور بے شک اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔

شعب الایمان:9683)

برے نام رکھنا

زمانہ جاہلیت میں لوگ برے برے نام رکھا کرتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برے نام رکھنے سے جن کے معنی اچھے نہ ہوں منع فرمایا اور اچھے نام رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا اِنَّکُمْ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِاَسْمَآئِکُمْ وَاَسْمَآءِ آبَآئِکُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَآءَ کُمْ تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے نام سے پکارے جاؤ گے پس تم اپنے نام بہت اچھے رکھو(مسند: 21693، دارمی:2736، ابوداؤد:4948، ابن حبان:5818، شعب الایمان: 8265، شرح السنۃ:3360، جامع الاحادیث:8758، مرقاۃ:4768) چناں چہ آپ نے بہت سے قبیح ناموں کو بدلا۔مثلاً ایک صحابیہ کا نام عاصیہ(گناہ کرنے والی) تھا۔آپ نے اس کا نام بدل کر جمیلہ رکھا۔ایک کا نام اہرم تھا آپ نے زرعہ رکھا۔ایک نام حزن تھا آپ نے سہل رکھا۔

جنگ وجدال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب کا بچہ بچہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا۔خاندانوں اور قبیلوں میں عداوت و دشمنی اور آپس میں لڑائی جھگڑے،قتل و غارت، لوٹ مار،فتنہ وفساد اور ظلم وتعدی کا ہر وقت بازار گرم رہتا۔ذرا ذرا سی بات پر تلواریں چل جاتیں۔سیکڑوں آدمی فریقین کے مارے جاتے۔ایک ایک خون کا بدلہ کئی کئی پشتوں تک جا کر لیتے تھے اور اس طرح لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔پوری تفصیل کتب تواریخ میں موجود ہے۔مثال کے طور پر دولڑائیوں کا مختصر بیان ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

حرب الفجار

اس لڑائی کا سبب یہ ہوا کہ بدر بن مغیث نامی ایک شخص ایک میلہ میں اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا اور غرور ونخوت سے کہنے لگا کہ ہے کوئی مجھ سے زیادہ بڑا جو میرے پاؤں سمیٹ دے؟ احمد بن مازن نے یہ سن کر تلوار سے اس کی ٹانگ کاٹ دی۔بس پھر کیا تھا

دونوں طرف سے جاہل تلواریں لے کرایک دوسرے پرٹوٹ پڑے اوراس طرح جانیں توڑ کرلڑے کہ طرفین کے ہزاروں آدمی قتل ہوگئے۔

بازارعکاظ

دوسری لڑائی کا باعث یہ تھا کہ عکاظ بازار میں اہل عرب کا ایک میلہ لگتا تھا۔ ہنگام میلہ میں ایک بدکارعورت قبیلہ بنی عامر کے میلے میں ایک سمت مونھ چھپا کر بیٹھ گئی۔ قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے اس کو چھیڑا۔ اس عورت نے شوروغل مچا دیا اس پر دونوں قبیلوں کے جہال اس قدر لڑے کہ لاشوں کے انبار لگ گئے۔ بتانا یہ ہے کہ اس قسم کی ادنیٰ اور حقیر باتیں ان کے آپس میں لڑنے مرنے کا باعث بنتیں۔ عرب میں اوس اورخزرج دو بہت بڑے قبیلے تھے اور ایک باپ کی اولاد تھے ان میں ایک سوبیس برس سے آتش جنگ شعلہ زن تھی، ہادی گمراہاں، رحمت عالمیان، نبی آخرالزمان حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تشریف لائے اور اپنے ساتھ ہدایت، رحمت اور اخوت ومحبت دینی لائے، وہ ہدایت انہیں فرمائی اوران کو راہ حق دکھائی، اخوت ومحبت کا درس دیا۔ دلوں سے بغض و عداوت کو دور کیا اور الفت ومحبت کا بیج بویا اتحاد واتفاق کی روح پھونکی۔ ان سے بری عادتیں اور قبیح خصلتیں چھڑائیں۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیم دی ان کے ظاہر وباطن کو پاک کیا اور سب کو علی الاعلان اپنے خالق و مالک جل شانہ کے ارشادات سنائے اوران تمام باتوں سے روکا جو آپس میں بغض وحسد، عداوت ونفرت اور اختلاف وتفریق کا باعث بنتی ہیں۔

ارشادہوا:

وَ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا ﴿۹۳﴾ (النساء)	اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ اس میں رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہوگا اور اسے اپنی رحمت سے دور کردے گا اور اس نے تیار کر رکھا ہے اس کے لئے

عذاب عظیم۔

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام:151)
اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے سوائے حق کے

اس ارشاد ربانی میں الا بالحق کا استثناء ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قتل کرنا جائز اور حق ہے جس سے ایسا جرم سرزد ہو جس کی وجہ سے وہ مستحق قتل ہو جائے مثلاً مرتد ہو جائے یا عمداً کسی کو ناحق قتل کر دے یا شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا مسلمانوں سے کیے معاہدہ کو کوئی حربی کافر توڑ دے یا اسلامی حکومت کے خلاف کوئی باغی ہو جائے یا کوئی راہزنی کرے تو ان صورتوں میں اس کا قتل جائز اور حق ہے۔

وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾ (اعراف)
اور نہ پھرو تم زمین میں فساد برپا کرتے

وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ (بقرہ)
اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔

گالی گلوچ اور بدزبانی لڑائی جھگڑے کا پیش خیمہ بنتی ہے اور لڑائی جھگڑے میں بعض مرتبہ قتل و غارت کی نوبت آ جاتی ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ (بخاری:6044، ترمذی:1983، ابن ماجہ:69، مسلم:116-64، مسند احمد:3647،) مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے فرمایا: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ (مسلم:65-41، دارمی:2758، بخاری:10، 6484، ابوداؤد: 2481، ترمذی:2627) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔ یعنی ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائیوں کی ایذا رسانی سے ہر ممکن بچنا چاہیے۔ آپ کا فرمان ہے کہ مومن پر لعنت کرنا اور مومن پر تہمت لگانا ایسا ہے جیسا کہ اس کو قتل کرنا (بخاری:6047)

وَ لَا تَاْکُلُوْۤا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ:188)
اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز اور باطل طور پر نہ کھاؤ۔

اس آیت میں ہر اس مال کو حرام قرار دیا گیا ہے جو کسی بھی ناجائز اور باطل طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ اس میں چوری، لوٹ مار، رشوت، بد دیانتی، دھوکہ دہی، جوا اور جھوٹی گواہی دے کر مال حاصل کرنا وغیرہ سب شامل ہیں۔

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ (البقرہ) — نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم ہو۔

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ (الشوریٰ) — بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۱﴾ (الدھر) — اور ظلم کرنے والوں کے واسطے دردناک عذاب تیار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا — اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

(بخاری: 2443، مسلم: 6582، مسند احمد: 11949، ترمذی: 2255، ابن حبان: 5166، طبرانی اوسط: 679)

صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو کی جا سکتی ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کی جائے؟ فرمایا اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ (مسلم شریف: 61-2583)

ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات یعنی تاریکیاں بن جائے گا (مسلم شریف: 56-2578)

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (المائدہ: 2) — اور ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو گناہ اور زیادتی (کے کاموں) پر اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ — اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے

بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶ (الحجرات)

پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو۔ پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

بعض لوگوں کا مشغلہ ہی دوسروں کے حقیقی یا فرضی عیوب کو اچھالنا اور ان کی تشہیر کرنا ہوتا ہے۔ انہیں بے بنیاد اور غلط خبروں کے اڑانے اور افواہیں پھیلانے میں خاص لطف آتا ہے۔ ایسے لوگ معاشرے کے لئے سخت پریشانی بلکہ تباہی کا باعث بنتے ہیں اس لئے کہ جھوٹی خبروں اور غلط افواہوں سے باہمی پیار و محبت اور امن و سکون برباد ہو جاتا ہے اور اکثر لڑائی جھگڑوں کی ابتدا جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اس لئے حکم دیا گیا ہے ہر کس و ناکس اور حرص و ہوا کے بندوں اور نافرمانوں کی باتوں اور خبروں کو یونہی بے تحقیق قبول نہ کر لیا کرو۔ ہوسکتا ہے کہ تم کسی کی بات کو سچا سمجھ کر یقین کر لو اور اس پر عمل کرنا شروع کر دو اور بعد میں تمہیں سخت ندامت اور افسوس ہو۔ مثلاً ایک فاسق انسان نے اپنے کسی خاص مقصد یا منصوبے کے تحت تمہارے پاس کسی قوم یا کسی جماعت یا کسی فرد کی شکایت کی اور تم نے محض اس کے بیان پر اعتماد کر کے اس قوم یا جماعت یا فرد کو کسی قسم کی تکلیف پہنچا دی، بعد میں تم پر ظاہر ہو جائے کہ اس نے غلط کہا تھا تو تمہیں کس قدر ندامت ہو گی اور اس کا نتیجہ ملک و ملت کے لئے کتنا نقصان دہ ثابت ہو گا۔ اسی لئے دوسری طرف جھوٹی اور غلط باتوں کو پھیلانے والوں کو سخت تنبیہ فرمائی:

وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝۱۵ (النور)

اور تم اپنے مونہوں سے وہ باتیں کرتے پھرتے ہو جن (کے نتائج) کا تمہیں علم نہیں اور تم اس کو ایک معمولی بات سمجھتے ہو حالاں کہ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔

یعنی ان بے بنیاد اور غلط باتوں کو کیوں زبان پر لاتے ہو جن کی واقعیت کا تمہیں خود بھی

علم نہیں اور نہ تم یہ جانتے ہو کہ ان باتوں کے پھیلانے سے کتنا عظیم نقصان ہوگا اور پھر اس جرم کو معمولی سمجھتے ہو؟ یادرکھو؟ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا جرم ہے۔

ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثُ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (کنز العمال: 8208، مسلم: 7، مصنف ابن ابی شیبہ: 25617، المقاصد الحسنہ: 807، فیض القدیر: 6242، مسند ابن الجعد: 627، البزاز: 8201، شرح السنۃ: 1431) آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ جو کچھ بھی سنے اس کو آگے بیان کرتا پھرے۔ یعنی جب وہ سنی سنائی باتیں واقع میں درست نہ ہوں گی تو یہ بھی جھوٹ اور غلط باتوں کا بیان کرنے اور پھیلانے والا ہو جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۖ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (الحجرات: 12)

اے ایمان والوں بہت گمانوں سے بچو کیوں کہ بعض گمان گناہ (ہوتے) ہیں اور لوگوں کے بھید نہ ٹٹولو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔ کیا تم میں کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا اور اللہ سے ڈرو۔

آپس میں لڑائیاں جھگڑے، بغض وحسد، عداوت ونفرت اور اختلاف وتفریق پیدا کرنے والی باتوں میں بدگمانی، عیب جوئی اور پیٹھ پیچھے برائی کو بہت بڑا دخل ہے اس لئے کہ جب ایک شخص کسی دوسرے سے بدگمان ہو جاتا ہے تو بدگمانی جو ایک جھوٹا وہم ہے وہ اس کے دل میں پیدا ہو کر آہستہ آہستہ یقین کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور حسن ظن کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتی تو پھر وہ مخالف شخص کو حقیر اور برا سمجھنے لگ جاتا ہے اور اس کی خوبیوں کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو تلاش کرنے کے لئے اندرونی بھید معلوم کرنے لگ جاتا ہے اور اگر کوئی بات ہاتھ آ گئی تو اس کو غلط رنگ دے کر اس پر تہمتیں

اور الزام لگانے شروع کر دیتا ہے اور پھر جگہ جگہ اس کی پیٹھ پیچھے خوب اس کی برائی کرتا ہے دوسرے شخص کو معلوم ہوتا ہے تو وہ بھی اس سے متنفر ہو جاتا ہے اور پھر آپس میں نفرت و حقارت اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللهِ اِخْوَانًا (بخاری کتاب الآداب: 5143، موطا: 3368، مسند احمد: 7846، مسلم: 2563، ابوداؤد: 4917، ترمذی: 1988، طبرانی اوسط: 8461، ابن حبان: 5687)

بدگمانی سے بچو کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو اور نہ لوگوں کے عیب ڈھونڈو اور نہ آپس میں حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور نہ آپس میں بغض رکھو بلکہ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا قبیح اور گندا کام ہے جیسا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ کر کھانا، جس طرح کوئی انسان اس کو پسند نہیں کرتا بلکہ سب اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں کیوں کہ اس سے سخت قساوت اور سنگدلی اور بغض و عداوت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمان بھائی کی غیبت سے بھی سخت ناگواری اور ناپسندیدگی ہونی چاہیے۔

انسان کا گوشت محض اس کی عزت و حرمت کی وجہ سے حرام ہے اس لئے جو چیز اس کی عزت و حرمت کو نقصان پہنچاتی ہے وہ بھی اس کے گوشت کی طرح حرام ہے اور مرد مومن کی عزت و حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے فرمایا:

مَا اَطْیَبَكَ وَاَطْیَبَ رِیْحَكَ مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ تَعَالٰی حُرْمَةً مِنْكَ مَالِهٖ وَدَمِهٖ وَاَنْ

اے کعبہ! تو کس قدر اچھا اور پاکیزہ ہے اور تیری ہوا اور فضا کس قدر دل آویز ہے۔ تو کس قدر عظمت والا ہے اور تیری عزت و حرمت کتنی عظیم ہے (لیکن) اس

يَظُنَّ بِهٖ اِلَّا خَيْرًا

(تفسیر ابن کثیر، ص 212ج 4، ابن ماجہ: 3932، کنز العمال: 401، جامع الاحادیث: 19774، المقاصد الحسنۃ: 1220)

ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے کہ مرد مومن کی عزت وحرمت اور اس کی جان و مال اور اس کے ساتھ نیک گمان رکھنے کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت زیادہ عظیم ہے۔

غیبت یہ ہے کہ مسلمان بھائی کی پیٹھ پیچھے ایسی بات کہنا جو اس کو ناپسند اور ناگوار ہو۔ اگر وہ بات اس میں موجود ہے تو غیبت ہے ورنہ بہتان۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: لا یدخل الجنۃ قتات۔ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا (ابوداؤد، مسلم: 169-105)

الغرض غیبت حرام اور کبیرہ گناہ ہے لیکن شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کا عیب بیان کرنا غیبت میں داخل نہیں چناں چہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین شخصوں کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں۔ ایک بدمذہب، دوسرا فاسق معلن، تیسرا ظالم حاکم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ

(الحجرات: 11)

اے ایمان والو! نہ مذاق اڑائیں کچھ لوگ دوسرے لوگوں کا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے (اللہ کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتیں (ہنسی اڑائیں) عورتوں کی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان (ہنستی اڑانے والیوں) سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ زنی نہ کرو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب دو۔

مذکورہ بالا احکام میں ان باتوں کی شدت سے ممانعت کی گئی ہے جو نفرت وحقارت اور عداوت ودشمنی اور جدال وقتال کا باعث بنتی ہے اس آیت میں بھی حکم دیا گیا ہے کہ کوئی گروہ یا کوئی طبقہ، مرد ہو یا عورتیں وہ دوسروں کو حقیر وذلیل سمجھ کر ان کا مذاق نہ اڑائیں ہوسکتا ہے

کہ جن کو یہ حقیر وغیرہ سمجھ رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے بہتر ہوں۔ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ مذہبی اور سیاسی اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض مال دار اور حکام جو مال و دولت اور اقتدار کے نشے میں سرشار ہو کر احکام الٰہیہ کی پابندی اور یاد الٰہی سے غافل ہو جاتے ہیں وہ غریبوں اور مذہبی لوگوں اور شریعت وسنت کی پابندی کرنے والوں اور کتاب وسنت کی صحیح تبلیغ واشاعت کرنے والوں کی ہنسی اڑاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح طعنہ زنی کرنا اور برے برے القاب سے ایک دوسرے کو یاد کرنا اس کی بھی ممانعت فرمائی کیوں کہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں اضافہ ہوتا ہے اور فتنہ وفساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔

دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھ کر ان کا مذاق وہی اڑاتا ہے جو اپنے آپ کو اچھا اور بڑا سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اچھا یا بڑا سمجھنا یہ غرور وتکبر ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے اس اخلاقی برائی کا مرتکب شیطان ہوا۔ اس نے اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر اور بلند سمجھا اور کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں اس سے بہتر ہوں خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے تکبر وغرور کرنے پر اس کو ملعون و مردود بنا دیا۔ جس کے اندر غرور وتکبر پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ اپنے اوپر کسی دوسرے کی بڑائی برداشت نہیں کرتا۔

اہل عرب میں دوسری برائیوں کے ساتھ یہ اخلاقی برائی بہت زیادہ تھی، وہ قبیلہ کے افراد کی کثرت، اعوان وانصار کی کثرت، مال و دولت کی زیادتی اور حسب ونسب اور حسن و جمال کی برتری پر فخر وغرور کیا کرتے تھے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کو ایک جیسا نہیں بنایا بلکہ ہر جنس اور ہر نوع میں بعض کو بعض پر فضیلت و برتری عطا فرمائی ہے۔ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اور اگر کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ کسی وصف یا کمال کا خیال آئے تو یہ برائی نہیں بلکہ یہ ایک فطری امر ہے۔ ہر صاحب جمال وکمال کے دل میں اپنے حسن و جمال

کا خیال ضرور آتا ہے اور اگر اس حسن و جمال کو اللہ تعالیٰ کا عین احسان اور کرم سمجھ کر اس کا شکر ادا کرے تو یہ نیکی ہے لیکن اگر اس خیال کے ساتھ ساتھ کبر و غرور پیدا ہو جائے اور جن میں وہ جمال و کمال نہ ہو ان کو حقیر و ذلیل خیال کرنے لگے تو یہ ضرور عیب اور برائی ہے۔

غرور وتکبر

سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ وہ ہلاک ہوا اس کے بعد جو بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے اس بداخلاقی کے مرتکب ہوئے وہ ہلاک ہوئے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی وَ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ ۬ۙ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۙ۴۵﴾ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَ کَانُوۡا قَوۡمًا عَالِیۡنَ ﴿ۚ۴۶﴾ فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَیۡنِ مِثۡلِنَا وَ قَوۡمُہُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ﴿ۚ۴۷﴾ فَکَذَّبُوۡہُمَا فَکَانُوۡا مِنَ الۡمُہۡلَکِیۡنَ ﴿۴۸﴾
(المومنون)

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے غرور و تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے تو انہوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں؟ حالاں کہ ان کی قوم ہماری غلام ہے! پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے۔

یعنی فرعون اور اس کے درباریوں نے ازراہ غرور و تکبر کہا کہ یہ دونوں تو ہمارے جیسے بشر ہیں اور ان کی قوم ہماری غلام ہے تو اگر ہم ان کو اپنا نبی مان لیں تو لازماً ان کی سرداری و برتری اپنے اوپر تسلیم کرنی پڑے گی اور ہمیں ان کا مطیع و فرمان بردار ہو کر رہنا پڑے گا اور یہ ہم سے نہیں ہو سکے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے غرور و تکبر اور سرکشی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو گئے۔

اسی طرح نوح علیہ السلام نے بھی جب اپنی قوم کو دعوت ایمان دی اور انکار حق اور بت پرستی وغیرہ کے انجام سے آگاہ کیا:

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ (المومنون:24)

تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا ایک بشر، یہ تم پر بڑائی چاہتا ہے۔

قوم کے امیر کبیر لوگوں نے جو اپنی امارت وسرداری اور مال ودولت کے نشہ میں سرشار تھے، لوگوں سے کہا کہ یہ نوح (علیہ السلام) کیا ہے تمہارے جیسا ایک بشر ہی تو ہے؟ یہ صرف بڑا بننا چاہتا ہے اس کو سرداری کی ہوس ہے اور تمہیں اپنا مطیع بنانا چاہتا ہے۔ گویا انہوں نے دعوت ایمان اور اصلاح وہدایت کی پاکیزہ تحریک کو خودغرضی اور اقتدار کی ہوس قرار دیا اور لوگوں کو برگشتہ کیا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اگر لوگ ان کی طرف مائل ہو گئے تو ان کی سرداری قائم ہو جائے گی اور ہماری سرداری کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ ان کو کسی طرح بھی گوارا نہ تھا۔ وجہ وہی غرور وتکبر ہے۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قوم کے کافر سرداروں نے کہا:

مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (ہود:27)

اور ہم تمہیں نہیں دیکھتے کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر و ذلیل ہیں (اور) سرسری نظر سے دیکھنے والے ہیں۔

یعنی اسی تکبر کی بنا پر وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ جو تمہارے پیروکار بن گئے ہیں، یہ ناسمجھ، بے عقل، خستہ حال، غریب اور چھوٹے لوگ ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ دعوت ایمان کے قبول کرنے سے ان ہی لوگوں کو انکار تھا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے۔

چناں چہ صریح طور پر فرمایا:

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ (النحل)

تمہارا معبود (بس) ایک ہی معبود ہے، تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ مغرور ومتکبر ہیں۔

یعنی ان کا غرور وتکبر ہی ان کو ایمان لانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے بعد ایک قاعدہ بیان فرمایا:

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ (الاعراف:146)

میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں (نشانیوں) سے ان لوگوں کو جو غرور وتکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق۔

یعنی جو لوگ غرور وتکبر کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مست رہتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ سزا ملتی ہے کہ ان کی توجہ آیات الٰہیہ کی طرف سے ہٹا دی جاتی ہے۔ نور بصیرت ان سے چھین لیا جاتا ہے اور وہ اللہ کی آیات کو سمجھنے کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ کے الفاظ سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا یہ غرور وتکبر بلا وجہ ہے ان کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اتنا بڑا اور اونچا سمجھنے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں انہیں عار ہو۔

کَذٰلِکَ یَطۡبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلۡبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ (المومن)

اور اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور سرکش کے دل پر۔

یعنی جو لوگ غرور وتکبر کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور حق وصداقت کے سامنے اپنا سر نہیں جھکاتے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ حق اندر جاتا نہیں اور کفر باہر آتا نہیں گویا قبول حق کی توفیق سلب ہوگئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محرومیت کا شکار ہو گئے۔

ان متکبرین کے بارے میں ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ﴿۳۶﴾ (النساء)

بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ومتکبر اور خود پسند ہو۔

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡتَکۡبِرِیۡنَ ﴿۲۳﴾

بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) غرور وتکبر کرنے

(النحل) والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

متکبرین کا انجام

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰

(المومن)

بے شک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل ہوکر۔

وَ اِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝۴۷ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝۴۸

(المومن)

اور جب وہ دوزخ کی آگ میں آپس میں جھگڑیں گے تو کمزور ان سے کہیں گے جو تکبر کرتے یعنی بڑے بنتے تھے کہ ہم تمہارے تابع تھے۔تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ گھٹا لو گے؟ متکبرین کہیں گے ہم سبھی آگ میں ہیں بے شک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا۔

متکبرین سے ان کے متبعین کہیں گے کہ تم نے دنیا میں ہم سے اپنی اتباع کروائی ہم تمہاری ہر خواہش کے مطابق کرتے رہے جس کی بدولت آج ہم مصیبت میں مبتلا ہیں اور عذاب الٰہی کا شکار ہیں۔اب تم بھی تو ہمارے کچھ کام آؤ اور اس عذاب کا کچھ حصہ تو ہم سے کم کر دو؟ متکبرین کہیں گے کہ آج ہم اور تم سب اس عذاب میں مبتلا ہیں۔جب ہم اپنے عذاب سے کچھ کم نہیں کر سکتے تو تمہارے عذاب سے کیا کم کر سکتے ہیں۔اب تو ہر مجرم کے لئے جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ قطعی اور اٹل ہے اور اسی کے مطابق سب کو بھگتنا پڑے گا۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۶۰

(الزمر)

کیا نہیں جہنم میں ٹھکانا غرور و تکبر کرنے والوں۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۷۲

(الزمر)

سو کتنا بڑا ٹھکانا ہے متکبرین کا۔

ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ (ترمذی:1998، ابوداؤد شریف کتاب اللباس باب ماجاء فی الکبر:4091، مصنف ابن ابی شیبہ:2657، مسند احمد:3789، مسلم:91، ابن ماجہ:59، ترمذی:1998)

جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر وغرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَةَ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهٗ فِی النَّارِ (ابو داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی الکبر:4090، ابن ماجہ:4145، مسند احمد:9359، ابن حبان:5671، شعب الایمان:7809)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے پس جو کوئی ان دونوں میں سے کسی ایک میں مجھ سے نزاع کرے گا میں اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

احتَجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ الْجَنَّةُ يَدْخُلُنِیْ الضُّعَفَاءُ وَالْمَسٰكِيْنُ وَقَالَتِ النَّارُ يَدْخُلُنِی الْجَبَّارُوْنَ وَالْمُتَكَبِّرُوْنَ فَقَالَ لِلنَّارِ اَنْتَ عَذَابِیْ اَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ شِئْتُ وَقَالَ لِلْجَنَّةِ اَنْتِ رَحْمَتِیْ اَرْحَمُ بِكِ مَنْ شِئْتُ (ترمذی:2561، مسند احمد:11754، نسائی:11458، ابن حبان:7477، مسند الحمیدی:1171)

جنت و دوزخ نے آپس میں جھگڑا کیا تو جنت نے کہا مجھ میں ضعیف اور مسکین لوگ داخل ہوں گے اور دوزخ نے کہا مجھ میں سرکش اور متکبر لوگ داخل ہوں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے میں تیرے ساتھ جس سے چاہوں انتقام لوں اور جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے میں تیرے ساتھ جس پر

چاہوں رحم کروں۔

یعنی تمہارا جھگڑا بے فائدہ ہے۔ میں مالک ومختار حقیقی ہوں جو چاہوں کروں۔ ایک کو میں نے سبب عذاب اور ایک کو میں نے سبب رحمت بنایا ہے۔ فرمایا:

يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْثَالَ الذَّرِ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَيُسَاقُوْنَ اِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ (ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ: 2492، مسند احمد: 6677، نسائی: 11827، شرح السنۃ: 3590)

قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی مانند آدمیوں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے، ان کو ہر طرف سے ذلت ڈھانپ لے گی۔ پھر ان کو جہنم کے قید خانہ کی طرف جس کا نام بولس ہے چلایا جائے گا ان پر آگ کے شعلے بلند ہوں گے وہ دوزخیوں کا نچوڑ یعنی پیپ اور لہو وغیرہ پلائے جائیں گے۔

الغرض غرور وتکبر ایک نہایت بری خصلت اور بداخلاقی ہے اس کے نتائج اور ثمرات تباہ کن ہیں اور یہ بدخصلت اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا، خواص بھی اس مہلک مرض کا شکار ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ ہر ایک اپنی بڑائی اور عظمت کا خواہاں ہے اور یہ خصلت بد جس میں بھی ہو وہ دارین کی سعادتوں سے محروم ہو جاتا ہے چناں چہ حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا تھا کہ تو ایمان لے آ۔ تیری سلطنت تیرے ہی پاس رہے گی۔ اس نے کہا میں اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کرلوں۔ جب اس نے ہامان سے پوچھا تو ہامان نے کہا اب تو تو خدا بنا ہوا ہے لوگ تیرے سامنے جھکتے اور تیری اطاعت کرتے ہیں۔ ایمان لانے کے بعد تو خدا نہیں رہے گا۔ بندہ اور مطیع بن جائے گا اور دوسرے کی عبادت کرے گا اور اس کے سامنے جھکے گا تو اس نے انکار کر دیا (احیاء العلوم) تکبر یعنی وہی بڑائی اس کی محرومیت کا باعث بنی۔

قریش مکہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم آپ کے پاس آنا تو

چاہتے ہیں لیکن آپ کے گرد غریب، نادار اور ادنیٰ درجہ کے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں اور ان کے پاس بیٹھنا ہماری ہتک ہے۔ اگر آپ ان کو اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم آپ کے پاس آ سکتے ہیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ (الانعام:52)

اور نہ دور ہٹاؤ ان کو جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں (اور صرف) اس کی رضا کے طالب ہیں۔

معلوم ہوا کہ کفار جو نسلی برتری کے قائل تھے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے ان کو گوارا نہ تھا کہ وہ غرباء و مساکین کے ساتھ بیٹھیں۔ گویا اسی برتری کے گھمنڈ نے ان کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری سے دور رکھا اور وہ دنیا و آخرت میں محروم ہو گئے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دنیا میں صرف ایک ہی بارگاہ اقدس ہے جہاں ظاہری شان و شوکت، مال و دولت اور رنگ و روپ کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ ایمان و تقویٰ، قلبی کیفیت اور خلوص و محبت کو دیکھا جاتا ہے۔

اسی طرح اہل کتاب کا حال تھا کہ وہ بھی کبر و غرور کی وجہ سے آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے ورنہ وہ اچھی طرح آپ کو جانتے پہچانتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ، یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ کہ وہ پہچانتے ہیں اس (نبی) کو جیسا کہ (بلا تردد) پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور فرمایا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ٘ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ۔ تو جب ان کے پاس آیا وہ نبی جسے وہ پہچانتے تھے تو منکر ہو گئے اس کے۔ پس اللہ کی لعنت ہو (جان بوجھ کر) انکار کرنے والوں پر۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سبزہ اور جنس وغیرہ نرم زمین میں پیدا ہوتی ہے پتھر پر نہیں؟ اسی طرح حکمت تواضع کرنے والوں کے دل میں اثر کرتی ہے، متکبر کے دل پر نہیں۔ (احیاء العلوم)

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تعجب ہے کہ آدم زاد تکبر کرتا ہے حالاں کہ وہ دو

مرتبہ پیشاب کی جگہ سے نکلا ہے۔ ایک بار بصورت نطفہ، دوسری بار بوقت پیدائش، حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ تعجب ہے آدمی پر کہ ہر روز ایک دو بار اپنے ہاتھ سے پاخانہ دھوتا ہے پھر تکبر کرتا ہے اور زمینوں اور آسمان کے مالک و جبار و متکبر کا مقابلہ کرتا ہے۔ حضرت مطرف بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مہلب سے فرمایا کہ متکبرانہ چال نہ چلو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے؟ اس نے متکبرانہ انداز میں کہا جانتے ہو میں کون ہوں؟ فرمایا ہاں میں جانتا ہوں اول تو گندہ نطفہ تھا اور آخر ناپاک مردار ہوگا اور اب پیٹ میں غلاظت بھرے پھرتا ہے۔ مہلب نے یہ سن کر متکبرانہ چال چھوڑ دی۔ (احیاء العلوم)

لیکن یہ یاد رہے کہ اچھا کھانا، اچھا پہننا، صاف ستھرا اور نفاست کے ساتھ رہنا یہ تکبر نہیں۔ اللہ جمیل ویحب الجمال۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند رکھتا ہے (کنز العمال:17165)۔ ایک حسین و جمیل شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میں ایک خوبصورت شخص ہوں اور خوبصورتی و نفاست کے ساتھ رہنا مجھے اس قدر پسند ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ نفاست میں کوئی مجھ پر فوقیت لے جائے کیا یہ تکبر ہے؟

قَالَ لَا وَلٰكِنِ الْكِبْرُ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَغَمَطَ النَّاسَ۔ (ابو داؤد:4092، مسلم: 91، شعب الایمان: 5783، مسند احمد: 3644)	فرمایا نہیں! بلکہ تکبر یہ ہے کہ حق کو قبول نہ کیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے

شراب و جوا

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں شراب کا پینا عام تھا۔ بچے، بوڑھے سب اس کے متوالے تھے۔ عورتیں اپنے مردوں کو اور چھوٹے اپنے بڑوں کو خود اپنے ہاتھوں سے پلاتے تھے۔ اور یہ شراب ام الخبائث ہے اور ان گنت جسمانی و روحانی بیماریوں کا سبب اور اخلاقی و معاشی و معاشرتی برائیوں کی اصل اور آپس میں عداوت و دشمنی اور فتنہ و فساد کی علت ہے۔

چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ (المائدہ)	شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ عداوت و دشمنی پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آؤ گے؟

اس آیت کے تحت تفسیر ضیاء القرآن میں ہے۔ شراب اور جوا کو حرام کرنے کی حکمت بیان فرمائی جارہی ہے۔ اگر چہ ان کی خرابیاں بے حد و بے شمار ہیں اور وہ قومیں جو اس کو شیر مادر سمجھ کر پیا کرتی ہیں وہ بھی اگر چہ اس کو چھوڑ دینے سے عاجز ہیں لیکن ان کی خرابیوں اور نقصانات کا برملا اعتراف کرتی ہیں۔ قرآن حکیم نے مختصر سے الفاظ میں ان کی دو مضر ترین خرابیوں کا ذکر کر کے ان کی قباحت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔ بتایا کہ شراب اور جوا کی حرمت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے عداوت و دشمنی کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ گہرے دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، سگے بھائی ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نماز اور یاد الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بد نصیبی اور محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ مؤذن اللہ کے حضور میں شرف باریابی حاصل کرنے کی دعوت دے رہا ہو اور کوئی اس وقت شراب کے نشہ میں مدہوش پڑا ہو یا جوا کی بازی جیتنے میں یوں کھویا ہوا ہو کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ رحمت کی گھڑی آئی تھی اور گزر بھی گئی اور جب شراب اور جوا کی حرمت کی یہ وجہ ہے کہ وہ یاد خدا سے غفلت کا باعث بنتے ہیں تو شطرنج اور تاش وغیرہ جب اپنے کھیلنے والوں کو اتنا منہمک کر دیں کہ نماز کی ہوش تک نہ رہے تو یہ کیوں حرام نہ ہوں گے۔ (ضیاء القرآن، ص 217، ج 2)

شراب کیا ہے؟

قرآن کریم میں شراب کے لئے لفظ ''خمر'' استعمال ہوا ہے۔ خمر کے معنی ہیں ''چھپانا''

لہٰذا ہر وہ شے جس کا کھانا یا پینا عقل و ہوش کو چھپالے اور مدہوش کر دے وہ خمر ہے اور اس کا کھانا پینا حرام ہے۔

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ (بخاری: 242، 5585، مسلم: 2001، ابن ماجہ: 3386، ترمذی: 1863، ابوداؤد: 3682، مصنف ابن ابی شیبہ: 23739، موطا: 711)

ہر وہ شراب جو نشہ لائے وہ حرام ہے۔

اَنَّ الْخَمْرَ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ مِنَ الشَّرَابِ (بخاری: 5585، ابوداؤد: 3682، ابن ماجہ: 3386)

بے شک خمر پینے کی وہ چیز جو عقل و شعور کو ڈھانپ دے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

قَدْ نَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ اَشْيَاءَ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالْعَسَلِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ (بخاری کتاب الاشربہ: 5588)

بے شک شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے اور وہ پانچ چیزوں سے (بنتی) ہے۔ انگور، کھجور، گیہوں، جو اور شہد اور خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے یعنی ختم کر دے۔

اس وقت شراب ان پانچ چیزوں سے بنتی تھی لیکن اب ان پانچ چیزوں میں ہی منحصر نہیں ہے اس کے علاوہ اور اشیاء سے بھی بن سکتی ہے۔

کیا شراب حرام ہے؟

بلاشبہ شراب قطعی حرام اور نجس ہے اور اس کی حرمت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے جو اس کو حلال کہے وہ کافر ہے کیوں کہ وہ کتاب و سنت کا منکر ہے۔

افسوس کہ دور حاضر میں مغربی تہذیب سے مغلوب افراد تو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ شراب حرام نہیں کیوں کہ قرآن پاک میں شراب کی حرمت کا صراحۃً ذکر نہیں بلکہ اس کے کسی قدر نافع ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں گناہ بھی ہے خواہ بڑا ہی سہی مگر

اس کے ساتھ نفع بھی ہے لیکن صراحۃً حرمت ثابت نہیں۔ یہ ہے آج کل کے روشن خیال طبقہ کا حال وخیال؟ معاذ اللہ۔

افسوس صد افسوس! کہ جو لوگ خواہشات نفسانی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں وہ بجائے اس کے کہ ان زنجیروں کو توڑ کر صحیح معنوں میں مسلمان یعنی مطیع وفرمانبردار بن جائیں بلکہ اس کے برعکس اس قسم کی تحریفات کا ارتکاب کر کے جہاں اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں وہاں اور لوگوں کے اخلاق و ایمان کی تباہی و ہلاکت کا باعث بھی بن رہے ہیں۔

اے کاش! یہ لوگ اللہ تعالیٰ جبار وقہار سے ڈرتے اور اپنی حدود کے اندر رہتے اور آیات قرآنی میں اس قسم کی تحریفات کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ڈاکٹر اقبال مرحوم نے فرمایا ہے:

ع خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

اسلام کے پاکیزہ نظام حیات میں شراب جیسی نجس وناپاک چیز کیسے حلال وجائز ہو سکتی تھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی حرمت کا حکم آہستہ آہستہ تدریجاً نازل ہوا تا کہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے کیوں کہ عرب میں اس کا عام رواج تھا اور یہ ان کو بے حد عزیز تھی۔ گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی تو جب ایمان پختہ ہو گئے اسلام کی تعلیمات قلب وروح کی گہرائیوں میں گھر کر گئیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی عادت فطرت بن گئی تو اس کی قطعی حرمت نازل ہوئی۔

چناں چہ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

قرآن کریم میں شراب کے بارے میں چار آیتیں ہیں:

(۱) وَ مِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَ الۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡہُ سَکَرًا وَّ رِزۡقًا حَسَنًا (النحل:67)	اور پھلوں میں سے کھجور اور انگور کہ تم ان سے شراب بھی بناتے ہو اور رزق حسنہ کے طور پر کھاتے بھی ہو۔

یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس وقت مسلمان شراب پیتے تھے اور یہ ان کے لئے

حلال تھی (مظہری) پھر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور چند انصاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! افتنا فی الخمر والمیسر فانھما مذھبتان للعقل و مسلبتان للمال۔ ہمیں شراب اور جوئے کے متعلق کچھ بتائیے کیوں کہ یہ دونوں عقل اور مال کو برباد کرنے والے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

(۲) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْـمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ (البقرۃ:219)

اور آپ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے متعلق۔ آپ فرما دیجئے۔ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ منافع بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے نفع سے۔

اس آیت کے نزول پر کچھ لوگوں نے تو اِثْمٌ كَبِيْرٌ فرمانے کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا اور کچھ لوگ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ کو دلیل سمجھ کر پیتے رہے۔

پھر حضرت عبدالرحمن بن عوف کے ہاں ایک دعوت کے موقعہ پر کچھ لوگوں نے شراب پی۔ اسی اثناء میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ ایک صاحب کو نماز پڑھانے کے لئے آگے کیا گیا۔ اس نے نشہ کی حالت میں سورۃ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھی اور لا چھوڑ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (نساء:43)

اے ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جانو تم کیا کہہ رہے ہو۔

اس آیت کے نزول سے اوقات نماز میں شراب کا پینا اور نشہ کرنا حرام ہو گیا۔

اس پر بعض لوگوں نے تو بالکل شراب کو چھوڑ دیا اور اس سے متنفر ہو گئے اور بعض اوقات نماز کے علاوہ پیتے رہے۔ بعدازاں ایک اور اجتماع میں سخت نشہ کی حالت میں لڑائی

ہوگئی یہاں تک کہ ایک صاحب کا سر پھٹ گیا اور معاملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے دعا فرمائی: اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا (مسند احمد: 378، ابوداؤد: 3670، مستدرک: 3101، تفسیر البغوی: 223، نسائی: 5031) اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے بارے میں واضح اور شافی طور پر بیان فرمادے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

(۴) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱ (المائدہ)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کا نصب کرنا اور جوئے کے تیر، یہ سب گندے اور شیطانی کام ہیں سو ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا اب تم باز آتے ہو؟

اس آیت میں شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی آٹھ صریح دلیلیں ہیں۔

(۱) شراب اور جوا رجس (ناپاک) ہیں اور ہر رجس حرام ہے صغریٰ تو عبارۃ النص سے ثابت ہے اور کبریٰ کی صحت کے لئے بھی قرآن کریم ہی سے دلیل حاضر ہے فرمایا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ یعنی خنزیر کا گوشت اس لئے حرام ہے کہ وہ رجس ہے۔

(۲) شراب عمل شیطان سے ہے اور جو شیطان کا عمل ہے وہ حرام ہے۔

(۳) فرمایا فَاجْتَنِبُوْهُ، اور جب تک کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو اصل امر میں وجوب ہے۔ جب شراب و جوا سے اجتناب واجب ہوا تو ترک واجب حرام ہو گیا۔

(۴) فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تا کہ تم فلاح پاؤ اور جس چیز سے اجتناب پر فلاح کو معلق کیا جائے وہ حرام ہے۔

(۵) فرمایا شیطان شراب و جوئے کے ذریعہ آپس میں بغض و عداوت ڈالتا ہے اور مسلمانوں کو آپس میں بغض و عداوت رکھنا حرام ہے۔ پس جو چیز کو موجب حرام ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے۔

(۶) نیز فرمایا کہ شیطان شراب اور جوئے کے ذریعے ذکر الٰہی سے روکتا ہے اور نماز فرض ہے وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا (اور افضل عمل) ہے اور ذکر الٰہی افضل ترین عمل ہے تو جو چیز فرض اور افضل ترین عمل سے مانع ہو وہ یقیناً حرام ہے۔

(۷) آخر میں فرمایا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ تو کیا اب تم باز آؤ گے یا نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا انتہائی حکم اس طرح دے وہ بلا شبہ حرام ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے شراب کو انصاب (بتوں) کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ انصاب جمع نصب کی ہے بمعنی بت کیوں کہ بت پرست بتوں کو عبادت کے لئے نصب کرتے تھے اس لئے ان کو انصاب کہا گیا ہے اور بتوں کا نصب کرنا کفر ہے اور کفریہ فعل کے ساتھ شراب کا ذکر کرنا کفر نہیں تو کیا حرام بھی نہیں؟

سنئے! حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: شَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ الْوَثْنِ وَشَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى (مظہری:18213، کنز العمال:13176، فیض القدیر:4853، مصنف عبدالرزاق:17064، مصنف ابن ابی شیبہ:24069، السنۃ لابی بکر بن خلال: 1312، الکشاف، ص674 ج1، تفسیر کبیر، ص132 ج4، بیضاوی، ص142 ج2، مجمع الزوائد:8178، المطالب العالیہ:1808، لسان المیز ان، ص209 ج1، جامع الاحادیث:3522، ارشاد الساری: 5575، کنز العمال:13176، مرقاۃ، ص2388 ج6، فتح القدیر شوکانی، ص46 ج6، ص84 ج2) شراب پینے والا ایسا ہے جیسا کہ بت کی پوجا کرنے والا اور شراب پینے والا ایسا ہے جیسا کہ لات وعزیٰ کی پوجا کرنے والا (اللھم احفظنا منہ)

چناں چہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے شراب! تیرا ذکر تو جوئے اور انصاب اور ازلام کے ساتھ ملا کر کیا گیا ہے بعدا لك وسحقا! تیرا ستیا ناس ہو، تیرا خانہ خراب

ہو۔(درمنثور،ص160ج3،ضیاء القرآن)

چونکہ آیت میں واضح طور پر بت پرستی کی طرح اس نجس وناپاک چیز سے بھی اجتناب کا حکم تھا۔ تو فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ سنتے ہی صحابہ کرام پکار اٹھے۔ انتھینا انتھینا ہم باز آ گئے، ہم رک گئے۔

اور اس آیۃ کریمہ کے ساتھ ہی آگے فرمایا:

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ (المائدہ)

اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور (نافرمانی سے) ڈرو۔ تو اگر تم نے (فرمانبرداری سے) روگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس واضح طور پر (احکام کا) پہنچا دینا ہے۔

یعنی خبردار! شراب اور جوا اور تمام ممنوعات سے اجتناب کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اس آیت کی رو سے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واجب ہے اور ترک واجب حرام ہے اور نافرمانی سے ڈرو کیوں کہ نافرمانی سے تم مستحق عذاب بن جاؤ گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری صرف یہی ہے کہ وہ احکام کو واضح طور پر تم تک پہنچا دیں، ماننا، نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ مانو گے تو فلاح پاؤ گے نہ مانو گے تو سزا پاؤ گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حکم میں مخالفت کرنے والوں کے لئے بہت بڑی تہدید اور سخت وعید ہے۔

شراب کے حرام ہونے کے بارے ایک اور صریح دلیل ہدیہ ناظرین ہے۔ ملاحظہ ہو۔

خمر (شراب) اِثْمٌ كَبِيْرٌ ہے اور اثم حرام ہے۔ پہلے مقدمے کا ثبوت قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ ہے اور اثم کا حرام ہونا بھی قرآن کریم کی عبارۃ النص سے ثابت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ (الاعراف)

فرما دیجئے! بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے تمام بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے

اور جو پوشیدہ ہیں اور اثم اور سرکشی کو اور یہ قرآن کریم سے ثابت ہو چکا ہے کہ شراب اثم ہی نہیں بلکہ اثم کبیر ہے۔ جب اثم حرام ہے تو اثم کبیر بدرجہ اتم حرام ہے۔ شراب اثم ہے اس کی مزید توضیح و تاکید کے لئے لغت عرب سے استشہاد کرتے ہوئے یہ شعر جسے صاحب قاموس اور مختار الصحاح نے نقل کیا ہے۔ (یہ دونوں زبان عرب کی مشہور لغت ہیں) پیش خدمت ہے۔ لفظ اثم کے معانی کے تحت مذکور ہے کہ شراب کے عربی میں بہت سے نام ہیں۔ ان میں ایک نام اثم ہے قد سمی الخمر اثما ؎

شَرِبْتُ الْاِثْمَ حَتّٰى ضَلَّ عَقْلِی
كَذَالِكَ الْاِثْمُ تَذْهَبُ بِالْعُقُوْلِ

میں نے اس قدر اثم یعنی شراب پی کہ میری عقل جاتی رہی اور یہ اثم یعنی شراب اسی طرح عقلوں کو لے جاتی ہے۔ (شعب الایمان، ص 391 ج 7، تفسیر البغوی، ص 189 ج 2، القرطبی، ص 60 ج 3، فتح الباری، ص 32 ج 10، مظہری، ص 348 ج 3، روح المعانی، ص 312 ج 1)

قرآن کریم اور لغت عرب سے ثابت ہو گیا کہ شراب اثم ہے اور اثم کو قرآن پاک نے واضح طور پر حرام فرمایا لہٰذا شراب کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبیلہ دوس میں سے ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک مشکیزہ شراب کے ساتھ حاضر ہوا تاکہ وہ آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرے تو آپ نے فرمایا:

هَلْ عَلِمْتَ اَنَّ اللهَ حَرَّمَهَا بَعْدَكَ؟ فَاَقْبَلَ الدَّوْسِیُّ عَلٰى رَجُلٍ كَانَ مَعَهٗ فَأمره بِبَيْعِهَا فَقَالَ لَهُ النَّبِیّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَلِمْتَ اَنَّ الَّذِیْ حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا وَاَكْلَ ثَمَنِهَا وَاَمَرَ بِالْمَزَادَةِ فَاُهْرِيْقَتْ حَتّٰى لَمْ يبْقَ فِيْهَا قَطْرَةٌ (درمنثور، ص 318 ج 2، التفسیر من سنن

کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے (جانے کے) بعد اس کو حرام کر دیا ہے۔ اس دوسی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ جاؤ اس کو بیچ دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ جس کا پینا حرام ہے اس کا بیچنا اور اس کی قیمت کھانا بھی

سعید بن منصور: 821، مسند احمد: 2190، فتح الباری، ص 279 ج 8، ابن کثیر، ص 163 ج 3)

حرام ہے۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ جاؤ اس کو بہادو تو وہ بہادی گئی یہاں تک کہ مشکیزہ میں ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔

اسی طرح حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے کے لئے ایک مشک شراب کی لائے یہ اس سال کی بات ہے جس سال شراب حرام ہوئی۔ آپ اسے دیکھ کر ہنس پڑے اور فرمایا:

هَلْ شَعرت اَنَّهَا قد حَرّمت فقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَفَلَا نبيعها فننتفع بثمنهَا فَقَالَ رَسُوْل اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعن الله اليَهُود انطَلقُوا اِلَى مَاحرم الله عَلَيْهِمْ من شُحُوم الْبَقر وَ الْغَنم فَاَذَابوه اهاله فباعوا مِنْهُ مَا يَاكُلُون وَالْخمر حرام ثمنهَا حرام بيعها حرام (درمنثور، ص318 ج2، الاساس فی التفسیر، ص505 ج3)

کیا تجھے معلوم نہیں ہوا کہ وہ حرام ہوگئی ہے تو انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم اس کو بیچ نہ دیں تا کہ اس کی قیمت سے منتفع ہوں؟ تو آپ نے فرمایا اللہ نے یہود پر لعنت فرمائی کہ جب اللہ نے ان پر گائے بکری کی چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچنا شروع کردیا وہ اس میں سے کھاتے نہیں تھے تو سنو! شراب حرام اس کا بیچنا اور اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ کے مکان میں شراب کا دور چل رہا تھا اور میں پلا رہا تھا۔ ادھر شراب کی حرمت نازل ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ منادی کردو۔

فَنَادَى فَقَالَ اَبُو طَلْحَةَ اخْرُجْ فَانْظُرْ مَا هٰذَا الصَّوْتُ قَالَ فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ هٰذَا مُنَادٍ يُنَادِيْ اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ لِي اذْهَبْ فَاَهْرِقْهَا قَالَ فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ وَكَانَتْ خَمْرُهُمْ

تو اس نے ندا کی۔ ابوطلحہ نے کہا باہر نکل کر دیکھو یہ اعلان کیا ہے۔ میں باہر نکلا تو میں نے (واپس آکر) کہا کہ ایک منادی کرنے والا ندا کر رہا ہے کہ لوگو خبردار ہو جاؤ بے شک شراب حرام ہوگئی ہے تو ابو

يَوْمَئِذٍ الْفَضِيْخَ (بخاری:4620،2664، مسلم:5131،دارمی:2134)

طلحہ نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اس کو بہا دو۔ میں نے بہا دی اور اس دن مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب بہہ رہی تھی اور اس دن شراب فضیح یعنی کھجور کی شراب تھی۔

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم چند آدمی ایک جگہ شراب پی رہے تھے، دور چل رہا تھا اور جام گردش میں تھے کہ اچانک میں کھڑا ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ سلام عرض کیا۔ اسی وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ الی قولہ مُّنْتَهُوْنَ۔ میں اسی وقت اس جگہ واپس آیا اور ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

قَالَ وَ بَعْضُ الْقَوْمِ شَرْبَتُهٗ فِيْ يَدِهٖ قَدْ شَرِبَ بَعْضًا وَبَقِيَ بَعْضٌ فِي الْاِنَاءِ فَقَالَ بِالْاِنَآءِ تَحْتَ شَفَتِهِ الْعُلْيَا كَمَا يَفْعَلُ الْحَجَّامُ ثُمَّ صَبُّوْا مَا فِيْ بَاطِيَتِهِمْ فَقَالُوْا انْتَهَيْنَا رَبَّنَا انْتَهَيْنَا رَبَّنَا (ابن جریر، ص22 ج7، درمنثور، ص315 ج2، ابن کثیر، ص167 ج3

فرماتے ہیں! بعض لوگوں کے ہاتھ میں شراب کا جام تھا۔ اس میں سے کچھ پی چکے تھے اور کچھ اس میں باقی تھی۔ اور بعض لوگوں کے منہ کے ساتھ برتن لگا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے جس قدر بھی برتنوں میں باقی تھی سب انڈیل دی اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار، ہم باز آ گئے اے ہمارے پروردگار ہم باز آ گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹوں کے باڑے کی طرف نکلے۔ میں بھی آپ کے ساتھ دائیں طرف چل رہا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے میں پیچھے ہٹ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں طرف ہو گئے اور میں بائیں طرف ہو گیا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آ گئے میں نے ان کے لئے بائیں طرف بھی چھوڑ دی۔ وہ آپ کے بائیں طرف ہو گئے جب آپ باڑے میں گئے تو کیا دیکھا کہ

وہاں چند مشکیں شراب کی بھری ہوئی پڑی ہیں۔

فَدَعَانِی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُدْیَةِ فَاَمَرَ بِالزِّقَاقِ فَشُقَّتْ ثُمَّ قَالَ لُعِنَتِ الْخَمْرُ وَشَارِبُهَا وَسَاقِیْهَا وَبَائِعُهَا وَمُبْتَاعُهَا وَحَامِلُهَا وَالْمَحْمُوْلَةُ اِلَیْهِ وَعَاصِرُهَا وَ مُعْتَصِرُهَا وَ اٰکِلُ ثَمَنِهَا (مسند احمد:5390، ابن کثیر، کنز العمال: 13177، مصنف عبدالرزاق: 17067، مصنف ابن ابی شیبہ: 21625، ابن ماجہ: 3380، طبرانی کبیر: 10056، بیہقی:17335، جامع الاحادیث:39812)

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا چھری لاؤ۔ میں لایا تو آپ نے حکم دیا کہ ان مشکوں کو کاٹ دیا جائے تو وہ کاٹ دی گئیں پھر فرمایا لعنت کی گئی ہے شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے اور خریدنے والے پر اور اس کے اٹھانے والے اور اٹھوانے والے پر اور اس کے بنانے والے اور بنوانے والے پر اور اس کی قیمت کھانے والے پر۔

انہی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جس کے پاس جتنی بھی شراب ہو وہ بقیع کے میدان میں فلاں فلاں مقام پر لے آئے اور جب سب جمع ہو جائیں تو مجھے اطلاع دو۔ چناں چہ آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہاں تشریف لائے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ آپ نے فرمایا۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میرے ہاں جو یتیم بچے زیر پرورش ہیں انہیں مال وراثت میں شراب ملی ہے اس کو کیا کریں؟ فرمایا

اَهْرِقْهَا قَالَ اَفَلَا اَجْعَلُهَا خَلًّا؟ قَالَ لَا! (ابوداؤد:3675، ابن کثیر، بیہقی:11198، مشکوٰۃ:3649، شرح السنۃ:2043)

اس کو بہا دو۔ عرض کیا کیا اس کا سرکہ نہ بنالوں؟ فرمایا نہیں نہیں۔

الغرض شراب کی حرمت کے نازل ہونے پر جب مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں اعلان

ہوا تو بس پھر کیا تھا کہ شراب گندے پانی کی طرح ہر جگہ بہتی ہوئی نظر آ رہی تھی اور کمال یہ ہے کہ اس کے بعد پھر کسی نے اس کی خواہش نہ کی۔

احادیث مبارکہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ

شراب سے بچو! کیوں کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

(کنز العمال: 13159، جامع الاحادیث: 597، شعب الایمان: 5199، مستدرک: 7231، مصنف عبدالرزاق: 17069، مشکوٰۃ: 580، ابن ماجہ: 3371، البزار: 4147، طبرانی کبیر: 156، در منثور ص 176 ج 3)

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَشْهَدُ بِاللهِ وَاَشْهَدُ بِاللهِ لَقَدْ قَالَ لِيْ جِبْرَئِيْلُ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ مُدْ مِنَ الْخَمْرِ كَعَابِدِ وَثْنٍ

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، پھر خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جبرئیل امین نے مجھ سے کہا اے محمد! بے شک شرابی ایسا ہے جیسا کہ بت پوجنے والا۔

(کنز العمال: 13160، حلیۃ الاولیاء، ص 204 ج 3، لسان المیزان: 646، جامع الاحادیث: 3523)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُدْ مِنُ خَمْرٍ

شرابی جنت میں نہیں جائے گا۔

(کنز العمال: 13199، مصنف ابن ابی شیبہ: 24078، ابن ماجہ: 3376، البزار: 4932، نسائی: 4896، مجمع الزوائد: 8213، ابن حبان: 6137، طبرانی کبیر: 11168،

مشکوٰۃ:4933،جامع الاحادیث:11256)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ الثَّانِيَةَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ الثَّالِثَةَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ فَاقْتُلُوْهُ (کنزالعمال:13213،نسائی:5280، مشکوٰۃ:3617،جامع الاحادیث:22525، مستدرک:8114،طبرانی:2397،620، مسند احمد:16847،ابوداؤد:4485،مصنف عبدالرزاق:17087،ترمذی:1444)

جو شراب پیے اس کو کوڑے مارو۔ پھر اگر دوسری مرتبہ پیے تو اس کو کوڑے مارو۔ پھر اگر تیسری مرتبہ پیے تو اس کو کوڑے مارو۔ پھر اگر چوتھی مرتبہ بھی پیے تو اس کو قتل کردو۔

انہی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَ الْمُدْمِنَ الْخَمْرَ وَالْمَنَّانُ بِمَا اَعْطٰى (مسند احمد،ص43ج9، تفسیر ابن کثیر،البزار:6050،نسائی:2562، ابن حبان:7340،شعب الایمان:7493، مجمع الزوائد:13432،فیض القدیر:3542)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین شخصوں کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ ماں باپ کا نافرمان، شرابی اور (راہ خدا میں) دے کر احسان جتانے والا۔

ان تینوں کے بارے میں لا یدخل الجنۃ کہ جنت میں نہیں جائیں گے بھی فرمایا ہے۔ (کذا فی نسائی:2562الدارمی:2139)

انہی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں کرے گا تو اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اگر اس نے پھر پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا۔تو اگر اس نے توبہ کر لی تو اللہ بھی اس کی توبہ قبول کرلے گا۔اگر اس نے پھر پی تو

اللہ تعالیٰ چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں کرے گا۔ اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

فَاِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ

(کنز العمال: 13223، ترمذی: 1862، مسند احمد: 6644، طبرانی کبیر: 13441، مشکوٰۃ: 3643، مجمع الزوائد: 8191، جامع الاحادیث: 22528)

لیکن اگر اس نے چوتھی مرتبہ بھی پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں کرے گا اور اگر اب وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا اور اسے نہر خبال سے پلائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز تک اللہ اس سے ناراض رہتا ہے۔ اور اگر وہ بغیر توبہ کے مرجائے تو کافر مرے گا اور جہنم میں جائے گا۔

عرض کیا گیا نہر خبال کیا ہے؟ فرمایا دوزخیوں کی پیپ لہو اور پسینہ وغیرہ۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور ہادی بنا کر بھیجا ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ہر قسم کے باجوں اور بتوں اور صلیب اور رسوم جاہلیت کو مٹا دوں۔

وَحَلَفَ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِيْ لَا يَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِيْدِيْ جَرْعَةً مِنَ الْخَمْرِ اِلَّا سَقَيْتُهُ مِنَ الصَّدِيْدِ مِثْلَهَا وَلَا يَتْرُكُهَا مَخَافَتِيْ اِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ حِيَاضِ الْقُدُسِ

(تفسیر مظہری، ص 270، مسند احمد: 22218، مشکوٰۃ: 3654، مجمع الزوائد: 8179)

اور میرے رب عزوجل نے اپنی عزت کی قسم کھا کر فرمایا کہ میرے بندوں میں سے جو بندہ ایک گھونٹ بھی شراب کا پئے گا میں اس کے برابر اس کو جہنمیوں کی پیپ پلاؤں گا اور جو میرے خوف کی وجہ سے شراب کو چھوڑ دے گا میں اس کو قدس کے حوضوں میں سے (شراب طہور وغیرہ) پلاؤں گا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَسۡکَرَ کَثِیۡرُہٗ فَقَلِیۡلُہٗ حَرَامٌ (ابوداؤد:3681، نسائی:5097، مسند احمد: 5648،ابن ماجہ:3392،ترمذی:1865)

جس کا زیادہ پینا نشہ لائے اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے۔

حضرت وائل حضرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طارق بن سوید جعفی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب بنانے کے متعلق پوچھا:

فَنَهَاهُ اَنۡ يَصۡنَعَهَا فَقَالَ اِنَّمَا اَصۡنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهٗ لَيۡسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهٗ دَاءٌ (مسلم شریف:5141، 12-1948، دارمی:2140،مسند احمد:18862)

تو آپ نے ان کو اس کے بنانے سے منع کیا۔انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کو صرف دوا کے لئے بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا بے شک شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شراب سے اجتناب کرو کیوں کہ وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔سنو! پہلے لوگوں میں ایک شخص بڑا عابد و زاہد، لوگوں سے الگ تھلگ ایک عبادت خانے میں رہتا تھا۔ایک گمراہ عورت اس کے پیچھے لگ گئی اس نے اپنی لونڈی کو اس کی طرف بھیج کر اس کو شہادت کے بہانے اپنے ہاں بلایا۔وہ لونڈی کے ساتھ چلا آیا اور جب اس عورت کے گھر میں داخل ہوا تو جس دروازے سے گزرتا جاتا لونڈی اس دروازے کو بند کرتی جاتی۔ جب اس کمرے میں پہنچا جہاں وہ عورت تھی تو اس نے دیکھا کہ ایک بہت ہی خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی ہے اس کے پاس ایک بچہ تھا اور ایک برتن شراب کا بھرا ہوا رکھا تھا۔تو اس عورت نے کہا خدا کی قسم! میں نے آپ کو کسی شہادت وغیرہ کے لئے نہیں بلایا بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ آپ میرے ساتھ زنا کریں یا یہ شراب پئیں یا اس بچے کو قتل کر دیں؟ اس نے یہ خیال کر کے ان تینوں میں شراب کا پینا چھوٹا گناہ ہے کہا مجھے اس شراب سے ایک جام پلا دو۔عورت نے اس کو ایک جام شراب کا پلایا کہنے لگا اور پلاؤ اور پلاؤ۔ جب شراب کے نشے میں مدہوش ہو گیا تو اس عورت سے زنا بھی کر بیٹھا اور لڑکے کو بھی قتل کر دیا۔

فَاجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّهَا وَاللّٰهُ لَا يَجْتَمِعُ الْاِيْمَانُ وِاَدْمَانُ الْخَمْرِ اِلَّا اَوْشَكَ اَنْ يُخْرِجَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ (نسائی:5156، تفسیر ابن کثیر،ص 170 ج 3، کنز العمال: 13696، مصنف عبدالرزاق:1706، جامع الاحادیث:31914)

تو شراب سے بچو! خدا کی قسم شراب کا پینا اور ایمان دونوں جمع نہیں ہوتے۔ ایک کا آنا اور دوسرے کا جانا ہے۔

اس کی تائید حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے۔ فرمایا:

لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ شَارِبُهَا حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِن (نسائی شریف:5149، بخاری: 2475، مسلم:100-57، ابن ماجہ:3936، مصنف عبدالرزاق:13682، مصنف ابن ابی شیبہ: 30331، دارمی: 2152، ابن حبان: 5172، مسند احمد:25088)

زانی جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں رہتا اور شرابی جس وقت شراب پیتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں رہتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں رہتا

نیز فرمایا:

اِيَّاكَ وَالْخَمْرَ فَاِنَّ خَطِيْئَتَهَا تَفْرَعُ الْخَطَايَا كَمَا اَنَّ شَجَرَتَهَا تَفْرَعُ الشَّجَرَةَ (کنز العمال: 13162، ابن ماجہ:3372، فیض القدیر: 2894، جامع الاحادیث: 9728)

شراب سے بچو! بے شک شراب ایسا گناہ ہے جس سے سب گناہ اس طرح جنم لیتے ہیں جس طرح درخت سے شاخیں جنم لیتی ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيَسْتَحِلَّنَّ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِي الْخَمْرَ بِاسْمٍ يُسَمُّوْنَهَا اِيَّاهُ (کنز العمال:

میری امت کا ایک طائفہ شراب کا مخصوص نام رکھ کر اس کو ضرور حلال قرار دے گا۔

13164، مصنف عبد الرزاق: 17055،
مصنف ابن ابی شیبہ: 23773، ابن ماجہ:
3384، فیض القدیر: 7226، المطالب
العالیہ، ص300 ج18، مسند احمد: 22709،
مجمع الزوائد: 8216، جامع الاحادیث:
18299)

انہی سے روایت ہے کہ فرمایا:

اِنَّ اُنَاسًا مِنۡ اُمَّتِیۡ یَشۡرِبُوۡنَ الۡخَمۡرَ یُسَمُّوۡنَهَا بِغَیۡرِ اِسۡمِهَا (کنز العمال: 13264، طبرانی کبیر: 7474، جامع الاحادیث: 7582، فتح الباری، ص 52 ج10، ابن عساکر: 4077)

میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل دیں گے۔

حضرت کیہان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سَتَشۡرِبُ اُمَّتِیۡ مِنۡ بَعۡدِیۡ الۡخَمۡرَ یُسَمُّوۡنَهَا بِغَیۡرِ اِسۡمِهَا یَکُوۡنُ عَوۡنَهُمۡ عَلٰی شُرۡبِهَا اُمَرَاءُ هُمۡ (کنز العمال: 13175، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم: 6408، ابن عساکر: 869، جامع الاحادیث: 13038)

میرے بعد عن قریب میری امت کے (حکام) لوگ شراب کا نام بدل کر شراب پئیں گے اور ان کے امراء اس کے پینے پر ان کی اعانت کریں گے۔

الغرض! شراب قطعی حرام اور نجس ہے اور اس کی حرمت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے جو اس کو حلال کہے کافر ہے کیوں کہ وہ کتاب وسنت کی صریح نصوص کا منکر ہے۔ قرن اول سے لے کر آج تک جہاں کہیں بھی صحیح اسلامی قانون نافذ ہوا۔ شراب پینے والے پر حد قائم کی جاتی رہی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ

اور جو شخص مخالفت کرے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

(النساء)

کی بعد اس کے کہ اس کے لئے ہدایت کی راہ واضح ہوگئی اور مومنوں کی راہ سے الگ راہ پر چلے تو ہم اسے پھرنے دیں گے جدھر وہ خود پھرا ہے اور (آخرت میں) ڈال دیں گے ہم اس کو جہنم میں اور وہ بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ (التوبہ:29)

جنگ کرو ان لوگوں سے جو اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے اور نہیں حرام سمجھتے ان کو جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

لَوْ وقعت قطرۃٌ منها فی بئر فبُنیت فِی مَکَانها مَنَارۃٌ لم اوذّن عَلَیْهَا وَلَوْ وقعت فِی بحر ثُم جَفَّ فنبت فیه الکلاءُ لم ارْعَه دابتی (تفسیر روح المعانی، الکشاف، ص 260 ج 1، تفسیر النسفی، ص 182 ج 1، تاریخ الخمیس، ص 27 ج 2، تفسیر ابی السعود، ص 218 ج 1، روح البیان، ص 340 ج 1)

اگر بالفرض شراب کا ایک قطرہ کنوئیں میں گر جائے اور اس جگہ پر ایک مینار تعمیر کیا جائے تو میں اس پر کھڑے ہو کر اذان بھی نہ کہوں گا اور اگر شراب کا ایک قطرہ دریا میں گر جائے اور وہ دریا خشک ہو جائے اور وہاں گھاس پیدا ہو تو میں وہ گھاس اپنے چار پایوں کو بھی نہ کھلاؤں گا۔